واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ
الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (ابراھیم: ۱۸)

”اور جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی ہے جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے (اور اسے منتشر کردے)، اپنے کیے ہوئے پر ان کو ذرا قدرت نہ ہوگی۔ یہی دور کی گمراہی ہے“۔

الہامی ادب

قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ
وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ
وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبۃ: ۲۴)

(اے نبیؐ) آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی اور تمہاری بیویاں، تمہارے قبیلے والے، تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارا کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مجلہ نمبر ۲۳

حبل اللہ

زیر نگرانی: محمد حنیف

مجلس ادارت

محمدی گل ۔ شمیم احمد صدیقی ۔ صابر علی
منور سلطان ۔ محمد سہیل

تحریکی ساتھیوں سے اپیل

تحریک کو جاری رکھنے
اور حبل اللہ کی اشاعت کو ممکن
بنانے کے لیے حسب توفیق مالی تعاون
ضرور فرمایئے

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مجلہ حبل اللہ درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے، اس کے سوا اس کا دوسرا کوئی پتہ نہیں

مقام اشاعت

مرکزی دفتر مسجد توحید
آر۔ جی ریلوے کوارٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۷۰۲۸،
کیماڑی ۔ کراچی

اس شمارے میں

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیثِ دل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب ۲۱)

''تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے ملنے اور آخرت کی جوابدہی پر یقین رکھتا ہے اور اللہ کو خوب یاد رکھتا ہے۔''

اس کی عملی تفسیر یہ حدیث پیش کرتی ہے:

عن عبداللہ بن مسعود ﷜ قال من سرّہ ان یلقی اللہ غدًا مسلمًا فلیحافظ علی ھؤلاء الصلوات حیث ینادی بھن فان اللہ شرع لنبیکم ﷺ سنن الھدی و انھن من سنن الھدی ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم و لو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم و ما من رجل یتطھر فیحسن الطھور ثم یعمد الی مسجد من ھذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوھا حسنۃ و یرفعہ بھا درجۃ و یحط عنہ بھا سیئۃ و لقد رأیتنا و ما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یؤتی بہ یھادی بین الرجلین حتی یقام فی الصف

(مسلم، کتاب المساجد، باب صلوۃ الجماعۃ من سنن الھدی)

عبداللہ بن مسعود ﷜ روایت کرتے ہیں کہ تم میں سے جو کل (بروز قیامت) اللہ سے بحیثیت مسلم ملاقات کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان صلوات کی حفاظت کرے (اور انہیں اس جگہ ادا کرے) جہاں ان کے لیے اذان دی جاتی ہے اس لیے کہ اللہ نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت کے طریقے مقرر کر دیے ہیں اور یہ صلوات بھی انہیں میں سے ہیں۔ اور اگر تم انہیں اپنے گھروں میں ادا کرو گے جس طرح کے فلاں شخص کرتا ہے تو ضرور اپنے نبی ﷺ کے طریقے کو چھوڑ بیٹھو گے اور اگر تم اپنے نبی ﷺ کے طریقے کو چھوڑ دو گے تو ضرور گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ طہارت کرے، اور اچھی طرح طہارت کرے، پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد کا قصد کرے، مگر یہ کہ اس کے اٹھنے والے ہر قدم پر اللہ ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی ایک خطا مٹا دیتا ہے۔ اور ہم تو دیکھتے کہ ان جماعتوں سے سوائے بکھلا منافق کے کوئی پیچھے نہ رہتا، ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے چل کر آ سکتا تو وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔

قرآن کی اس آیت اور حدیث مذکورہ میں ایمان و عمل کا وہ معیار ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام ﷢ اس معیار پر پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور ۵۵)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا، اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائیدار کرے گا، اور خوف کے بعد ان کو امن عطا فرمائے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔''

انہیں اقوام عالم میں فضیلت و برتری حاصل ہوئی۔ باطل کے پرستار، شیطان کے پیروکار سرنگوں ہوئے، ان کے محکوم و اطاعت گذار بنے۔ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی انہوں نے مطلوبہ معیار قائم رکھا جس کی نشاندہی قرآن میں کی گئی ہے کہ:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج ۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکن عطا فرمائیں تو صلوۃ کو قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں۔ اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

چنانچہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم ہوئی اور وہ عدل و انصاف اور امن و سکون کا گہوارہ بنی۔ خیر القرون کے بعد پھر تاریخ نے کروٹ بدلی: احبار و رہبان دنیاوی مفادات اور جاہ و منصب کی طرف مائل ہو کر، تن آسانی اور عیش کوشی کے شائق ہوئے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فقدان ہوا اور پھر بتدریج زوال و بگاڑ کے جراثیم جگہ بنانے لگے یہاں تک کہ یہ امت عقائد کی خرابی اور تفرق پردازی میں مبتلا ہوگئی: الٰہ واحد کے مقابلے میں بہت سے نافع و ضار بنا لیے گئے، کسی کو داتا، کسی کو دستگیر، کسی کو حاجت روا، کسی کو خزانے بخشنے والا، کسی کو فریاد رس، کسی کو بگڑی بنانے والا قرار دیا گیا، کوئی ان کا مشکل کشا بنا تو کوئی غوث الاعظم غرض شرک کے جرم عظیم کا ارتکاب کر کے یہ آخری امت پہلی امتوں کی طرح اللہ کے قہر و غضب کا شکار ہوگئی۔

اس پس منظر میں اس نام نہاد امت مسلمہ کا طرز عمل دیکھیے کہ کس طرح سے اپنے نبی ﷺ کے طریقے سے دور اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے طریقوں سے نزدیک ہے۔ انہیں سنت رسول ﷺ سے گویا ایک طرح کی چڑ سی ہے اور دشمنان دین سے بڑی محبت اور ان کے طور طریقوں سے گہرا شغف۔ ان مغضوب و ضالون لوگوں سے ان کی مرعوبیت اور انسیت کا یہ عالم ہے کہ آنکھ بند

باقی صفحہ ۵۷ پر

عقیدہ عذابِ قبر اور مسلک پرستوں کی مغالطہ آرائیاں

محمد سہیل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر دنیا میں بھیجا اور اس کو ہر قسم کی نعمتیں اور طیب چیزیں عطا فرمائیں، اس سے وعدہ استخلاف یعنی خلافت ارضی کا وعدہ بھی فرمایا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی مالک و معبود سمجھے، کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ رب ذوالجلال کا انتہائی فضل و کرم ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا مکمل اور جامع انتظام فرمایا تاکہ وہ اپنے ازلی دشمن شیطان لعین کی گمراہی سے محفوظ رہے۔ لیکن یہ انسان کی بدبختی ہے کہ اس نے ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں کی ہدایت کو فراموش کر کے اللہ کے اولیاء اور وفات شدہ ہستیوں کو جن میں انبیاء و صلحاء بھی شامل ہوتے، کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ان کے ساتھ بندگی کا تعلق پیدا کر لیا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو اعلیٰ و اشرف منصب سے گرا کر اللہ کے سوا غوث و قطب کو مستحق بنا لیا۔ اس گمراہی تک پہنچانے میں احبار و رہبان کا کردار بہت ہی موثر رہا ہے۔ وہ دنیوی مال کے حصول کے شوق میں لوگوں کو گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر کے ان پر شرکیہ عقائد مسلط کرتے ہیں جیسا کہ قبر میں روح لوٹائے جانے کا عقیدہ اس امت کو دیا گیا۔ اسی طرح روح فی القبر کے عقیدے کے تحت مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے، ان کو مافوق الاسباب اختیارات کا حامل قرار دے کر معبود حقیقی کا ہم پلہ قرار دے دیا جاتا ہے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو یہی سکھایا جاتا ہے کہ یہ مقربین بارگاہ ہیں، دعائیں قبول کراتے ہیں، بگڑی بناتے اور مشکل کشائی کرتے ہیں، لہٰذا کارسازی و کارگاری کے لیے ان کے آستانوں پر حاضری دو، ان کو پکارو اور ان کی خوشنودی کے لیے نذر و نیاز کرو۔ اور یاد رکھو اس طرح سے قبر پرستی کا شرک جس کا محرک یہی قبر میں روح لوٹائے جانے کا عقیدہ رہا ہے، لوگوں کے دین و ایمان کا لازمی حصہ بن جاتا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ عقیدہ توحید پڑھنے والی امت بری طرح اس خبیث مرض میں مبتلا ہو کر ہر سو اللہ کے عذاب سے دوچار ہے۔ قبر پرستی کے شرک کا دارومدار عود روح، حیات فی القبر اور سماع موتی کے باطل نظریات ہی پر ہے اور انہی نظریات کی پرزور تائید یہ ماہرین فن اپنی تحریروں میں کرتے رہتے ہیں۔ خلاف قرآن عقائد کو بڑے ہی شاطرانہ انداز میں پیش کرتے ہیں اور اپنے جواز اور انکار ہی کے دفاع کے لیے قرآنی آیات کی معنوی تحریف اور غلط تاویل میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ پچھلے شمارے میں اس مضمون کے چند پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ان ماہرین کی کارستانیوں کو قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے آئینہ میں دکھایا گیا تھا، اس میں "عالم برزخ" اور "روح" کے بارے میں ان مسلک پرستوں کی پھیلائی ہوئی مغالطہ آرائیوں کا ازالہ کیا گیا تھا۔ اب اس مضمون میں "بے روح جسد عنصری" اور اس دنیاوی قبر کے بارے میں پیدا کردہ غلط فہمیوں پر بحث کی جائے گی اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے کتمان کا پردہ چاک کرکے حقائق کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کیا جائے گا۔ اس کا مطالعہ پچھلے مضمون کے تسلسل کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ غور و فکر کرکے اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

جسم کو عذاب ہونا

کتاب اللہ سے جب اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ مرنے کے بعد ملنے والی سزا یا جزا کا مقام یہ زمین نہیں بلکہ یہ سارا معاملہ عالم برزخ میں ہوتا ہے تو پھر اس عقیدے کا تصور ہی نہیں رہتا کہ اس سزا یا جزا میں یہ دنیاوی جسم بھی شامل ہوتا ہے، لیکن ان مسلک پرستوں کا عقیدہ ہے کہ

"اہل سنت والجماعت کا عذاب قبر کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد روح جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے جبکہ جسم اپنی قبر میں عذاب یا ثواب سے ہمکنار ہوتا ہے"۔

(خلاصہ الدین الخالص از ابوجابر عبداللہ دامانوی، صفحہ ۲۵)

ان کا یہ عقیدہ یکسر قرآن وحدیث کا انکار ہے۔ جزا و سزا اُس کے لیے ہے جو اس کا شعور و ادراک رکھتا ہو۔ روح اور اس جسم کے اتصال کا نام زندگی ہے، زندگی کے اس دور میں یہ جسم شعور و ادراک رکھتا ہے۔ لیکن جب اس جسم سے روح نکال لی جاتی ہے تو اس مردہ جسم کے تمام حواس قیامت تک کے لیے سلب کر لیے جاتے ہیں۔

سورۃ فاطر میں فرمایا گیا:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (فاطر: ۱۹-۲۲)

"اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہے۔ نہ چھاؤں اور دھوپ ایک جیسی ہے، اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں"۔

قرآن کی اس آیت نے اس بات کو مکمل طور پر واضح کر دیا کہ جس طرح اندھا دیکھنے والے کی، روشنی تاریکی کی اور دھوپ سائے کی ضد ہے، اسی طرح مردہ جسم ایک زندہ جسم کی ضد ہے، یعنی ان دونوں کی کیفیت یکساں نہیں۔ بالفاظ دیگر مردہ جسم زندہ جسم کی طرح دیکھنے، سننے، بولنے، تکلیف اور آرام کو محسوس کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ ان صفات سے عاری ہوتا ہے۔ ہر انسان زندگی اور موت کے مراحل سے گزرتا ہے۔ آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کو بغور دیکھیں کہ زندگی اور موت کے دور میں انسانی جسم کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

زندگی اور موت

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک: ۲)

"وہی جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرنے والا ہے"۔

زندگی کا دور

اسی آزمائشی دور کے لیے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات ۵۶)

''اور نہیں پیدا کیا ہم نے انسانوں اور جنوں کو مگر اپنی بندگی کے لیے''۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (الدھر ۲)

''ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں اس لیے ہم نے اس کو سننے اور دیکھنے والا بنایا''۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل ۷۸)

''اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں دیں اور دل تاکہ تم شکر گذار ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے موت اور زندگی کا جو نظام مرتب فرمایا ہے یہ انسان کی آزمائش اور پھر اس کی جزا و سزا پر مبنی ہے۔ اس آزمائشی دور میں انسان کو شعور و ادراک سے نوازا تاکہ یہ اپنے مقصد تخلیق کو سمجھے۔ با صلاحیت انسانی اعضاء عطا فرمائے اور دیکھنے، سننے، بولنے، سمجھنے اور سونگھنے کے حواس سے اس کو نوازا تاکہ حق بندگی ادا کر سکے۔ زندگی کے اس دور کے بعد اس کو موت آجاتی ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۗ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

(المومنون ۱۵-۱۶)

''پھر اس کے بعد تم کو موت آجائے گی، پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے''۔

اس جسد عنصری پر موت کا یہ دور اب قیامت تک چلے گا، پھر روز قیامت اس جسم کی دوبارہ تخلیق کی جائے گی اور اس میں روح لوٹا کر اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔ آیے دیکھیں کہ موت کے اس دور کے بارے میں کتاب اللہ کیا فرماتی ہے۔

موت کا مفہوم

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (النساء ۱۵)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے میں سے چار کی گواہی لاؤ اور اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھر میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا معاملہ پورا کردے یا اللہ ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے''۔

مریم صدیقہ کے بارے میں بیان کیا گیا:

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم ۲۳)

''اس (بچے) کے ساتھ پھر وہ حاملہ ہو گئیں اور اس (حمل) کو لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں، پھر درد زہ ان کو کھجور کے تنے کے پاس لے آیا، کہنے لگیں کہ کاش اس سے پہلے میں مر جاتی اور بے نام و نشان ہو جاتی''۔

بخاری کی ایک روایت میں آتا ہے کہ وفات سے قبل نبی ﷺ کو بہت تکلیف تھی، فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ افسوس میرے والد کو بہت تکلیف ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: لیس علی ابیک کرب بعد هذا الیوم

''آج کے بعد تمہارے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی''۔

(بخاری: کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاتہ)

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا وفات پا گیا، ان کے گھر آنے سے قبل ان کی زوجہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسے غسل دینے کے بعد کفنا کر اسے ایک طرف رکھ دیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جب رات کو واپس آئے تو بیٹے کے متعلق پوچھا۔ ان کی زوجہ نے کہا:

قد هدأت نفسه ''اس کی طبیعت پرسکون ہے''

(بخاری: کتاب الجنائز، باب من لم یظهر حزنه عند المصیبة)

ابن منظور لسان العرب میں قرآنی آیات کے حوالے دے کر اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

''الموت، السکون: اور ہر وہ جو رک جائے، وہ مر گیا، اور مر گئی آگ موت میں یعنی ٹھنڈی ہو گئی اس کی راکھ پھر نہ باقی رہا اس کی چنگاریوں میں سے کچھ۔ اور مر گئی گرمی اور سردی اور مر گئی ہوا۔ یعنی ٹھہر گئی اور ساکن ہو گئی.... اور اسی اقسام میں سے قوت حس کا ختم ہو جانا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اے کاش اس سے پہلے میں مر گئی ہوتی''۔ (لسان العرب)

کتاب اللہ سے موت کا یہی مفہوم ملتا ہے کہ موت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو زندگی کا خاتمہ کر دینے والی، بے نام و نشان اور پرسکون ٹھہر جانے والی ہو۔ یعنی جس میں کسی قسم کا کوئی شعور، ادراک اور حس و حرکت باقی نہیں رہتی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ''مردہ اور زندہ برابر نہیں''۔ ایک طرف تو قرآن زندہ انسان کے لیے شعور و ادراک رکھنے والا، سننے اور بولنے والا بیان فرماتا ہے اور دوسری طرف مردے کو زندہ کی ضد قرار دیتے ہوئے اسے شعور و ادراک سے عاری بیان فرماتا ہے۔ اس آزمائشی دور کے امتحان میں پوری طرح کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو احساس و شعور بخشا گیا تھا، جس طرح ان اوصاف سے نوازا گیا تھا موت کے اس دور میں ان سب کو واپس لے لیا گیا ہے۔ پہلے یہ انسان بنایا گیا تھا اب یہ مردہ گل رہا ہے، پہلے یہ مٹی سے بنایا گیا تھا اب مٹی میں مل رہا ہے۔ پہلے یہ زندہ لوگوں کی باتوں کا جواب دیتا تھا، پیروں سے چلتا تھا، ہاتھوں سے کام کرتا تھا، آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا تھا لیکن اب اس کے لیے بیان کیا گیا:

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل ۲۱)

''مردے ہیں ان میں زندگی کی رمق تک نہیں ہے اور انہیں یہ بھی شعور نہیں کہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے''

نبی ﷺ جب غزوہ بدر کے اختتام پر کنویں پر جا کر مشرکین کے قتل ہو جانے والے سرداروں کو نام بنام پکارنے لگے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول الله ما تكلم من اجساد لا ارواح لها

''اے اللہ کے رسول آپ ایسے جسموں سے خطاب کر رہے ہیں جن میں روح نہیں''۔

(بخاری: کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل)

یہی بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ زندگی کے دور میں اس جسم اور روح کا اتصال ہوتا ہے اسی لیے یہ جسم شعور و ادراک رکھتا ہے، لیکن جب اس جسم سے روح نکل جاتی ہے تو یہ جسم بے شعور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے مردہ جسم کو زندہ جسم کی ضد قرار دیا گیا۔

کیا حالت موت میں عذاب ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَآ أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝ (الفرقان: ۱۳-۱۴)

"جب یہ (کفار) جہنم میں تنگ جگہ پر ڈالے جائیں گے تو موت کو پکاریں گے (جواب ملے گا) آج ایک نہیں بہت سی موتوں کو پکارو"۔

وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ (الزخرف: ۷۷)

"اور کہیں گے اے مالک (داروغہ جہنم) تمہارا رب ہمارا کام تمام ہی کر دے یعنی ہمیں موت ہی دیدے، وہ کہے گا (نہیں) تمہیں (ہمیشہ اسی حالت) میں رہنا ہے"۔

يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (الحاقة: ۲۷)

"(وہ کہیں گے) اے کاش موت (ہمیشہ کے لیے) میرا کام کر چکی ہوتی"۔

يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا (النبأ: ۴۰)

"(اور تمنا کریں گے) اے کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا"۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

اذا صار اهل الجنة الى الجنة، وصار اهل النار الى النار، اتى بالموت حتى يجعل بين الجنة و النار ثم يذبح ثم ينادى مناد: يا اهل الجنة لا موت، و يا اهل النار، لا موت، فيزداد اهل الجنة فرحا الى فرحهم، ويزداد اهل النار حزنا الى حزنهم (مسلم کتاب الجنة و صفة نعيمها و اهلها باب النار)

"جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے اور جہنم والے جہنم میں تو موت لائی جائے گی اور جنت اور جہنم کے درمیان اسے ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک پکارنے والا پکارے گا اے جنت والو! اب کوئی موت نہیں ہے اور اے جہنم والو! اب کوئی موت نہیں ہے۔ یہ سن کر جنت والوں کو خوشی پر خوشی حاصل ہوگی اور دوزخ والوں کے رنج میں اضافہ ہو جائے گا"۔

ينادى مناد ان لكم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا و ان لكم ان تحيوا فلا تموتوا ابدا و ان لكم ان تشبوا فلا تهرموا ابدا و ان لكم ان تنعموا فلا تبأسوا ابدا......

(مسلم کتاب الجنة و صفة نعيمها و اهلها باب فى دوام)

"ایک پکارنے والا (جنتیوں کو) پکارے گا تمہارے لیے یہ طے کر دیا گیا ہے کہ تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہ پڑو گے اور یہ کہ تم زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہ آئے گی، اور یہ کہ تم ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور یہ کہ تم عیش و چین میں رہو گے اور کبھی کوئی رنج نہ ہوگا"۔

کیا وجہ ہے کہ کفار جب جہنم میں ڈالیں جائیں گے تو موت کی تمنا کریں گے؟ موت کو پکاریں گے؟ قرآن بیان کرتا ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر: ۳۶)

"جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، ان کا معاملہ پورا نہ کیا جائے گا کہ ان کو موت آ جائے، نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی"۔

قرآن نے بتایا کہ عذاب سے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان کو موت آ جائے یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں کمی فرما دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب موت کو ذبح کر کے یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ اب کوئی موت نہیں تو جہنمیوں کا رنج بڑھ جائے گا کیونکہ موت ہی وہ چیز تھی کہ جس سے ان کو اپنے عذاب کے ختم ہونے کی امید تھی، اور دوسری طرف جنتی خوش ہو جائیں گے کہ اب کوئی چیز ایسی نہیں کہ ہم کو اس بھرپور جزا سے محروم کر سکے۔

قرآن و حدیث سے واضح ہوا کہ موت کے اس دور میں اس جسم کا جزا و سزا سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو وہ کیفیت ہے کہ جس کی وجہ سے یہ دنیاوی جسم جزا و سزا سے دور رہتا ہے۔ قرآن و حدیث کے دیے ہوئے عقیدے کے مقابلے میں یہ مسلک پرست حالت موت میں عذاب و راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کی وجہ بھی بتاتے ہیں کہ اس مردہ جسم میں شعور و ادراک باقی رہتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"اور اموات کے احساس و شعور سے انکار ہے؟ اگر ان میں احساس و شعور نہ ہو تو قبر کا عذاب کیسے ہو سکتا ہے اور اموات جنت کے فوائد سے کیسے مستفید ہو سکتے ہیں؟"

(روح عذاب قبر اور سماع موتی، از عبد الرحمٰن کیلانی صفحہ ۱۴۰)

حقیقت یہ ہے کہ ان مسلکی علماء کے تحت الشعور میں اللہ کا دیا ہوا عقیدہ موجود ہے، لیکن اس کا انکار اس لیے ضروری ہے کہ ان کے فرقے کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ مندرجہ بالا تحریر عبد الرحمٰن کیلانی صاحب نے ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ کے قرآن و حدیث پر مبنی دلائل کو جھٹلانے کے لیے لکھی ہے، ورنہ جب بات دیگر مسلک والوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے تو یہی موصوف ان پر اس طرح برستے ہیں:

"اور یہی وہ بنیاد ہے جس کی جملہ صوفیا کو ضرورت تھی۔ لیکن قرآن اس کی یک ایک بات کی پرزور تردید کرتا ہے۔ وہ کیا ہے کہ یہ دور موت کا دور ہے زندگی کا دور نہیں قبروں میں پڑے ہوئے لوگ مردہ ہیں نہ ان میں شعور ہے نہ یہ سن سکتے ہیں، نہ جواب دے سکتے ہیں۔ اب دو ہی راستے ہیں یا تو ان اماموں اور بزرگوں کی روایات اور اقوال اور مکاشفات کو مان لیجیے اور قرآن سے دستبردار ہو جایئے ورنہ ان سب خرافات سے دست بردار ہونا پڑے گا"۔ (ایضاً صفحہ ۵۶)

اور یوں بالآخر اہلحدیثوں نے خود ہی اپنے اوپر قرآن سے دستبرداری کا فتویٰ چسپاں کر ڈالا!

جب ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ کی تحریر کو رد کرنے اور اپنا باطل عقیدہ ثابت کرنے کی ٹھانی تو قرآن و حدیث کے دلائل کو رد کرتے ہوئے "شہادت زور" کا روپ اپنایا اور کہا کہ مردہ میں احساس و شعور ہوتا ہے، اور جب دوسرے مسلک والوں کو ہرانے کی بات ہوئی تو قرآن و حدیث کے انہی دلائل کو بنیاد بناتے ہوئے مردوں کو احساس و شعور سے عاری بتایا اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں پر قرآن سے دستبرداری کا فتویٰ نافذ فرما دیا۔ یہ ہے شان خود کو اہلحدیث کہنے والوں کی!

فرقہ اہلحدیث کی نئی منطق!

یہ فرقہ پرست قرآن و حدیث سے تو اپنا یہ باطل عقیدہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے لہٰذا اب یہ لوگوں کو بہکانے کے لیے طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی چیز کا بے جان ہونا صرف ہمارے لیے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کوئی چیز بے جان نہیں ہے ......''۔

(پہلا زینہ، از قاری خلیل اہلحدیث، صفحہ ۵۷)

اس سے قبل ایک دوسرے اہلحدیث کا بیان بھی آپ کی نظروں سے گزرا اور اب ان موصوف کا یہ بیان بھی آپ کے سامنے ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو قرآن و حدیث پر چلنے والا بیان کرتے ہیں لیکن کیا ان کی اس طرح کی تحریروں میں آپ کو قرآن وحدیث کی کوئی دلیل نظر آتی ہے؟ یہ ساری باتیں آخر لفاظی تک ہی کیوں محدود ہیں؟ اپنے ان عقائد کے ثبوت میں کتاب اللہ کا کوئی حوالہ کیوں نہیں دیا جاتا؟ دراصل عقیدہ پہلے سے بنا ہوا ہے اور کسی صورت میں قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہو رہا، اس لیے اب اس طرح کی منطق سے کام نہ لیا جائے تو پھر کیا کیا جائے۔ قرآن وحدیث سے ان کی اس منطق کا جواب دینا ہرگز مشکل نہیں لیکن ہم بات صرف اس مردہ جسم تک ہی محدود رکھتے ہیں۔

مرا ہوا یا انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے جان ہے یا جاندار؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ (نحل ۲۱)

''مردہ ہیں، ان میں زندگی کی رمق تک نہیں''۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ (الانعام ۳۶)

''حقیقت یہ ہے کہ (دعوت حق) پر لبیک وہی کہتے ہیں جو سنتے ہیں، رہے مردے تو اللہ ان کو اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے''۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (النمل ۸۰)

''(اے نبی ﷺ) بے شک تم مردوں کو نہیں سنا سکتے''۔

إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (فاطر ۲۲)

''بے شک اللہ جسے چاہے سنا سکتا ہے اور تم انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں''۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ (الرعد ۳۱)

''اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا ہے کہ (اس کی تاثیر) سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین پھٹ جاتی یا مردے کلام کرنے لگتے''۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ (الانعام ۱۱۱)

''اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لاموجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ مگر یہ کہ اللہ ایسا چاہتا۔ لیکن ان کے اکثر لوگ جاہل ہیں''۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ مر جانے والوں کو مردہ و بے جان کہہ رہا ہے جو نہ سن سکیں اور نہ بات کر سکیں اور یہ ایک کلیہ ہے جو ناقابل رد ہے، لیکن یہ مسلک پرست فرماتے ہیں کہ اللہ کے لیے کوئی چیز بے جان نہیں۔ اب اگر اللہ کے نزدیک یہ مر جانے والے بے جان نہیں تو قیامت کے دن اللہ کے زندہ کر کے اٹھائے گا؟ یہ مسلکی علماء، لوگوں کو اس قسم کی مشکوک باتوں میں الجھا کر اپنے خود ساختہ عقیدے کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ انہی کا ظرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرامین کو اپنی تحریروں سے رد کرنے کی کوشش کریں!

دیگر دلائل سے مردے کے شعور و ادراک کو ثابت کرنا

اپنی کتاب کے انہی صفحات پر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ فصلیں، درخت، پودے وغیرہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں لیکن اللہ کا فرمان ہے کہ ہم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے لہٰذا اس کا مطلب ہوا کہ ہر چیز زندہ ہے مثلاً ایک ایک دیوار، ایک ایک اینٹ، ایک ایک پتھر، ایک ایک تنکا...... یہ سب زندہ ہیں اور اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح نبی ﷺ کے زمانے میں کھجور کا کٹا ہوا تنا رونے لگا، کس نے اسے احساس دلایا؟ نبی ﷺ کو پہاڑیاں نبوت سے پہلے سلام کرتی تھیں۔ ان بے جان پتھروں کا احساس دلانے والا کون ہے؟ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب یہودیوں کا قتل عام ہوگا تو وہ پتھر کے پیچھے چھپیں گے۔ جس پتھر کے پیچھے چھپیں گے تو وہ پتھر کہے گا کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہے۔ اس بے جان پتھر یا چٹان کو کس نے احساس دلایا (ملخص صفحات ۵۶، ۵۷)۔ پھر فرماتے ہیں:

''گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کوئی بھی چیز بے جان نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قبر میں لیٹے ہوئے بے جان جسم کو دکھ و سکھ کا احساس دلانے پر اللہ پوری طرح قادر ہے''۔ (ایضاً صفحہ ۵۷)

کیسی ستم ظریفی ہے کہ خرق عادت واقعات کو قانون کے طور پر پیش کر کے استدلال کے لیے بنیاد بنایا جا رہا ہے! مردہ جسم کے لیے قرآن وحدیث کا بتایا ہوا عقیدہ کیوں نہیں پیش کیا جاتا؟ اس کے لیے اِدھر اُدھر کی مثالیں پیش کرنا بڑی ہٹ دھرمی ہے کیونکہ انسان کی پیدائش اور مذکورہ اشیاء کی پیدائش اور افزائش نسل وغیرہ کا نظام تو یکسر مختلف ہے۔ انسانوں کی طرح نہ ان کے لیے موت ہے، اور نہ بعد از موت کوئی حساب کتاب یا جزا سزا۔ قرآن عقیدہ پیش کر رہا ہے کہ اس مردہ میں احساس و شعور نہیں ہے لیکن یہ قرآن وحدیث کے دیے ہوئے اس عقیدے کو غلط ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اس کے لیے ان چیزوں کو دلیل بنا رہے ہیں جن کی نوع انسانی سے کوئی مشابہت ہی نہیں! ان چیزوں کی زندگی کس طرح کی ہے؟ ان کے لیے موت کا کیا تصور ہے؟ ان میں احساس و شعور ہے یا نہیں؟ ہمیں ان تمام باتوں کا جب علم ہی نہیں دیا گیا تو ان کو دلیل بنانا کیسا! رہا معاملہ نبی ﷺ کے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے اور اس موقع پر کٹے ہوئے کھجور کے تنے کے رونے کا، تو کیا تمام کھجور کے تنے اسی طرح روتے تھے یا یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا؟ اسی طرح پہاڑیاں نبی ﷺ کو سلام کرتی تھیں تو وہ بھی عام بات تھی یا نبی ﷺ کا معجزہ تھا؟ یہودی کے چھپنے پر پتھر بولے گا۔ یہ کوئی عام بات ہوگی یا استثنائی معاملہ؟ .... ان کے ہی ''عالم دین'' اپنی اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

''............ ہرگز نہیں کیونکہ یہ استثنائی صورت ہے اور مخصوص ہے اسے عموم پر منطبق نہیں

کیا جاسکتا جس طرح عام قاعدے سے جو مستثنیٰ ہوا سے باقی چیزوں پر قیاس نہیں کر سکتے ......"۔(ایضاً صفحہ ۵۳)

واہ کیا بات ہے ان اہلحدیثوں کی! خود ہی کہتے ہیں کہ نہ استثنائی معاملہ بنیاد بن سکتا ہے نہ عام قاعدے سے مستثنیٰ بات کی بنیاد پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اب اپنے باطل عقیدے کے لیے یہ معجزے اور استثنائی معاملات کیوں دلیل بنائے جا رہے ہیں؟ بایں ہمہ ان سے بھی ان کا خود ساختہ عقیدہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

یہ مسلک پرست خود بھی اپنی ان باتوں سے مطمئن نہیں اور ان کو معلوم ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں، محض مغالطہ آرائی اور دھوکہ ہے۔ چنانچہ بریلویوں کی طرح اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے ہیں:

"لہٰذا ثابت ہوا کہ قبر میں لیٹے ہوئے بے جان جسم کو دکھ و سکھ کا احساس دلانے پر اللہ پوری طرح قادر ہے"

اور بھی کہتے ہیں:

"دوسری بات ہے کہ بے جان کو دکھ سکھ کا احساس کیسے ہوگا؟ یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دکھ سکھ کا احساس ہم نے دلانا ہو تب تو یقیناً ہم بے اختیار ہیں لیکن قرآن نے جس رب کا وصف یہ بیان فرمایا ہو اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو پھر اس سوال کو پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے"۔ (ایضاً)

ہندو پتھر کے بنے ہوئے مجسمے سے اولاد مانگتا ہے جس پر ہم سب اسے مشرک و کافر گردانتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص یہ دلیل دے کہ اللہ تعالیٰ تو کٹے ہوئے درخت کو اور پتھر تک کو گویائی دے سکتا ہے، ایک پتھر اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ سکتا ہے تو پھر کیا اللہ تعالیٰ اس پتھر کے بت سے اولاد نہیں دلوا سکتا؟ **کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں ہے؟** یہ مسلک پرست جواب دیں کہ یہ عقیدہ رکھنے والا کافر ہے یا مومن؟ ان کی راہ پر چلا جائے تو دینِ تصوف کی طرح کا معاملہ ہو کہ توحید و شرک کا فرق ہی باقی نہ رہے، بڑی آسانی اور سہولت ہو جائے: جو چاہے عقیدہ بنا لو اور کہہ دو: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کیا اس کائنات میں کوئی ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر ہو یا جس پر اللہ قدرت نہ رکھتا ہو! اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کسے انکار ہے؟ یہاں بات اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول و قوانین کی ہے، اللہ کے لیے ممکن اور غیر ممکن کی نہیں۔

قیامت کے دن کے معاملے کو مردہ جسم پر تھوپ دیا!

ایک اور اہلحدیث "عالم" اس مردہ جسم کے ادراک و شعور کے لیے قرآن سے دلیل دیتے ہیں:

"کہتے ہیں کہ مردہ جسم بے حس ہوتا ہے، اس کو تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہو سکتا، پس اس کو عذاب دینے کا کیا فائدہ؟

الجواب: یہ ان کا اللہ کی قدرت پر اعتراض ہے۔ دیکھو! زبان کو اللہ نے کلام کرنے کی طاقت دی ہے، مگر کسی اور عضو کا بولنا معقول نہیں، لیکن قیامت کے دن انسان کے دوسرے اعضاء بھی بولنے لگیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:......

"ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے ......

اب غور کریں کہ ہاتھ، پاؤں، کانوں، آنکھوں اور چیزوں میں بولنے کی طاقت نہیں، جب زبان بند ہوتی ہے، تو یہ سارے اعضاء بولنے سے عاجز ہوتے ہیں، اور مشاہدہ میں آیا ہے کہ جو گونگا ہوتا ہے، تو اس کا کوئی دوسرا عضو بات نہیں کر سکتا، مگر اللہ نے چاہا تو ان سے یہ کام لے لیا"۔

(عذاب قبر کی حقیقت، از بدیع الدین شاہ راشدی، صفحہ ۱۴، ۱۵)

اس کو کہتے ہیں پوچھو کھیت کی تو سنائے کھلیان کی! یہاں دلیل درکار ہے اس مردہ گل سڑ جانے والے دنیاوی جسم کے شعور و ادراک کی اور مثال پیش کی جا رہی ہے ان جسموں کی کہ جن میں دوبارہ تخلیق کے بعد روح ڈال دی جائے گی۔ جس جسم میں روح موجود ہو اس کے شعور و ادراک سے کسے انکار ہے؟ رہی بات کہ جسم کے دوسرے اعضاء بولیں گے اور گواہی دیں گے تو یہ معاملہ صرف یوم آخرت یعنی حساب کتاب کے لیے بیان فرمایا گیا ہے جبکہ نظام بالکل ہی مختلف ہوگا۔ اس معاملے میں بھی ہمارا ایمان صرف اسی حد تک ہوگا، کسی اور موقع کے لیے اس بات کو دلیل بنانا محض جہالت ہے۔ یہی راشدی صاحب مزید فرماتے ہیں:

"چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم کے لیے فرمایا: ...... یہ لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے اور اللہ کے سوا اپنا مددگار انہوں نے نہ پایا"۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں ماضی کے صیغے ہیں، جن میں گذری ہوئی باتوں کا ذکر ہے، جب ڈوب کر مر گئے اور بے حس ہو گئے پھر کیونکر ان کو آگ میں ڈالا گیا؟"۔ (ایضاً صفحہ ۱۷)

کیسی مہر لگی ہے ان پر کہ قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں اور عقیدہ اس کے خلاف رکھتے ہیں! قرآن و حدیث کا دیا ہوا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ جسم مٹی سے بنا ہے، مرنے کے بعد مٹی میں جاتا ہے، روح جنت یا جہنم (عالم برزخ) میں پہنچا دی جاتی ہے اور اسے ایک دوسرا جسم دیا جاتا ہے، روح اور اس جسم کا یہ مجموعہ قیامت تک حسب انجام سزا یا جزا سے نوازا جاتا ہے، قیامت کے دن ان گلے سڑے دنیاوی جسموں کی دوبارہ تخلیق کی جائے گی، ان میں روح لوٹا دی جائے گی اور پھر انہیں حسب انجام جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ بدیع الدین راشدی صاحب ان اہلحدیثوں کے صف اول کے عالم مانے جاتے ہیں جن کے بارے میں ایک دوسرے اہلحدیث "عالم" یہ مبالغہ آرائی کرتے ہیں کہ

ناصر السنة النبوية، ناصر العقيدة السلفية، قامع البدعة، المجاهد لاعلاء كلمة الله، الصلب فى السنة، الملازم للعبادة، العالم الفاضل، المحدث الفقية، رئيس المحققين، العلامة الشيخ السيدبديع الدين الشاه السندى الراشدى ......

(بداية المستفيد ج ۱ ص ۱۰۰ بحواله حديث اور اہلحدیث ص ۱۳۲)

یعنی موصوف سنت نبوی کے محافظ، مددگار ہیں، اسلاف کے عقیدے کی حفاظت کرنے والے ہیں، بدعات کو ختم کرنے والے، اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والے مجاہد ہیں، نسباً بزرگ و برتر ہیں، عبادت کو لازم کیے ہوئے ہیں، عالم و فاضل ہیں،

محدث وفقیہ ہیں، تحقیق کرنے والوں کے سربراہ ہیں، بہت بڑے عالم ہیں...... مگر حیف کہ ان "صفات" کے مالک عقیدہ دیتے ہیں کہ

"ڈبو دیے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے"

اور کہتے ہیں کہ

"جب ڈوب کر مر گئے اور بے حس ہو گئے پھر کیا مگر ان کو آگ میں ڈالا گیا؟"

یعنی ثابت کر رہے ہیں کہ یہی دنیاوی جسم جہنم میں داخل کر دیے گئے ورنہ یہ جسم اگر بے حس تھے تو ان کو جہنم میں عذاب کے لیے کیوں داخل کیا گیا؟ کیا شہداء کو اڑنے والے جسموں کا ملنا، ان کے علم میں نہیں؟ کیا شہداء کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کہ ان کی روحوں کو دنیاوی جسموں میں لوٹا دیا جائے، انہیں یاد نہیں؟ ان پیر مجتہد اصاحب کو ایسے ہی اتنے بڑے بڑے القابات دے ڈالے گئے!

قیامت سے قبل ان دنیاوی جسموں کے جہنم یا جنت میں داخل کیے جانے کا تو عقیدہ کتاب اللہ دیتی ہی نہیں، پھر یہ اہلحدیثوں کے ایمان کا حصہ کیسے بن گیا؟ سچ ہے اکابر پرستی قلب پر ایسا پردہ ڈال دیتی ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ واقعی جس کو اللہ ہدایت نہ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

ان پیر صاحب کا بیان ایک طرف، ایک دوسرے اہلحدیث اسی بابت فرماتے ہیں:

"سورہ نوح کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ پانی میں جسم غرق ہوئے اور جہنم میں جسموں کو نہیں بلکہ ان کی روحوں کو داخل کیا گیا۔ البتہ جسم بھی روح کے ساتھ عذاب میں شریک ہیں۔ جیسا کہ عذاب قبر کی احادیث سے یہ مسئلہ واضح ہے اور ہمارے لیے عذاب کے ان اثرات کو دیکھنا اور محسوس کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ غیب کا معاملہ ہے جسے حواس محسوس کرنے سے قاصر ہیں"۔

(عقیدہ عذاب قبر، از ابو جابر عبد اللہ دامانوی، صفحہ ۴۵)

ایک اہلحدیث "عالم" کہتا ہے کہ دنیاوی جسم ہی آگ میں داخل کر دیے گئے، دوسرا اہلحدیث "مفتی" کہتا ہے کہ جسم جہنم میں نہیں داخل کیے گئے بلکہ روح جہنم میں گئی جس کو وہاں عذاب ہو رہا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شریک ہے۔ کیسے شریک ہے؟ قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہ دے سکے تو وہی پرانا انداز کہ یہ غیب یا برزخ کا معاملہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ عقیدہ قرآن وحدیث میں کہاں ملتا ہے کہ مرنے والے کو دو عذاب ہوتے ہیں: روح کو علیحدہ اور جسم کو علیحدہ۔ قرآن کی ایک ہی آیت، دونوں مفتیان ایک ہی فرقے کے ماننے والے، مگر عقائد میں اتنا فرق کیوں! صرف اور صرف اس وجہ سے کہ قرآن وحدیث کا دیا ہوا عقیدہ چھوڑ کر اپنے اکابرین کا عقیدہ اپنا لیا گیا ہے۔ جب کتاب اللہ سے تمسک ختم ہو جائے، اس بنیاد کو ہی ترک کر دیا جائے جو اسلام کی بنیاد ہے تو پھر اسی طرح ایک کچھ کہے گا اور دوسرا کچھ۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نوح علیہ السلام کی قوم، آل فرعون، نوح ولوط علیہما السلام کی بیویوں کے مرنے کے بعد جہنم میں داخلے کا بیان فرمایا اور ان کے دنیاوی جسموں کا کوئی ذکر نہ کیا لیکن ان مفتیوں کے علم کی داد دیجیے کہ ان کو پتہ چل گیا کہ

"البتہ جسم بھی روح کے ساتھ عذاب میں شریک ہیں"۔

نبی ﷺ نے عمرو بن لحی اور ابو ثمامہ عمرو بن دینار کے جہنم میں عذاب ہونے کا ذکر فرمایا لیکن ان کے ان دنیاوی جسموں کا ذکر نہ کیا۔ اب نا معلوم "کون" ہے جو ان کو وحی کر دیتا ہے کہ........؟ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ

سوال یہ ہے کہ اس طرح کی تمام باتیں ہمارے ایمان کا حصہ کیسے ہیں کہ تمام کائنات اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، پتھر بولیں گے، پتھر کپڑے لے کر بھاگ سکتا ہے، نبی ﷺ کے سامنے کھجور کا کٹا ہوا تنا رو دیا، اللہ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی، اللہ کے حکم سے قیامت کے دن انسانی اعضاء گواہی دیں گے ...... صرف اور صرف اس وجہ سے کہ یہ ساری باتیں قرآن وحدیث بیان کرتے ہیں۔ اگر قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہوتی کہ مردہ جسم شعور رکھتا ہے یا اسی کو عذاب ہوتا ہے، تو ہم سب سے پہلے اس پر ایمان لاتے چاہے ہماری عقل اس کو قبول کرتی یا نہیں، لیکن جب اس بارے میں کتاب اللہ سے اس قسم کا عقیدہ ملتا ہی نہیں تو محض قیاس وگمان پر ایمان کیسا؟ اہلحدیثوں کے نزدیک تو ویسے بھی قیاس شجر ممنوعہ ہے!

آل فرعون کے حوالے سے بھی یہ مسلک پرست لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت بھی بیان کی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا ۖ وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (المومن ۴۵-۴۶)

"آخر کار ان لوگوں نے جو بری چالیں (اس مومن کے خلاف) چلیں، اللہ نے سب سے اس کو بچا لیا اور آل فرعون خود بدترین عذاب کے پھیرے میں آ گئے۔ جہنم کی آگ ہے جس پر صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی (تو حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو"۔

اب ملاحظہ فرمایے اہلحدیث کیا فرماتے ہیں:

"صبح و شام تمام فرعونی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں لیکن مصر کے عجائب گھر میں آج بھی فرعون کی لاش موجود ہے اور کبھی بھی مصری پریشان نہیں ہوئے کہ صبح و شام لاش کہاں غائب ہو جاتی ہے۔...... اس لیے کہ فرعون کی لاش وہاں سے کبھی غائب نہیں ہوتی لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرآن کریم سچا ہے وہ یقیناً بلا ناغہ آگ پر پیش ہوتا ہے لیکن اس پیشی کو بھی برزخ میں رکھا گیا یعنی ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم ان کے ساتھ ہونے والے سلوک کو دیکھنے سے قاصر ہیں"۔ (پہلا زینہ، از قاری خلیل الرحمٰن اہلحدیث، صفحہ ۸۱)

کہتے ہیں ہمارے اور ان کے درمیان پردہ برزخ ہے اس لیے ان کے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہا یعنی عذاب اسی مردہ جسم پر ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیاوی جسم پر عذاب ہونے کا تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ فرمایا گیا ہے کہ جہنم کی آگ پر یہ فرعونی پیش کیے جاتے ہیں۔ یہی قانون کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ میں بیان کیا گیا ہے کہ روحوں کو (دوسرے جسموں میں ڈال کر) جہنم کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ رہا پردہ برزخ، تو اس کی وضاحت پچھلے مضمون میں

بیان کی جا چکی ہے یہ ڈرامہ اب مزید نہیں چل سکتا۔

ذرا دوسرے مفتی صاحب کا فتویٰ بھی دیکھ لیں:

"اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو عبرت کے لیے محفوظ فرما دیا جیسا کہ کاتب وحی جسے زمین نے اپنے اندر جگہ نہیں دی اور دفن کے بعد زمین نے اسے باہر اگل دیا۔ (صحیح بخاری) اب اگر چہ ان لاشوں پر عذاب کے کوئی اثرات ہمیں نظر نہیں آتے جیسا کہ قبض روح کے وقت مرنے والے پر عذاب یا پٹائی کا کوئی اثر ہم نہیں دیکھتے اور عذاب قبر کی واضح احادیث جن میں دفن کے بعد میت کے مبتلائے عذاب ہونے کا ذکر موجود ہے (اور جن کا بیان تفصیل سے عنقریب کیا جائے گا ان شاء اللہ العزیز) لیکن ان تمام معاملات کا تعلق پردہ غیب سے ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس آیت میں آل فرعون صبح وشام جس آگ پر پیش کیے جا رہے ہیں وہی عذاب قبر ہے، اور قیامت کے دن جس اشد العذاب میں داخل ہوں گے اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے جس میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ داخل ہوں گے"۔

(عقیدہ عذاب قبر، از ابو جابر عبداللہ دامانوی، ص ۳۳،۳۲)

سورہ انفال اور سورہ محمد کے حوالے سے اس سے قبل تشریح کر دی گئی ہے کہ فرشتے زندہ انسان کی روح قبض کرتے وقت اسے مارتے ہیں، مردہ جسم پر مارنے کا کوئی بیان ان آیات میں نہیں ملتا، لہٰذا اس کو دلیل بنانا محض گمراہی اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور نہ جانے کتنوں کو گمراہ کیا ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے فرقے کے عقیدے کو بچانے کے لیے پردہ غیب کا بہانہ تو تراش لیا لیکن قرآن کے اس بیان کو کہاں لے جائیں گے کہ

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا

"جہنم کی آگ ہے جس پر صبح وشام وہ پیش کیے جاتے ہیں"

یعنی عذاب یہاں نہیں ہو رہا بلکہ جہنم میں ہو رہا ہے۔ اب موصوف کیسے تسلیم کریں کہ یہ جہنم کا تذکرہ ہے کیونکہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو ظاہر ہے ان کے جھوٹ کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔ لہٰذا مفتی صاحب نے اَلنَّارُ "جہنم کی آگ" کے معنی ہی بدل ڈالے کہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری! چنانچہ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں آل فرعون صبح وشام جس آگ پر پیش کیے جا رہے ہیں وہی عذاب قبر ہے"

ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح انہوں نے کمال فنکاری دکھاتے ہوئے اسے "جس آگ" کہہ ڈالا! کوئی ان مفتی صاحب سے پوچھے کہ قرآن وحدیث میں بے شمار جگہ اَلنَّارُ کا لفظ آیا ہے، کیا معنی ہیں اَلنَّارُ کے؟ یہ کافر و مشرک "جس آگ" میں عذاب دیے جاتے ہیں یا جہنم کی آگ پر! یہ ہے ان مسلک پرستوں کا انداز! کیا یہ بدترین علمی خیانت نہیں؟ کیا اپنے فرقے کے عقیدے کے دفاع کے لیے قرآن مجید کے الفاظ کے معنی و مفہوم بدل دینا جائز ہے؟

احادیث کے ذریعے اسی جسم پر عذاب کو ثابت کرنا!

قبر پر ٹہنیاں گاڑنے والی حدیث بخاری پیش کر کے عبدالرحمٰن کیلانی صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ

"آپ ﷺ نے اسی قبر پر ہری ڈالی گاڑی جس میں جسم مدفون تھے اور فرمایا کہ شاید اس سے عذاب ہلکا ہو۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جسم بھی عذاب سے متاثر ہوتا ہے۔" (روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ، صفحہ ۱۷)

ان کے استدلال کی جولانیاں دیکھیے۔ فرماتے ہیں:

"ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک کالا مرد (یا کالی عورت) مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ وہ مر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مرنے کی خبر نہ ہوئی پھر آپ اس کی قبر پر آئے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔" یہ حدیث بھی اپنے مضمون میں صاف ہے کہ

(۱) قبر سے مراد یہی زمینی گڑھا ہے ورنہ آپ اس کی قبر پر کیوں تشریف لے گئے؟

(۲) یہ کہ قبر پر جا کر دعائے استغفار کرنے یا نماز جنازہ پڑھنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس قبر میں جو جسم پڑا ہے اس کا عذاب وثواب قبر سے تعلق ضرور ہے۔" (ایضاً)

نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ اگر ان قبروں میں عذاب ہونے کا بیان ہوتا تو بالکل واضح تھا کہ انہی دنیاوی جسموں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس نبی ﷺ نے تو فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، یعنی جو ان قبروں میں دفن ہوئے تھے ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ یہ عذاب کہاں ہوتا ہے؟ قرآن وحدیث سے بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ رہا ان موصوف کا یہ کہنا کہ چونکہ اسی قبر پر ہری شاخیں گاڑی تھیں اس کا مطلب ہے کہ اسی جسم کو عذاب ہو رہا تھا، تو یہ محض اپنے گمراہ کن عقیدے کا استخراج ہے۔ مشرکین عرب بھی اپنے مردے دفنایا کرتے تھے: عمرو بن لحی اور ابو ثمامہ عمرو بن دینار کے اسی دنیاوی قبر میں دفنائے جانے کے باوجود نبی ﷺ نے ان دونوں کے جہنم میں عذاب دیئے جانے کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح خود نبی ﷺ نے اپنے فرزند کی وفات پر جنت میں اس کے لیے ایک دودھ پلانے والی کا ذکر فرمایا۔ اس قبر میں دفن کیے جانے کے باوجود نبی ﷺ نے صرف جنت میں ملنے والی راحت کا ذکر فرمایا، اس دنیاوی جسم کے بارے میں کچھ بھی نہ کہا؟ کہتے بھی کیسے کہ آپ ﷺ تو قرآن کی تشریح کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ تو یہ مسلک پرست ہیں جو آپ ﷺ کی احادیث سے اُن باتوں کو کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے قرآن کا تضاد ثابت ہو اور جو ان میں ہوں بھی نہیں۔ ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے، دوسری طرف یہ محض گمان۔ اب ایمان کس پر ہوگا؟ حدیث پر یا نام نہاد اہلحدیثوں پر؟

نبی ﷺ نے کالے مرد یا کالی عورت کی وفات کے بعد اس کی قبر پر صلوٰۃ المیت ادا فرمائی۔ اہلحدیثوں کو اس عمل سے بھی دنیاوی جسم پر عذاب یا راحت کی خوشبو آ گئی حالانکہ یہ تو نہایت سادہ اور عام سی بات ہے کہ صلوٰۃ المیت ادا کرتے وقت میت سامنے رکھتے ہیں۔ مذکورہ احادیث کے متن سے پتہ چلتا ہے کہ اس عورت یا مرد کی وفات رات کو ہوئی تھی، صحابہ ؓ نے نبی ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور اس کی ایسے ہی تدفین کر دی۔ نبی ﷺ نے معلوم ہونے پر اس کی قبر پر جا کر صلوٰۃ المیت ادا کی۔ نبی ﷺ کے اس عمل سے ان مسلک پرستوں کی تسلی نہ ہو سکی، شاید ان کے ذہن میں ہو کہ قبر سے لاش کو باہر نکال کر صلوٰۃ المیت ادا کرنی چاہیے تھی! اب چونکہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ قبر میں مدفون میت پر ہی صلوٰۃ ادا کر دی گئی تو اس سے اسی دنیاوی جسم پر عذاب یا راحت کا عقیدہ کشید کر لیا گیا! اس سے قبل

انہی موصوف کا یہ فتویٰ بھی ہم پیش کر چکے ہیں:

"اور یہی وہ بنیاد ہے جس کی بنا پر صوفیا کو ضرورت تھی۔ لیکن قرآن ان کی ایک ایک بات کی پرزور تردید کرتا ہے۔ وہ کیا ہے کہ یہ دور موت کا دور ہے زندگی کا دور نہیں قبروں میں پڑے ہوئے لوگ مردہ ہیں نہ ان میں شعور ہے نہ یہ سن سکتے ہیں، نہ جواب دے سکتے ہیں۔ اب دو ہی راستے ہیں یا تو ان اماموں اور بزرگوں کی روایات اور اقوال اور مکاشفات کو مان لیجئے اور قرآن سے دستبردار ہو جایئے ورنہ ان سب خرافات سے دست بردار ہونا پڑے گا"۔ (ایضاً صفحہ ۵۶)

اب اہلحدیث صاحبان اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ ان کے مفتی صاحب کا کونسا فتویٰ سچا ہے اور کونسا جھوٹا، اور وہ قرآن سے دست بردار ہوتے ہیں یا اپنے اکابرین کے باطل عقائد سے!

کیا گل سڑ جانے اور مٹی بن جانے والے جسم پر عذاب ہوتا ہے؟

قرآن وحدیث کا دیا ہوا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ جسم گل سڑ جاتا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اب جو جسم باقی ہی نہ رہے تو اس کے شعور و ادراک کا کیا مطلب! لیکن ان فرقہ پرستوں نے امت میں عقیدہ پھیلایا ہے کہ

"ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسد عنصری پر بھی عذاب وثواب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ بندوں کی عبرت و رغبت کے لیے اور اس عالم امتثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے جس کو ہم محسوس نہیں کرسکتے اور اس عذاب وثواب کے لیے اس جسم کا صورت نوعی میں باقی رہنا بھی ضروری نہیں اگر لاکھوں ذرات بن کر ہزاروں قسم کے تغیر وتبدل حاصل کر کے کچھ بھی ہو جائے پر حیات بسیط میں عذاب وثواب کا محل بن سکتا ہے"۔

(الاقوال المرضیہ فی الاحوال البرزخیہ، از محمد حسین نیلوی اشاعتی، صفحہ ۴۴)

"برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے جسم اس کے تابع ہو کر اس کی نعمت و معصیت کے اثرات قبول کرتا ہے خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو یا بکھر جائے"۔

(عالم برزخ، از قاری محمد طیب دیوبندی، صفحہ ۵)

"اب کوئی کہے کہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے۔ جسم گل سڑ جاتا ہے پھر اس میں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہوتے تو پھر ایک مردہ جسم کو عذاب کیسے ممکن ہے؟ یہ بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن عذاب ہوتا ہے کیونکہ الصادق الامین جناب محمد رسول اللہ ﷺ جن کی زبان سے زیادہ سچی زبان کائنات میں کسی کی نہیں ہے جن کی زبان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی جاری ہوتی ہے انہوں نے خبر دی ہے کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے لہٰذا ہوتا ہے"۔ (پہلا زینہ، از قاری خلیل الرحمٰن اہلحدیث، صفحہ ۸۲)

ان شاء اللہ تعالیٰ قبر کے موضوع پر قرآن وحدیث سے دلائل دے کر ان فرقہ پرستوں کے گمراہ کن عقیدے کی بھی قلعی اتاری جائے گی۔ فی الوقت ہم صرف گل سڑ جانے والے مردہ دنیاوی جسم پر بحث کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے یہی عقیدہ گھڑا ہے کہ چاہے دنیاوی جسم گل سڑ کر مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جائے، عذاب تو بہرحال اسی کو ہوتا ہے۔ حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کو ہم حدیث سے ہی دلیل دیتے ہیں جو ان کے اس باطل استدلال کے تاروپود بکھیر دیتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

.....فاذا رجل جالس ورجل قائم بيده (قال بعض اصحابنا عن موسى) كلوب من حديد يدخله في شدقه حتى يبلغ قفاه ثم يفعل بشدقه الآخر مثل ذلك ويلتئم شدقه هذا فيعود فيصنع مثله قلت ما هذا قال انطلق فانطلقنا حتى اتينا على رجل مضطجع على قفاه ورجل قائم على رأسه بفهر او صخرة فيشدخ بها رأسه فاذا ضربه تدهده الحجر فانطلق اليه لياخذه فلا يرجع الى هذا حتى يلتئم رأسه وعاد رأسه كما هو فعاد اليه فضربه.....

(بخاری، کتاب الجنائز، باب بغیر عنوان، عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ)

"..........(میں دیکھتا کیا ہوں کہ) ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے وہ اس کو بیٹھے ہوئے شخص کے کلے میں داخل کر کے کلے کو گردن تک پھاڑ ڈالتا ہے پھر اس کے دوسرے کلے کے ساتھ یہی عمل کرتا ہے۔ پھر کلے جڑ جاتے ہیں اور وہ (کھڑا ہوا) شخص (بیٹھے ہوئے) کے ساتھ دوبارہ یہی معاملہ کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ کہا آگے چلیے۔ ہم چلے یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس پہنچے جو اپنی گدی کے بل لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر پر ایک دوسرا شخص پتھر لیے کھڑا ہوا تھا اور پتھر مار کر اس کا سر پھاڑ رہا تھا۔ پتھر سر پر پڑنے کے بعد ایک طرف لڑھک جاتا تھا اور پتھر مارنے والا اس کو اٹھانے کے لیے جاتا اور اس درمیان میں کہ وہ پھر واپس آئے سر پھر جڑ جاتا اور ویسے ہی ہو جاتا تھا کہ جیسا پہلے تھا اب پھر وہ پہلے کی طرح پتھر کو سر پر مارتا.........."

چونکہ عذاب قبر بھی عذاب آخرت ہی ہے یعنی مرنے کے بعد دیا جانے والا عذاب اور وقوع قیامت کے بعد دیا جانے والا عذاب دونوں عذاب آخرت ہی کی شکلیں ہیں، چنانچہ جس طرح مذکورہ بالا حدیث میں مرنے کے بعد ایسے جسم پر عذاب ہوتا دکھایا گیا جو کٹنے، پھٹنے، جلنے کے بعد دوبارہ پہلے کی طرح ہو جاتا ہے تاکہ عذاب کا مزہ برابر چکھتا رہے، اسی طرح قرآن میں قیامت کے بعد دیے جانے والے عذاب کے لیے بھی بتایا گیا کہ یہ بھی ایسے جسم کو دیا جائے گا جو کٹنے، پھٹنے، جلنے کے بعد پہلے کی طرح درست حالت میں ہو جائے تاکہ برابر عذاب بھگتتا رہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا

(النساء:۵۶)

"اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا، ان کو ہم عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔ جب ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ بے شک اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے"۔

یہ ہے قرآن وحدیث کا دیا ہوا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے گل سڑ جانے والے ناقص و ناپائیدار بدن کو عذاب نہیں دیتا (نہ مرنے کے بعد، نہ قیامت کے بعد) بلکہ اس کے لیے ایک ایسا مضبوط اور پائیدار جسم عطا کرتا ہے کہ اگر اس عذاب کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ جل کر بے شعور ہو جاتا ہے تو اس کو بدل دیا جاتا ہے، کٹ یا پھٹ جاتا ہے تو اس کو دوبارہ سے بنا دیا جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟

لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ "تاکہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں"

یعنی کھال جل کر بے حس ہو جائے تو اسے دوبارہ بنا دیا جاتا ہے کہ وہ عذاب کو

محسوس کر سکے۔ جسم کا کوئی حصہ عذاب کی وجہ سے کٹ پھٹ جائے تو اسے دوبارہ بنا دیا جاتا ہے تاکہ وہ مکمل طور پر عذاب کی اذیت بھگت سکے۔ گویا عذاب ایسے جسم کو دیا جاتا ہے جو شعور و ادراک اور احساس رکھنے والا ہو، جس سے دنیاوی جسم تو روح نکل جانے کے بعد محروم ہو جاتا ہے۔ علم کے ان نام نہاد پہاڑوں اور سمندروں سے اچھا عقیدہ تو اس قصاب کا ہے جو بکرا ذبح کرتا ہے تو اس کی کھال اس وقت تک نہیں اتارتا جب تک اس کا تڑپنا ختم نہیں ہو جاتا، بار بار چھری مار کر دیکھتا ہے کہ اس میں شعور و ادراک تو نہیں ہے۔ جب اس بکرے میں بالکل حرکت نہیں رہتی تو سمجھ لیتا ہے کہ اس کی روح نکل گئی ہے، احساس و شعور کا خاتمہ ہو گیا ہے، تو پھر اس کی کھال بھی اتارتا ہے اور اس کا گوشت بھی کاٹتا ہے۔

یہ "علماء دین"، "حضرت و علامہ" عقیدہ دیتے ہیں کہ دنیاوی جسم خواہ مٹی ہو جائے، ذرات میں تبدیل ہو جائے، تب بھی اسے عذاب کا احساس ہوتا ہے جبکہ قرآن عقیدہ دیتا ہے کہ مٹی ہونے والے جسم کو تو عذاب ہی نہیں دینا۔ اسی لیے:

يَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا (النبا: ۴۰)

"کافر (اس دن عذاب سے بچنے کے لیے) خواہش کرے گا کہ کاش میں مٹی ہو جاتا"

یعنی مٹی میں مل کر مٹی بن جانا، فنا ہو جانا، عذاب سے بچ جانے کی صورت ہے۔ ان مسلک پرستوں کے کس کس عقیدے کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھا جائے، ان کی کتب میں تو ایک انبار لگا ہوا ہے باطل و من گھڑت عقائد و اعمال کا!

رجسٹرڈ جماعت المسلمین اور اہلحدیثوں کا ایک انوکھا عقیدہ

ایک طرف تو یہ عقیدہ دیا گیا کہ اس گل سڑ جانے والے دنیاوی جسم پر ہی عذاب ہوتا ہے تو دوسری طرف ان اہلحدیثوں کے بڑے بڑے "علماء" اور انہی کے ہم مسلک نام نہاد جماعت المسلمین والے عقیدہ دیتے ہیں کہ وہ افراد جو جلا دیے جاتے، ڈوب کر مر جاتے یا درندوں کا شکار بن جاتے ہیں، یعنی وہ جن کے جسم اس زمینی قبر میں دفن نہیں ہوتے اور یونہی پڑے پڑے گل سڑ جاتے اور مٹی مٹی ہو جاتے ہیں، ان کے ساتھ بالکل انوکھے انداز کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اپنے اس باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کے مرنے کا وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ

"جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور پیس ڈالنا اس کے بعد مجھے (یعنی میری راکھ کو) اڑا دینا، کیونکہ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو پائے گا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اسی طرح کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس شخص کے جس قدر ذرات تجھ میں ہیں جمع کر۔ زمین نے جمع کر دیے اور وہ شخص صحیح و سالم کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے اس حرکت پر جو تو نے کی ہے، کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے رب! تیرے خوف نے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔"

(بخاری: کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

اس حدیث کو بنیاد بنا کر رجسٹرڈ جماعت المسلمین والے فرماتے ہیں:

"دوسرا اشکال: جس شخص کو شیر نے کھا لیا اس کی ارضی قبر کہاں بنی کہ اس میں عذاب ہو۔
جواب: یہ سوال بھی عقل کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ ہماری عقل کی رسائی بڑی محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت لامحدود ہے لہٰذا اس قسم کا سوال لغو ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس کے اصلی جسم کے ساتھ زندہ کرے گا تو کیا وہ اس شخص کو اصلی جسم کے ساتھ اس دن زندہ نہیں کر سکتا جس دن وہ دفن کیا گیا تھا یا جس دن اسے شیر نے کھایا تھا"۔۔۔۔

"اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام ذرات کو جمع کر کے دوبارہ پیدا کر سکتا ہے تو یہ اشکال دور ہو گیا کہ شیر کے کھائے ہوئے کی قبر کہاں بنے گی۔ شیر کا کھایا ہوا بھی اسی جسم کے ساتھ زندہ کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کو اس کی قبر میں رکھا جا سکتا ہے"۔

(تفسیر قرآن عزیز، تفسیر سورہ [illegible] از مسعود بی ایس سی، رجسٹرڈ جماعت المسلمین، جلد ۵، صفحہ ۲۲۲)

اہلحدیث "عالم" "محمد قاسم صاحب" اسی حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از قیامت بکھرے ہوئے جسمانی ذرات کو مجتمع فرما کر ان میں جان ڈال دی"۔ (کراچی کا عثمانی مذہب صفحہ ۵۷)

یعنی لوٹ پھیر کر بات وہیں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی ہوئی۔ مسلک پرستوں کے نادر عقائد میں بار بار اسی چیز کا اعادہ ہے۔ نامعلوم کس دین کو انہوں نے اختیار کیا ہے کہ ان کا کوئی عقیدہ قرآن و سنت سے ثابت ہی نہیں ہوتا، محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بار بار بہانہ کرنا پڑتا ہے (مگر اس پر بھی **ما انا علیہ و اصحابی** کا منہ بھر بھر کر دعویٰ کرنے سے باز نہیں آتے یعنی ان خلاف قرآن و حدیث عقائد رکھنے کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسی راستے پر ہیں جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہؓ تھے!) روح کا معاملہ ہوتا ہے تو رجسٹرڈ جماعت المسلمین والے کہتے ہیں

"جو خالق کائنات سورہ حدید میں فرماتا ہے کہ لوہا آسمان سے نازل کیا گیا ہے اور پھر اسے زمین کی تہہ سے نکلوا دے تو اس کے لیے کیا بعید ہے کہ وہ قبر میں روح لوٹا کر مردے کو زندہ کر دے"

اب جسم کا معاملہ زیر بحث ہے تو پھر وہی بریلوی انداز میں باطل عقیدے کے دفاع میں بہانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی "قدرت" کا سہارا لیا گیا ہے۔ رجسٹرڈ جماعت المسلمین والے دراصل مسلک اہلحدیث ہی کو بنائے ہوئے ہیں۔ اہلحدیثوں نے اگر احمد بن حنبل، ابن تیمیہ اور ابن قیم کے دین کو قبول کیا ہوا ہے، تو یہ بھی اسی مذہب کے پیروکار ہیں۔ اسی وجہ سے ان دونوں کے عقائد میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ ان معنوں میں اپنے متقدمین کی ترقی یافتہ شکل ہیں کہ اپنا نام انہوں نے ان سے ہٹ کر "مسلمین" رکھ لیا ہے ورنہ باقی سب کچھ وہی ہے۔

ان کے اس بیان کا اگر کتاب اللہ سے تقابل کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ قرآن و حدیث کا کھلا انکار ہے۔ مالک کائنات فرماتا ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰس: ۷۸، ۷۹)

"اور (انسان) ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا کہ (جب ہماری) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کون ان کو زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے"۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ (ق: ۴)

"یعنی ان کے جسم سے جو کچھ کھا رہی ہے وہ ہمارے علم میں ہے"۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (ق ۱۵)

"کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں، بلکہ یہ دوبارہ پیدا کیے جانے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں"۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

ليس من الانسان شيء الا يبلى الا عظما واحدا و هو عجب الذنب ومنه يركب الخلق يوم القيامة

(بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ عم یتساءلون)

"انسان کے جسم کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو برباد نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی "عجب الذنب" کے اور اسی پر انسانی جسم کو قیامت کے دن پھر بنایا جائے گا"۔

تقابل ملاحظہ فرمایا، اللہ کے فرمان اور ان کے دیے ہوئے عقیدے کا! مالک فرماتا ہے کہ یہ انسانی جسم مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے اور زمین ان کے جسموں سے جو کچھ کھا رہی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یعنی کتاب اللہ کا عقیدہ یہی ہے کہ فی الوقت یہ جسم گل رہے ہیں، لیکن انہیں قیامت کے دن دوبارہ بنایا جائے گا۔ مگر قرآن کی تفسیر لکھنے والے مسلک پرست کہتے ہیں۔

"تو کیا وہ اس شخص کو اصلی جسم کے ساتھ اس دن زندہ نہیں کر سکتا جس دن وہ دفن کیا گیا تھا یا جس دن اسے شیر نے کھایا تھا"

ملاحظہ فرمایا رجسٹرڈ جماعت المسلمین والوں کا عقیدہ کس قدر قرآن وحدیث کے "مطابق" ہے! اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر کام کر سکتا ہے، لیکن جب مالک فرمائے کہ ابھی یہ جسم گل سڑ رہے ہیں اور قیامت کے دن انہیں دوبارہ بنایا جائے گا، تو اس کے انکار میں عقیدہ گھڑنے والا کون؟ "مسلم" کے معنی اطاعت کرنے والے کے ہوتے ہیں، تو قرآن وحدیث کے خلاف عقیدہ رکھنے والی یہ رجسٹرڈ جماعت المسلمین کس کی "مسلم" ہے؟ اللہ کے "مسلم" تو ایسے نہیں ہوتے۔ یہ صفت تو اللہ نے مسلموں کی نہیں بلکہ کافروں کی بیان فرمائی ہے کہ اللہ ایک بات کا اعلان کرتا ہے اور وہ اس کا انکار کرتے ہوئے دوسرا عقیدہ بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ ۴۴)

"جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں"۔

انہوں نے ایک مخصوص واستثنائی واقعہ کو بنیاد بنا کر قرآن وحدیث کے دیے ہوئے عقیدے کا مکمل انکار کر ڈالا! یا تو ان کو قرآن وحدیث کا علم ہی نہیں یا پھر ان کے نزدیک ان کی کوئی وقعت نہیں۔ قرآن وحدیث نے اس بارے میں بالکل واضح عقیدہ دیا لیکن نام نہاد اہلحدیثوں کی طرح رجسٹرڈ جماعت المسلمین والوں نے بھی اسے شاید اس لیے کوئی اہمیت نہیں دی کہ یہ تو ۱۴۰۰ سو سال پرانا ہے، لہٰذا اب کوئی latest عقیدہ لانا چاہیے، جس میں کوئی کشش ہو، کوئی نئی بات ہو کہ جس کی وجہ سے ان کو کچھ سمجھا جائے ورنہ اگر یہی پرانا عقیدہ اب بھی جاری رہا تو لوگوں پر رفتہ رفتہ حقیقت کھل رہی ہے جس سے ان کے جھوٹے سمجھے جانے کا قوی امکان ہے!

مزید یہ کہ بات انہوں نے محض اشکالی نہیں رکھی، بلکہ دو ٹوک فیصلہ فرما دیا کہ

"تو پھر اشکال دور ہو گیا کہ شیر کے کھائے ہوئے کی قبر کہاں ہے، تو۔ شیر کا کھایا ہوا بھی اسی جسم کے ساتھ زندہ کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کو اس کی قبر میں رکھا جا سکتا ہے"

یعنی اب یہ کسی قسم کے اشکال کی بات ہی نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کا جسم دوبارہ بنا دیا جاتا ہے اور اسے قبر بھی مل جاتی ہے۔ بہت خوب!

ہم نے مسعود بی ایس سی صاحب کی یہ "زریں تحریر" ان کی وفات کے بعد پڑھی۔ کاش ان کی زندگی میں ہی یہ نظروں سے گذر جاتی تو بھاگتے ہوئے ان کے پاس جا کر اس قبرستان کا پتہ معلوم کر لیتے جس میں جل کر خاک ہو جانے والے، درندوں کا نوالہ بن کر موت کا شکار ہونے والے، مرنے کے بعد جلا دیے جانے والے یا جن کے جسموں کو پرندوں کو کھلا دیا جاتا ہے، دفن کیے جاتے ہیں۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اندھے مقلدین کو اس کا پتہ بتا گئے ہوں۔ اللہ کے فرمان کے خلاف، انہوں نے یہ فوری طور پر جسموں کے دوبارہ بنائے جانے کا عقیدہ گھڑ تو لیا، لیکن بات پھر بھی ادھوری ہی رہی کیونکہ ان مسلک پرستوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ اس زمینی قبر میں ہی عذاب ہوتا اور یہیں راحت ملتی ہے۔ لیکن ان مذکورہ مُردوں کی تو قبریں ہی نہیں ہوتیں؟ لیکن اس کے باوجود مسعود صاحب فرما گئے ہیں

"۔۔۔ اور پھر اس کو اس کی قبر میں رکھا جا سکتا ہے"

تو ان کی قبر کہاں بنتی ہے؟ کہاں واقع ہے ایسا قبرستان؟ کون انہیں دفناتا ہے اور وہ کس کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں؟ یہ ہیں مفسر قرآن!

پچھلے شمارے میں ہم نے مودودی صاحب کی لکھی ہوئی تفسیر "تفہیم القرآن" کا بھی حوالہ دیا تھا۔ وہاں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ کس انداز میں قرآنی آیات کے ترجمے اور تفسیر میں قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کا رد کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ عقیدہ ایصال ثواب اور خلیفہ فی الارض کے موضوع پر بھی مودودی صاحب نے قرآن کے موقف کو بدل ڈالا جو کہ فی الحال ہمارا موضوع سخن نہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اہلحدیثوں کی تحریر کردہ تفاسیر کے کچھ حوالے پیش کرتے ہیں جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آیا یہ تفاسیر قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کی وضاحت کرتی ہیں یا ان میں صرف اپنے مسلک کا دفاع کیا جاتا ہے۔

اہلحدیثوں کی ایک تفسیر "احسن البیان"، دارالسلام، ریاض، سعودی عرب سے شائع ہوئی ہے۔ قرآنی آیات کا اردو ترجمہ "خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی" نے کیا، حاشیہ "حافظ صلاح الدین صاحب" نے لکھا اور نظر ثانی "مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب" نے فرمائی ہے۔ مفسر صاحب سورہ مومنون کی آیت نمبر ۱۰۰ کی تفسیر میں اپنے فرقے کے عقیدے کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہوگا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیانی زندگی، جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلائے ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے، برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہوگا۔ بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہوگا، یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا

دریاؤں میں بہا دیا گیا ہوگا۔ یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدان محشر میں جمع فرمائے گا"۔ (صفحہ ۸۲۵)

فرماتے ہیں:

"دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے"۔

یہ "ارشاد" پڑھتے ہی ہمارے ذہن میں اس تفسیر کے اندرونی سرورق پر لکھا ہوا یہ جملہ گھوم گیا کہ "**صحیح احادیث کی روشنی میں ایک مختصر مگر جامع تفسیر**"۔ جس کسی نے یہ جملہ پڑھا ہوگا تو اسے پڑھتے ہی مرعوب ہو گیا ہوگا کہ مفسر نے بڑی محنت سے ایک ایک صحیح حدیث کا مطالعہ کر کے یہ تفسیر لکھی ہے۔ لیکن سورہ مومنون کی مذکورہ آیت کی یہ تفسیر پڑھتے ہی ان کی محنت کی قلعی کھل گئی۔ ان کا یہ بیان صحیح حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن عائشة قالت توفي النبي ﷺ في بيتي و في يومي و بين سحري و نحري و كانت احدانا تعوذه بدعاء اذا مرض فذهبت أعوذه فرفع رأسه الى السماء و قال في الرفيق الأعلى في الرفيق الأعلى و مر عبدالرحمن بن ابي بكر و في يده جريدة رطبة فنظر اليه النبي ﷺ فظننت ان له بها حاجة فاخذتها فمضغت راسها و نفضتها فدفعتها اليه فاستن بها كاحسن ما كان مستنا ثم ناولنيها فسقطت يده او سقطت من يده فجمع الله بين ريقي و ريقه في اخر يوم من الدنيا و اول يوم من الآخرة

(بخاری: کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته)

"عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات میرے گھر میں، میری باری کے دن، میرے حلق اور سینے کے درمیان (سر رکھے ہوئے) ہوئی۔ ہم لوگ نبی ﷺ کے مرض میں دعا کر کے پناہ مانگا کرتے۔ میں آپ کے لیے دعا کرنے لگی۔ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: **فی الرفیق الاعلیٰ فی الرفیق الاعلیٰ**۔ (اتنے میں میرے بھائی) عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ادھر آ نکلے۔ ان کے ہاتھ میں ایک تازہ شاخ تھی۔ نبی ﷺ نے مسواک کی طرف دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ آپ اس کی خواہش رکھتے ہیں۔ میں نے مسواک لی اور اس کا سرا چبا کر نرم کر کے صاف کر کے جھاڑ کر نبی ﷺ کو دے دی۔ آپ نے بہت اچھی طرح سے اس کو دانتوں پر پھیرا۔ پھر اس کو میری طرف بڑھایا تو آپ کا ہاتھ ڈھلک گیا یا مسواک آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ (اللہ کا فضل تھا کہ) اس نے نبی ﷺ کے دنیا میں آخری دن اور آخرت کے پہلے دن میرا لعاب آپ کے لعاب کے ساتھ ملا دیا"۔

یہی بات قرآن مجید میں بھی فرمائی گئی کہ جب فرشتے ظالموں کی روح قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ (النحل ۲۹)

"داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے"۔

پاک لوگوں کی روح قبض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل ۳۲)

"تم پر سلامتی ہو داخل ہو جاؤ جنت میں ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے"۔

اس کو دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراھیم ۲۷)

"اللہ تعالیٰ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے"۔

سرکشوں کی روح قبض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (الانعام ۹۳)

"آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا"۔

ایک شخص کو اس کی قوم والوں نے ایمان کی دعوت دینے پر شہید کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (یٰس ۲۶-۲۷)

"اس سے کہا گیا داخل ہو جا جنت میں، کہنے لگا کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے مجھے بخش دیا اور عزت داروں میں شامل کر دیا"۔

قرآن وحدیث سے یہی بات واضح ہے کہ دنیا کی زندگی کے بعد انسان کا اگلا لمحہ آخرت میں ہوتا ہے۔ ادھر دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہوا ادھر آخرت کی زندگی شروع ہو گئی۔ اس کے درمیان کوئی وقفہ نہیں۔ عذاب قبر کوئی علیحدہ عذاب نہیں بلکہ یہ تو آخرت کے عذاب ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور یہی بات اس تفسیر کے شروع میں سورۃ البقرۃ کی آیت کے حوالے سے موجود ہے جس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ آخرت کی زندگی کا حصہ ہے۔

موصوف کی دوسری کاریگری ملاحظہ فرمایئے۔ سورہ مومن کی آیت نمبر ۴۵ میں اللہ تعالیٰ آل فرعون پر ہونے والے عذاب کا ذکر فرماتا ہے کہ:

اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا

"جہنم کی آگ ہے جس پر صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں"

قرآن کی اس آیت میں **اَلنَّارُ** بیان کیا گیا ہے جس کے معنی "جہنم کی آگ" ہیں۔ قرآن کا یہ بیان چونکہ فرقہ اہلحدیث کے باطل عقیدے کو رد کر رہا تھا چنانچہ اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا

"آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں"۔ (صفحہ ۱۰۹۰)

جس کی تفسیر انہوں نے اس طرح بیان کی:

"اس سے بالکل واضح ہے کہ عرض علی النار کا معاملہ، جو صبح و شام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے برزخ یا قبر کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت عذاب یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہو تو اس طرح نظر آئے۔ لغو ہے

کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب واذیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس مشاہدے کے باوجود عذاب قبر کا انکار محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے"۔ (ایضاً)

ملاحظہ فرمائی قرآنی آیت کی یہ "نادر" تفسیر کہ "اَلنَّار" "جہنم کی آگ" کو "آگ" بنا ڈالا! جیسا کہ اس سے قبل اہلحدیث مفتی دامانوی کی کتاب کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے کہ انہوں "اَلنَّار" کو "جس آگ" لکھا تھا۔ مفتی دامانوی نے تو محض ایک کتاب لکھتے ہوئے یہ خیانت کی تھی، لیکن یہ تو قرآن کی تفسیر لکھی جارہی ہے، تفسیر میں ایسی بدترین خیانت!! اپنے فرقے کا عقیدہ بچانے کے لیے پہلے مترجم نے ترجمے میں خیانت کی اور پھر مفسر صاحب نے قرآن کی آیت کا مفہوم بدل ڈالا اور عقیدہ دیا کہ یہ اسی زمین پر عذاب دیے جارہے ہیں۔ اور پھر عدم تقلید کے لاکھ دعووں کے باوجود اپنے اکابرین کی تقلید میں وہی کیلانی صاحب والا خیالی فلسفہ دے ڈالا کہ عذاب قبر خواب کی مانند ہے۔ موصوف سے کوئی پوچھے کہ کیا مردے بھی خواب دیکھا کرتے ہیں؟ کیا ان کا جسم صحیح وسالم ہوتا ہے؟ کیا ان میں بھی زندوں کی طرح شعور وادراک ہوتا ہے؟ ذرا اپنا یہ کاغذی فلسفہ قرآن وحدیث سے تو ثابت کر دکھائیں۔ کاش کوئی انہیں قرآن کی یہ آیت کھول کر دکھائے کہ آل فرعون خواب نہیں دیکھ رہے بلکہ جہنم کی آگ پر ان کی پیشی کا ہی ذکر ہے۔

اہلحدیثوں کی ایک اور تفسیر "تیسیر القرآن" کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہیں۔ اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"اردو کی تمام تفاسیر میں یہ پہلی تفسیر ہے جس میں تفسیر کے لیے سب سے زیادہ قرآن ہی کی دیگر آیات اور صحیح احادیث پر اعتماد کیا گیا ہے"۔ (مقدمہ)

قرآن وفات پا جانے والوں کے لیے اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ "مردہ ہیں، جان کی رمق تک نہیں" بیان فرماتا ہے۔ اب ذرا اس تفسیر کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں:

"برزخ۔ روک، پردہ، اوٹ۔ اس میں ایک لمبی مدت بھی شامل ہے۔ برزخ میں انسان اہل دنیا اور اہل عقبیٰ دونوں سے اوٹ میں ہوتا ہے اور یہ موت کا زمانہ ہے۔ اور اس زمانہ میں موت کے اثرات غالب ہوتے ہیں۔ تاہم زندگی کے بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عذاب وثواب ہوتا ہے مگر قیامت کے عذاب کی نسبت ہلکا ہوتا ہے"۔ (تیسیر القرآن اردو صفحہ ۳۵۹)

ان کی یہ تفسیر پڑھ کر زبان پر یکدم سورہ بقرہ کی آیت رواں ہوگئی کہ

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ (البقرۃ: ۸۵)

"کیا تم (اللہ کی) کتاب کے بعض حصے کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرے گا تو اس کا بدلہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت ورسوائی ہو اور قیامت کے روز اسے شدید عذاب میں دھکیل دیا جائے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں"۔

قرآن پر ایمان کا دعویٰ اور یہ انداز کہ کچھ باتیں مانی جائیں اور کچھ کا انکار! قرآن فرمائے کہ ان میں زندگی کی رمق تک نہیں، اور قرآن کی تفسیر میں یہ بیان کریں کہ موت کے اس دور میں زندگی کے بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں۔ کیا اسی کو قرآن پر ایمان کہتے ہیں؟ انہوں نے موت کے اس دور میں بھی "زندگی کے کچھ اثرات" کا جوڑ کر لیا ہے تو وہ ان کی مجبوری ہے۔ اگر قرآن کی بات مان لی جائے تو پھر کس طرح اس خلاف قرآن عقیدے کا دفاع ہوگا کہ زندگی، شعور وادراک وحواس سے عاری یہ گل سڑ جانے والے بے جان لاشے سلام سن لیتے ہیں، جواب دیتے ہیں، فرشتے ان سے سوال وجواب کرتے ہیں، اور انہی جسموں پر عذاب ہوتا یا ان کو راحت سے نوازا جاتا ہے۔ اب اپنے فرقہ کا عقیدہ بچانا ہے تو چاہے کتابیں لکھی جائیں یا قرآن کی تفسیر، پھٹنہ پھیر پھیر تو بالآخر کرنا ہی پڑے گا!

قارئین! ان تفاسیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ کیا یہ تفاسیر انسانیت کو وہ راہ دکھاتی ہیں جو قرآن وحدیث کی اصل ہے۔ ان مفسرین کے اس طرز عمل کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر عثمانی مرحوم کا یہ کہنا بے ساختہ یاد آجاتا ہے کہ

"اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر اور ابن حجر عسقلانی کی شرح نے وہ کام کیا جو کسی سے بن نہ پڑا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کاش قرآن وحدیث کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہوتا"۔ (ایمان خالص، قسط دوم، صفحہ ۳۰)

دراصل یہ تفاسیر مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے نکتہ ہائے نظر کو تو پرزور انداز میں پیش کرتی ہیں لیکن ان میں اس اصل دعوت کا فقدان ہے جس نے ڈیڑھ ہزار سال قبل ایمان لانے والوں کی فکر ونظر میں انقلاب برپا کر کے ان کو منصب جہاں بانی کا اہل بنا دیا تھا! فی الحقیقت ان مفسرین نے تو اصلاح احوال کے بجائے امت کو کتاب اللہ کی ہدایت سے محروم کر کے ان کے عقائد بگاڑنے ہی میں موثر کردار ادا کیا ہے، لہٰذا ایسی تفاسیر سے تو بہتر تھا کہ قرآن وحدیث کو ان کے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جاتا۔

جوتیوں کی چاپ سننے والی روایت

یہ مسلک پرست بڑے زوردار انداز میں بخاری کی بیان کردہ "جوتیوں کی چاپ سننے" والی روایت پیش کر کے اس مردہ جسم کو شعور وادراک رکھنے والا ثابت کرتے ہیں۔ ادبی انداز میں بیان کردہ اس روایت کو بنیاد بنا کر انہوں نے امت میں عقیدہ پھیلایا ہے کہ اسی دنیاوی مردہ جسم سے سوال جواب ہوتا اور یہیں اسے عذاب یا راحت سے دوچار کیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں اس روایت پر قرآن وحدیث کے حوالے سے مکمل بحث پیش کی جائے گی، فی الوقت زیر بحث موضوع "مردہ جسم" کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث مردے کے سماع کی مکمل نفی کرتے ہیں لیکن یہ مسلک پرست جوتیوں کی چاپ سننے کی جو توجیہات اس موقف کے خلاف پیش کرتے ہیں، وہ اس طرح ہیں:

"..... ان آیات مذکورہ کے سوا اور بھی آیات ہیں جن سے مردوں کا عدم سماع ثابت ہوتا ہے اور یہ حدیث قرع نعال سے مردوں کا ایک خاص وقت میں سننا ثابت ہوتا ہے جس وقت مردہ قبر میں نکیرین کے سوال کے جواب دینے کے لیے زندہ کر دیا جاتا

ہے اور اس وقت مردہ مردہ نہیں رہتا"۔

(فتاوٰی نذیریہ، از میاں نذیر حسین، بانی فرقہ اہلحدیث، حصہ اول، صفحہ ۷۰۲)

"البتہ اس حدیث کے جواب میں اشکال واقع ہوتا ہے کہ مردہ واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے تو اس کو بھی اول وقت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے کہ جب منکر نکیر قبر میں سوال کرنے کے لیے آتے ہیں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے اس وقت سن بھی لیتا ہے"۔ (ایضاً صفحہ ۷۰۲)

"سوال و جواب کے وقت روح کو بھی قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے"۔

(عقیدہ عذاب قبر، از ابوجابر عبداللہ دامانوی، صفحہ ۴۷)

"اب مشکل یہ ہے کہ مردے کے جوتوں کی چاپ سننے کا واقعہ بخاری کے علاوہ بھی دوسری کتب صحاح میں جہاں بھی مذکور ہے تو ساتھ ہی منکر نکیر کے آنے اور سوال و جواب کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ گویا منکر نکیر کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے اس کی روح علیین یا سجین سے لوٹا کر اسے ہوش میں لایا جاتا ہے، تاکہ سوالوں کا جواب دے سکے"۔ (روح، عذاب قبر اور سماع موتی، از عبدالرحمٰن کیلانی، صفحہ ۵۱)

اس مسئلے پر اہل تشیع بھی ان کے ہم عقیدہ ہیں:

"..... احادیث معتبرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبر میں سوال و جواب اور فشار قبر اسی بدن اصلی سے جو دنیا میں تھا متعلق ہوگا اور روح تمام بدن یا جسم کے کچھ حصے میں (یعنی سینے تک، یا کمر تک جیسا کہ احادیث میں ہے) پلٹائی جاتی ہے تاکہ میت کو خطاب سوال کے سمجھنے اور جواب دینے پر قدرت حاصل ہو جائے"۔

(معاد، از آیت اللہ عبدالحسین، صفحہ ۴۰، ۴۱)

بحیثیت ایک مومن ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سچے رسول محمد ﷺ کسی صورت میں بھی قرآن کے بیان کردہ عقیدے کے انکار میں کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ لیکن بانی فرقہ اہلحدیث، جیسا کہ پہلے گذرا، فرماتے ہیں:

"ان آیات مذکورہ کے سوا اور بھی آیات ہیں جن سے مردوں کا عدم سماع ثابت ہوتا ہے اور بجز حدیث قرع نعال سے مردوں کا ایک خاص وقت میں سننا ثابت ہوتا ہے"

غور کیجیے! خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن سے مردے کا عدم سماع ثابت ہے۔ جب قرآن سے مردے کا عدم سماع ثابت ہے تو پھر کیسے یہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ کی حدیث سے مردے کا سماع ثابت ہو جائے گا! سوال جواب، اٹھانا بٹھانا یہ سارا معاملہ عالم برزخ کا ہے، اس زمینی قبر سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ قرآن و حدیث کے دلائل پر تو ان کا دل مطمئن ہوتا ہی نہیں، لیکن کیا اپنے ہی فرقے کے "عالم" کے اس اعتراف حقیقت کو بھی جھٹلا دیں گے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"میت کے لئے قدموں کی آواز اپنے اندر یہ عبرت ناک حکمت لئے ہوئے ہے کہ ہائے اس بے چارے کو یکہ و تنہا چھوڑ کر سب چلے گئے ..... اتنا خیال رہنا چاہیے کہ اس سماع کا مردے کے دفن شدہ جسم سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اکثر اہل دیوبند کا خیال ہے۔ ورنہ اسکو بٹھانے، قبر کو کشادہ کرنے یا پسلیوں کے آر پار ہونے ننانوے سانپوں کے ڈسنے اور عذاب و ثواب کے دیگر احوال کو بھی جسمانی حقیقت پر محمول کرنا پڑیگا مگر اس کا قائل ہونا مشکل ہے۔ روز مرہ کا تجربہ اسکی تغلیط کرتا ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا"۔ (قبر پرستی اور سماع موتی، از محمد قاسم خواجہ، صفحہ ۷۰)

"جہاں تک قبر میں فرشتوں کے آنے، روح کو لوٹانے، میت کو بٹھانے، سوال و جواب کرنے، قبر کو کشادہ یا تنگ یا عذاب و ثواب کا تعلق ہے، تو گذارش ہے کہ یہاں قبر سے مراد یہ مٹی کی قبر نہیں، یہ کوئی اور جہاں ہے جسے آپ عالم ارواح یا عالم مثال یا عالم برزخ کہہ سکتے ہیں"۔ (ایضاً صفحہ ۸۷)

"یہ ساری مصیبت اس لئے کھڑی ہوئی ہے کہ برزخی احوال کے بارے میں بیان شدہ احادیث کو دنیوی احوال پر منطبق کر لیا گیا ہے"۔ (ایضاً صفحہ ۸۹)

اللہ تعالیٰ نے کس انداز میں خود انہی کے قلم سے قرآن و حدیث کی یہ بات نکلوا دی، لیکن یہ ان کے چہرے کا دوسرا رخ ہے۔ اپنی دوسری کتاب میں یہی موصوف **فتعاد روحه فی جسده** اور **انه یسمع قرع نعالهم** کی روایات کو بنیاد بناتے ہوئے اپنا دوسرا رخ دکھاتے ہیں:

"..... یہ دونوں حدیثیں یکساں طور پر بظاہر قبر کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں"۔

(کراچی کا عثمانی مذہب، صفحہ ۴۶)

نبی ﷺ کے کھجور کے بدکنے والی روایت کی بنیاد پر لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قبروں کے بیچ میں ضرور کچھ ہوتا ہے ....." (ایضاً صفحہ ۵۶)

مزید فرماتے ہیں:

"ابو سعید خدریؓ کی جنازہ والی روایت مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مٹی کی قبر کے ساتھ میت کا گہرا تعلق ہے"۔ (ایضاً صفحہ ۵۷)

دو ٹہنیوں والی حدیث کی بنا پر انہوں نے استخراج کیا ہے کہ

"اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے مٹی کی قبروں سے عذاب محسوس فرمایا اور تخفیف کے لیے مٹی کی قبروں پر ہی شاخیں گاڑ دیں"۔ (ایضاً)

ایک اور روایت لکھ کر کہتے ہیں:

"معلوم ہوا زمین کو جزا و سزا میں کچھ دخل ہے"۔ (ایضاً)

بریلویانہ انداز میں مزید خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

"میں پوچھتا ہوں قبرستان میں کچھ نہیں ہوتا تو وہاں جا کر دعا اور استغفار کا کیا مطلب؟" (صفحہ ۵۸)

ع بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے!

ملاحظہ فرمائی ان کی ذوالوجہین شخصیت! کیسے دو رخے ہیں! زبان کی ایک کروٹ سے کچھ کہتے ہیں اور دوسری سے کچھ! ایک طرف جوتیوں کی چاپ سننے والی روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ "یہاں قبر سے مراد مٹی کی قبر نہیں، یہ کوئی اور جہاں ہے۔ دوسری طرف کہتے ہیں کہ "یہ قبر میں زندگی پر دلالت کرتی ہے"! ایک طرف کہتے ہیں: "معلوم ہوا زمین کو جزا و سزا میں کچھ دخل ہے" دوسری طرف ان کا بیان ہے کہ "یہ ساری مصیبت اس لئے کھڑی ہوئی ہے کہ برزخی احوال کے بارے میں بیان شدہ احادیث کو دنیوی احوال پر منطبق کر لیا گیا ہے"۔ اس موقع پر قرآن کی یہ آیت ان پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

دراصل پہلے ڈاکٹر عثمانی مرحوم کے قرآن و حدیث پر مبنی دلائل کو رد کرنا تھا کیونکہ وہ ان کے فرقے کو باطل پرست ثابت کر رہے تھے، اس لیے لفاظی کرتے ہوئے زبان مسموم سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسی زمینی قبر میں سب کچھ ہوتا ہے۔ پھر جب بات ہوئی اپنے حریف حنفیوں کو ہرانے کی، تو خود ہی سب

پچھ لکھ ڈالا جو ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث سے ثابت کیا تھا۔شاید یہ لوگ دوغلا پن کسی اور چیز کو کہتے ہیں؟

اب آیئے بانی فرقہ کے اس بیان کی طرف کہ

"۔۔۔ اس وقت مردہ مردہ نہیں رہتا"

ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح واضح انداز میں قرآن کا انکار کیا گیا ہے! اللہ تعالیٰ مرجانے والوں کے لیے فرماتا ہے:

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (النحل: ٢١)

"مردہ ہیں، زندگی کی رمق تک نہیں"

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (المؤمنون: ١٥-١٦)

"پھر اس کے بعد تمہیں موت آکے رہے گی، پھر اس کے بعد تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے"

مگر بانی فرقہ فرماتے ہیں:

"مردہ قبر میں منکرین کے سوال کے جواب دینے کے لیے زندہ کر دیا جاتا اور اس وقت مردہ مردہ نہیں رہتا"۔

اس پر ہم صرف قرآن کی یہ آیت ہی پڑھ سکتے ہیں کہ:

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرہ: ٩٣)

"(ان سے) کہو کہ تمہارا ایمان تو تمہیں بہت ہی برا حکم دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) مومن ہو"

ان کی تحریروں سے واضح ہوا کہ ان کے زعم میں یہ مردہ اس لیے زندہ ہو جاتا ہے کہ اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے۔ان کے ہم عقیدہ شیعہ کہتے ہیں کہ آدھے جسم میں روح لوٹا دی جاتی ہے۔قیامت سے قبل روح اس دنیاوی جسم میں لوٹائے جانے کا عقیدہ جب ہے ہی قرآن کا انکار، تو پھر اب اس مردہ جسم سے سوال وجواب کیسا؟

قادیانیوں نے قرآن کے دیے ہوئے ایک عقیدہ کا انکار کیا تو تمام فرقہ والوں نے ان کے اس طرزِعمل پر کفر کا فتویٰ صادر فرمادیا، لیکن خود ان فرقوں پر کوئی فتویٰ نہ لگایا گیا جو قرآن کے ہی دیے ہوئے دوسرے کتنے ہی عقائد کا انکار کرتے ہیں۔لیکن ذہنوں میں یہ بات بٹھالیں کہ یہ دہرا معیار ان مسالک کا تو ہو سکتا ہے، اللہ کا نہیں۔یہ رضوی، کیلانی، گرجاکھی، دامانوی وغیرہ کے مقلدین بتائیں کیا اللہ تعالیٰ کے پاس قادیانیوں کے لیے کوئی اور معیار ہے اور دوسروں کے لیے کوئی اور!

آپ خود ہی اپنی اداؤں پر کچھ غور فرمائیں
ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن اس مردے کو بے شعور بتاتا ہے تو پھر یہ سوال وجواب کس سے ہوتا ہے؟ حدیث رسول ﷺ اس کی وضاحت کرتی ہے:

اِنَّ رَجُلاً كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ قِيْلَ لَهٗ اُنْظُرْ قَالَ مَا اَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَ اُجَازِيْهِمْ فَاُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَ اَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ

(بخاری: کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

"(نبی ﷺ نے فرمایا کہ) پچھلی قوموں میں ایک شخص کے پاس (موت کا) فرشتہ آیا کہ اس کی روح قبض کرے، پھر (یعنی روح قبض کرنے کے بعد) اس سے سوال کیا کہ اپنی کوئی نیکی تم کو یاد ہے؟ اس نے کہا مجھے تو یاد نہیں۔اس سے کہا گیا کہ یاد کرو، اس نے کہا مجھے اپنی کوئی نیکی یاد نہیں سوائے اس کے کہ دنیا میں لوگوں کے ساتھ خرید وفروخت کیا کرتا تھا اور لین دین کیا کرتا تھا، جو لوگ خوشحال اور مالدار ہوتے انہیں میں مہلت دیا کرتا تھا اور تنگ دستوں کو معاف کر دیا کرتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔"

بتایئے کہ کس سے سوال وجواب ہوا اور کس کو جزا سے نوازا گیا اور کہاں نوازا گیا؟ قرآن بھی اسی بات کو بیان کرتا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (الفجر: ٢٧-٣٠)

"اے نفس مطمئن، چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی، داخل ہو جا میرے (مخلص) بندوں میں، اور داخل ہو جا میری جنت میں"۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت نبی ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ

(ترمذی: کتاب الجنائز باب ما جاء ان نفس المؤمن معلقۃ حتی یقضی عنہ)

"مومن کی روح معلق رہتی ہے اپنے قرض کی وجہ سے یہاں تک وہ اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے"۔

اس حدیث نے اس بات کی مکمل وضاحت کر دی کہ جزا وسزا کا اس دنیاوی جسم سے قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ یہ سارا معاملہ روح کے ساتھ ہوتا ہے (کتاب اللہ اور احادیث نبوی کی رو سے روح کو ایک برزخی جسم دیا جاتا ہے اور جزا وسزا کا سارا معاملہ روح اور اس جسم کے مجموعے کے ساتھ ہوتا ہے)۔اگر جزا وسزا کا تعلق اسی دنیاوی جسم کے ساتھ ہوتا تو پھر روح کو معلق کر دینے کا بیان نہ کیا جاتا۔

کتاب اللہ کا بیان تو آپ کے سامنے ہے کہ مردے نہیں سنتے، لیکن مفتی دامانوی صاحب فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میت دفن کر کے واپس جانے والے ساتھیوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے اور یہ استثنائی حالت ہے"۔ (عقیدہ عذاب قبر صفحہ ٣٠)

سوال یہ ہے کہ اس بات کو استثناء کس نے قرار دیا؟ کیا قرآن وحدیث میں اس کا ذکر ہے کہ مردہ ویسے تو نہیں سنتا لیکن اس وقت سنتا ہے؟ اسلام کی بنیاد قرآن وحدیث پر مبنی ہے، یہ نہیں کہ جس کے جی میں جو آیا لکھ ڈالا۔

بخاری کی حدیث جو یہ لوگ اپنے باطل استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس کے الفاظ تو یہ ہیں کہ

العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی وذهب اصحابه حتی انه ليسمع قرع نعالهم اتاه ملكان

(بخاری: کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال)

"بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا گیا اور اس کا معاملہ اختتام کو پہنچ گیا اور اس کے ساتھی چلے گئے۔یہاں تک کہ وہ یقینی طور پر ان (فرشتوں) کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے کہ وہ فرشتے آجاتے ہیں"۔

دفن کرنے والے تو چلے گئے اب ان کی جوتیوں کی آواز کیسی؟ یقیناً یہ عالم برزخ میں آنے والے فرشتوں کی جوتیوں کی آواز ہے۔ لیکن یہاں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مسلم کی روایت کے الفاظ کو بنیاد بنا کر لکھا جاتا ہے:

"بے شک جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے جبکہ وہ (اسے دفنا کر) واپس لوٹتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الجنۃ)

اس حدیث میں فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی نہیں ہے اور صرف دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے وہ باطل مفروضہ پاش پاش ہو جاتا ہے مگر افسوس کہ جو لوگ ڈاکٹر موصوف کی اس باطل تاویل کو درست مانتے ہیں اور صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں"۔ (عقیدہ عذاب قبر، از ابو جابر عبداللہ دامانوی، صفحہ ۳۱)

احادیث سے شغف رکھنے والے جانتے ہیں کہ ایک روایت کتب احادیث میں کسی جگہ مکمل بیان کی جاتی ہے اور دوسری جگہ اس کا کوئی حصہ نقل کیا جاتا ہے، لیکن فیصلہ اس کے مکمل متن اور کتب حدیث کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ بخاری کی روایت میں فرشتوں کی آمد کا بیان ہے، بعینہٖ یہی الفاظ مسلم کی روایت میں بھی ملتے ہیں۔ لیکن دوسرے مقام پر مختصر انداز میں بیان کی گئی ایک روایت میں فرشتوں کی آمد کا بیان نہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، مفتی صاحب کی نظر فوراً اس روایت پر پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا، اپنا مطلب نکلتا دیکھ کر خوشی سے اچھل ہی تو پڑے ہوں گے کہ اس میں تو فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی نہیں۔ موصوف نے مسلم کی اختصار سے بیان کی گئی اس روایت کو بنیاد بنا کر اپنا باطل عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش تو کر لی لیکن ان کو مسلم کی وہ روایت دکھائی نہیں دی جو اسی سے متصل ہے اور جس میں فرشتوں کے آنے کا ذکر بھی ہے۔ اگر مختصراً بیان کی گئی اسی روایت پر اپنا ایمان بنا بیٹھے ہیں تو اسی روایت میں جب فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی نہیں تو پھر کیوں یہ عقیدہ گھڑا گیا اور کیوں اس کی تبلیغ کی جاتی ہے کہ مرنے کے بعد دنیاوی قبر میں فرشتے آ کر سوال جواب کرتے ہیں؟ بہت خوب انداز ہے کہ ہر حدیث سے صرف اپنے فرقے کے دفاع میں چن چن کر الفاظ لے لیے جائیں، باقی باتیں کہیں اور سے ڈھونڈ لائی جائیں، یعنی میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو!

باقی فرقہ فرماتے ہیں:

"....جب منکر و نکیر قبر میں سوال کرنے کے لیے آتے ہیں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے اس وقت سن بھی لیتا ہے۔"

اور "عالم فرقہ" قدمونی قدمونی والی روایت کی بنیاد پر لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میت جو کاندھوں پر کبھی ہوتی بولتی ہے"۔
(کراچی کا عثمانی مذہب، خواجہ محمد قاسم صاحب، صفحہ ۵۹)

اب یہ اہلحدیث ہی وضاحت فرمائیں کہ یہ مردہ کس وقت زندہ ہوتا ہے: تابوت میں لے جاتے وقت؟ یا قبر میں دفناتے ہی؟ یا جب دفنانے والے لوٹ کر جاتے ہیں؟ انہوں نے امت میں عقیدہ پھیلایا ہے کہ دنیاوی قبر میں روح لوٹا دی جاتی ہے اور مردہ زندہ ہو جاتا ہے، سننے والا اور بولنے والا بن جاتا ہے۔ اب اس کی بھی وضاحت ہو کہ ان کے زعم میں روح تو قبر میں لوٹائی جائے گی تو ابھی روح لوٹائے بغیر یہ مردہ کھاٹ پر کیسے بولنے لگا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات ادبی انداز میں پیش کی گئی ہیں، جن سے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ مرتے ہی انسان کا حساب بہت جلد شروع ہو جاتا ہے۔

روح کا جسم؟

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مرنے کے بعد روح کو ایک نیا جسم عطا کیا جاتا ہے۔ عذاب و راحت کا دور اسی مجموعہ پر گزرتا ہے۔ مگر عوام الناس کو بہکانے کے لیے اہلحدیث "عالم" لکھتے ہیں:

"..... اس کے بجائے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ روح کو کوئی نیا جسم نہیں ملتا۔ بلکہ اس کا اپنا بھی جسم ہوتا ہے ..... "۔ (روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ، از عبدالرحمٰن کیلانی، صفحہ ۹۲)

کہنے کو تو یہ اہلحدیث اپنے آپ کو حدیث پر چلنے والا کہتے ہیں لیکن ان کے مذکورہ بیان کا اگر حدیث سے ہی موازنہ کریں تو اس کے برعکس صورت سامنے آتی ہے۔ شہداء احد کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ

(مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ان ارواح شہداء ... یرزقون)

"شہداء کی روحیں سبز اڑنے والے جسموں میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے جسم سبز اڑنے والی روحوں کے ہیں، بلکہ فرمایا گیا کہ ان کی "روحیں"، "سبز اڑنے والے جسموں" میں ہیں۔ یعنی روح کو ایک نئے جسم میں ڈال دیا گیا ہے۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد دیگر افراد کو بھی ایک دوسرا جسم دیا جاتا ہے جیسا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے بیٹے کو سلام کرتے ہوئے کہتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ

(بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب جعفر رضی اللہ عنہ)

"اے دو بازوؤں والے کے بیٹے تم پر سلامتی ہو"۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی شہادت سے قبل کافروں نے ان کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ اور ترمذی کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

رَأَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ

(ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب جعفر بن ابی طالب)

"میں نے جعفر کو دیکھا وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے تھے"

اس سے قبل بیان کردہ احادیث میں بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے فرزند کے لیے فرمایا کہ جنت میں اس کے لیے دودھ پلانے والی ہے۔ یعنی انہیں ایسے جسم سے نوازا گیا ہے کہ جو دودھ پیتا ہے۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی طویل روایت میں بھی نبی ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام، شہداء، مومن مردوں اور عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو انسانی جسم میں ہی دیکھا۔ یہودی عورت، جو بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دی گئی، اسے ایک ایسا جسم دیا گیا کہ بلی اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہی تھی۔ اسی طرح عمرو بن لحی کا جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچنا ثابت کرتا ہے کہ اسے بھی ایک جسم دیا گیا۔ اسی طرح سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں جھوٹے شخص کے گال چیرے جانا، قرآن کو فراموش کر دینے والے

عالم کا سر بکلا جانا، زنا کار مردوں اور عورتوں کے جسموں کا جلنا، سود خور کے جسم کا دریائے خون میں غرق ہونا۔ اسی بات کا ثبوت ہے کہ روح کو ایک نیا جسم دیا جاتا ہے۔ چونکہ مرنے کے بعد، قیامت سے قبل، کا یہ سارا معاملہ عالم برزخ میں ہوتا ہے اس لیے ان جسموں کو اصطلاحاً برزخی جسم کہا جاتا ہے۔ مگر اہلحدیثوں کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث بیان کرے، یہ اسے بدلنے کی کوشش کریں۔

مردہ جسم کے بارے میں کتاب اللہ اور مسلک پرستوں کے عقائد کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم ''قبر'' کے موضوع پر قرآن وحدیث کا بیان پیش کرتے ہیں تاکہ اس بارے میں پھیلائے گئے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی ہو سکے۔

قبر اور فرقہ پرست

یہ فرقہ پرست اسی دنیاوی قبر کو مرنے کے بعد ملنے والے عذاب یا راحت کا مقام قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اسے عذاب قبر کہا ہی اس وجہ سے جاتا ہے کہ یہ اسی قبر میں ہوتا ہے، مردہ تو دفن ہی یہاں کیا جاتا ہے اور یہی دنیاوی قبر اس کا ٹھکانہ ہے قیامت تک..........

اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں کہ انسانی مدفن کو قبر کہتے ہیں۔ جہاں ایک انسان دفنایا جاتا ہے، وہ اس کی قبر ہی کہلاتی ہے۔ لیکن یہ عرفی قبر عذاب وراحت کا مقام نہیں بلکہ یہ تو عالم برزخ کا معاملہ ہے جو کہ قرآن وحدیث سے واضح ہے۔

اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ان فرقہ پرستوں کا یہ بھی ایک پُر فریب انداز ہے کہ یہ لوگ ''قبر'' کے لغوی معانی پر اصرار کرتے ہیں تاکہ بھولے بھالے لوگوں کو دھوکہ دے سکیں اور اس طرح ان کو اپنے عقائد پر برقرار رکھنے کی امید ہوتی ہے۔ جس طرح برزخ کے لغوی معنی بیان کر کے انہوں نے لوگوں کو بے وقوف بنایا ہوا تھا لیکن جب قرآن وحدیث سے اس کے معنی بیان کیے گئے تو اصل حقیقت سامنے آ گئی۔ مگر دورخی دیکھیے کہ جب منکرین حدیث صوم وصلوٰۃ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کے لغوی معنی سے اپنا باطل عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہی لوگ ان کی تردید میں اصطلاحی وشرعی معنی پر اصرار کرتے ہیں۔ طرفہ تماشہ دیکھیے کہ جو چیز ''قبر'' اور ''برزخ'' کی بحث میں ان کی اپنی دلیل تھی ہے وہی صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ کی بحث میں اپنے حریف کے حق میں باطل ہو جاتی ہے! پہلے لغت حق اور اصطلاح باطل تھی، اب پرویزیوں کے سامنے اصطلاح حق اور لغت باطل قرار پائی! ایسے دوہرے معیار سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر منع فرمایا ہے کہ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ (المطففین: ۳-۱) ....(المطففین ۳-۱)

''تباہی ان لوگوں کے لیے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں؛ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں۔''

صحیح بات یہ ہے کہ چاہے قبر ہو یا برزخ، صلوٰۃ ہو یا زکوٰۃ، ان کے جو معنی قرآن و حدیث کے مطابق ہوں، تو وہی ان کے اصطلاحی اور شرعی معنی قرار دیے جائیں گے اور ماسوا کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ جس طرح منکرین حدیث نے ان الفاظ کے لغوی معنی بیان کر کے گمراہی پھیلائی ہے، اسی طرح یہ فرقہ پرست قبر کے لغوی معنی بیان کر کے شدید گمراہی پھیلا رہے ہیں اور قبر ارضی کو ''آخری آرام گاہ'' قرار دے کر شرک کی بنیاد فراہم کر رہے ہیں۔

صلوٰۃ کے متعدد لغوی معنی ہیں، مثلاً دعا، رحمت، برکت، تعریف، دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والا گھوڑا، کولھے ہلانا۔ بعض ''آزاد پسندوں'' نے آخر الذکر معنی لے کر ورزش اور اچھل کود کرنے کو صلوٰۃ کا نام دے دیا ہے۔ کچھ منکرین حدیث اس کے لغوی معنی تسبیح اور دعا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ سے مانگنے اور صرف اس کی تسبیح بیان کرنے سے ہی صلوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ پرویز نے اس کے معنی ''دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والا گھوڑا'' لیے ہیں اور اپنے انداز میں اس کی تشریح کی ہے کہ صلوٰۃ دراصل اسلامی نظام کا نام ہے، جس طرح دوسرے نمبر والا گھوڑا پہلے نمبر والے گھوڑے کے پیچھے ہوتا ہے، اسی طرح انسان کو ریاستی نظام اور حکومت کے احکام کا تابع ہونا چاہیے اور جس نے ان قوانین کی تابعداری کی، اس نے صلوٰۃ ادا کر لی اور اس طرح حکم ربی أَقِيمُوا الصَّلَاةَ کا مطلب ہوا کہ اس طرح کا نظام قائم کرو۔ کیا اہلحدیث یہاں صلوٰۃ کے ان لغوی معانی پر اصرار کریں گے؟ آپ اندازہ لگائیں کہ صلوٰۃ کے اصطلاحی معنی (کہ یہ ایک مخصوص عبادت ہے جو مسلمین پر فرض ہے اور اس کا ایک مخصوص طریقہ ہے) سے صرف نظر کر کے لوگ کس طرح لغت کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے اور خود بھی گمراہ ہوئے اور نہ جانے کتنوں کو گمراہ کیا۔ یہ ساری بحث اس لیے پیش کی گئی ہے تاکہ یہ بات سمجھ میں آ جائے کہ دین اسلام میں کسی بھی بات کی تشریح وتفسیر وہ مانی جائے گی جو قرآن وحدیث کے دیے ہوئے متفقہ عقیدے کے مطابق ہو نہ کہ صرف اس کے لغوی معنی۔ ہم صلوٰۃ کے وہی معنی کریں گے جو قرآن وحدیث سے ملتے ہیں کہ ''فرض طریقہ عبادت''، ''رحمت''، ''رحمت کی دعا''۔ بالکل اسی طرح قبر کے بھی وہی معنی لیے جائیں گے جو قرآن وحدیث سے ملتے ہوں۔

حدیث میں آتا ہے:

إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا

(بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه)

''نبی ﷺ ایک (فوت شدہ) یہودی عورت کے پاس سے گزرے اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اسے اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے''۔

سوچنے کی بات ہے کہ ابھی وہ یہودی عورت اس زمینی، لغوی وعرفی قبر میں دفن بھی نہیں ہوئی اور اس پر عذاب ہونے کا مژدہ سنایا جا رہا ہے، اور اس عذاب دیے جانے کے مقام کا نام ''قبر'' بتایا جا رہا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں مردے کے دفن کا ذکر ہو تو وہاں اس سے مراد یہی زمینی، لغوی وعرفی قبر ہے لیکن جہاں کہیں میت کو جزا وسزا دیے جانے کا بیان ہو تو وہاں ''قبر'' کے اصطلاحی وشرعی معنی لیے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمینی قبر ہر مرنے والے کو نہیں ملتی

لیکن قرآن ہر مرنے والے کو قبر دیے جانے کا اعلان فرماتا ہے۔

قبر ہر مرنے والے کو ملتی ہے

اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (عبس: ۲۱)

''پھر اس کو موت دی اور قبر دی''۔

یعنی جس انسان کو بھی موت ملی، اس کو قبر ملی۔ اب ذرا غور فرمایے کہ یہ ارضی، لغوی وعرف عام والی قبر تو بدھ مت و ہندو مت کے پیروکار کروڑہا انسانوں، آتش پرست مجوسی و پارسی مذاہب کے ماننے والوں، کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظریات کی حامل قوموں کو تو ملتی ہی نہیں کیونکہ ان میں مردے دفنانے کے بجائے اپنے اپنے طریقے کے مطابق لٹکانے اور جلانے کا رواج ہے۔ مختلف عذابات کا شکار ہو جانے والی قوموں کو بھی یہ ارضی قبر نصیب نہیں ہوئی مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم کو یہ زمینی قبر نہیں مل سکی کہ طوفان میں ڈوب کر مر گئے (سورہ نوح: ۲۵)۔ لوط علیہ السلام کی قوم کو بھی نہیں ملی کہ ان پر آسمان سے پتھر برسے اور ہلاک کر دیے گئے (الشعراء: ۱۷۳، ہود وغیرہ)۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تباہ ہونے والی قوم فرعون کو بھی نہ مل سکی کہ دریا برد ہو گئی (الذاریات: ۴۰ وغیرہ)۔ مدین والوں کو اس ارضی قبر میں نہیں دفن کیا گیا بلکہ زلزلے نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا (الاعراف: ۹۱ وغیرہ)۔ ہود علیہ السلام کی قوم عاد اس قبر میں دفن نہیں ہوئی بلکہ زوردار آندھیوں نے ان کو نیست و نابود کر دیا (الحاقہ: ۶، ہود وغیرہ)۔ صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو یہ قبریں نصیب نہیں ہوئیں بلکہ ایک زوردار چنگھاڑ نے انہیں مار ڈالا (ہود: ۶۷ وغیرہ)۔ ...... نہ جانے کتنی ہی قومیں اس لغوی وعرفی ارضی قبر سے محروم رہیں تو کیا اللہ کے قانون ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ کا ان قوموں پر اطلاق نہ ہوا؟ آیئے اس بارے میں ان فرقہ پرستوں کے عقائد کا جائزہ لیتے ہیں۔

''حضرت علامہ مفتی'' جارو داماتوی صاحب قبر کی تعریف بیان کرتے ہیں:

''وہ گڑھا جس میں مردے کو دفن کرتے ہیں''، ''دفن کرنے کی جگہ''

(خلاصۃ الدین الخالص، صفحہ ۲۵)

عذاب القبر کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

''عذاب القبر مرکب اضافی ہے، عذاب مضاف اور القبر مضاف الیہ جس کا مطلب ہے ''قبر کا عذاب''۔ یعنی وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے، اس مرکب ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر میں ہوتا ہے''۔ (ایضاً صفحہ ۳۱)

''میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور یہاں وہ عذاب سے دوچار ہوتی ہے''۔

(ایضاً صفحہ ۳۶)

انہوں نے قبر کی تشریح وہ جگہ کی ہے جہاں مردے کو دفن کیا جائے۔ ان کے بقول یہی وہ جگہ ہے جہاں مرنے والے کو عذاب دیا جاتا ہے یا وہ راحت سے مستفیض ہوتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق چونکہ یہ عذاب اسی دنیاوی قبر میں ہوتا ہے اسی لیے اسے عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ ان اہلحدیثوں کا عقیدہ چونکہ قرآن وحدیث کے مطابق نہیں، اس لیے حالات کے حوالے سے لمحہ لمحہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے جس کی نشاندہی آگے کی جائے گی۔ مزید فرماتے ہیں:

''موت کے بعد سے قیامت کے دن تک جو عذاب اللہ کے نافرمان بندوں کو دیا جائے گا اسی کا نام عذاب القبر ہے''۔ (ایضاً صفحہ ۳۱)

مفتی صاحب نے اس سے قبل فرمایا تھا:

''یعنی وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے''

اب کہتے ہیں

''جو موت کے بعد سے دیا جاتا ہے وہ عذاب قبر ہے'' (ملخص)

ان کے دونوں بیان آپ کے سامنے ہیں۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ ''قبر کا عذاب''، دوسری طرف کہتے ہیں کہ عذاب قبر مرتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ ''حضرت'' وہ کونسا مردہ ہے جو مرنے کے اگلے لمحے قبر میں اتار دیا جاتا ہو؟

مزید رقم طراز ہیں

''حالانکہ عذاب کا یہ سلسلہ حالت نزع ہی سے جب کہ میت ابھی چارپائی پر ہی ہوتی ہے شروع ہو جاتا ہے''۔ (ایضاً صفحہ ۳۳)

ان کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ عذاب کا یہ سلسلہ حالت نزع سے ہی شروع ہو جاتا ہے اس لیے کہ حالت نزع کی مار پیٹ روح نکالے جانے سے پہلے کی جاتی ہے اور وہ اسی دنیاوی جسم کے ساتھ ہوتی ہے یعنی زندہ کو مارا جاتا ہے جبکہ عذاب قبر صرف مردے کو ہوتا ہے۔ حالت نزع روح قبض ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس دنیاوی مردہ جسم کو مارنے کا کوئی عقیدہ کتاب اللہ سے ثابت نہیں۔

قرآن وحدیث کا دیا ہوا عقیدہ یہی ہے کہ عذاب قبر یا راحت قبر کا سلسلہ روح نکلتے ہی عالم برزخ (جہنم یا جنت) میں شروع ہوتا ہے۔ یہ قرآن کے اس عقیدے کو کہاں لے جاتے، اسی لیے مجبوراً قبول تو کر لیا کہ عذاب مرتے ہی شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کو اسی دنیاوی جسم سے منسوب کر دیا! بایں ہمہ ان کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کے بقول یہ ''قبر کا عذاب'' ہے، ''یعنی وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے''، جبکہ مردہ تو ابھی ان کی اصطلاحی معروف قبر میں داخل ہی نہیں ہوا تو پھر یہ عذاب قبر کیسے بن گیا؟

انہوں نے بڑے ''عالمانہ'' انداز میں عربی گرامر کے ابتدائی قواعد کے سہارے اپنے زعم میں بڑا تیر مارا کہ

''عذاب القبر مرکب اضافی ہے، عذاب مضاف اور القبر مضاف الیہ جس کا مطلب ہے قبر کا عذاب''۔

آیئے ان کے اسی فارمولے کی بنیاد پر ان کے اپنے بیانات سے اس عذاب کی انواع کا تعین کرتے ہیں: ''عذاب'' مضاف، ''سریر'' (چارپائی) مضاف الیہ بنا ''عذاب السریر'' یعنی ''چارپائی پر ہونے والا عذاب''۔ کوئی ڈوب کے مرا تو اس کے لیے ہے ''عذاب البحر'' یعنی ''سمندر میں ہونے والا عذاب''۔ کسی کو شیر کھا گیا، اب شیر کے پیٹ میں ہوا ''عذاب الاسد'' ...... اپنی جھوٹی بات ثابت کرنے کے لیے کس طرح بچگانہ انداز میں عربی گرامر کا سہارا لیا گیا تھا، لیکن ان کے اپنے لکھے نے ان کے جھوٹ کی پول کھول دی!

اسی فرقے کے ایک دوسرے صاحب بھی عذاب قبر کا یہی عقیدہ دیتے ہیں:

"اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ (آج کے دن تم توہین آمیز عذاب کی طرف دھکیلے جاؤ گے) کے الفاظ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جزا و سزا کا سلسلہ مرتے ہی قبر میں شروع ہو جاتا ہے چونکہ جنت اور دوزخ میں داخلہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ہو گا اس لیے کافر میت سے روح نکالنے والے فرشتوں کا یہ کہنا کہ آج ہی ذلت والے عذاب کی طرف دھکیل دیے جاؤ گے عذاب قبر پر واضح دلیل ہے۔" (پہلا زینہ، از قاری خلیل الرحمن، صفحہ ۳۷)

خود ہی لکھا، خود ہی پڑھا، خود ہی سمجھا، اور خود ہی اسے دلیل بھی بنا لیا۔ قرآن کی اس آیت کی یہ تشریح انہوں نے کس بنیاد پر کی ہے؟ اپنے اکابرین کے لکھے کو چاٹتے رہیں گے تو قرآنی آیات کی اس سے بھی زیادہ گمراہ کن تشریح کریں گے۔ اگرچہ اس آیت میں قبر کا کوئی لفظ ہی نہیں، لیکن کس انداز میں اس کی تشریح فرما دی کہ

"...... الفاظ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جزا و سزا کا سلسلہ مرتے ہی قبر میں شروع ہو جاتا ہے"

بہت اچھا استعمال کیا ہے انہوں نے قرآنی آیات کا! موصوف نے پوری بات بیان نہیں فرمائی، اس لیے کہ اگر بات پوری بیان کر دی جائے تو پھر دجل و فریب کی گنجائش نہیں رہتی۔ ملاحظہ فرمائیں سورہ انعام کی یہ آیات:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝
(الانعام: ۹۳، ۹۴)

"کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب کہ وہ سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمت رکھ کر ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے تھے۔ اور تم تن تنہا پہنچ گئے ہمارے پاس جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور چھوڑ آئے ہو اپنی پیٹھ پیچھے جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا تھا اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارا کام بنانے میں وہ بھی اللہ کے شریک تھے، بے شک تمہارے آپس کے رابطے منقطع ہو گئے اور گم ہو گئے وہ تم سے جن کا تم کو زعم تھا۔"

پہلی آیت میں بتایا گیا کہ فرشتے روح قبض کرتے وقت ہی کافروں کو، اس فوری ملنے والے عذاب کا مژدہ سنا دیتے ہیں۔ یہ مردہ اب قیامت تک کا یہ دور کہاں گذارے گا اور کہاں اسے عذاب ہو گا، اگلی ہی آیت میں اس کی تشریح ملتی ہے۔ رب کائنات فرماتا ہے کہ تم تنہا اس ساری دنیا کو اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔ یہ مردہ اب اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے، برزخ کے پار ایک دوسرے عالم میں جہاں اب اس کو قیامت تک رہنا ہے۔ اب معاملہ راحت کا ہو یا عذاب کا وہیں ہی سب کچھ ملے گا۔ انسان کی روح قبض ہوتے ہی اگلی آخرت شروع ہو جاتی ہے اور آخرت کے معاملہ کا تعلق اس زمین سے نہیں بلکہ آسمانوں میں ہے۔

قرآن کے اس فیصلے کے برخلاف اہلحدیث عقیدہ دیتے ہیں کہ

"(آج کے دن تم توہین آمیز عذاب کی طرف دھکیلے جاؤ گے) کے الفاظ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جزا و سزا کا سلسلہ مرتے ہی قبر میں شروع ہو جاتا ہے"۔

انہوں نے سورہ انعام کی آیت ۹۳ پیش کر کے اس کی من مانی تشریح تو بیان کر دی لیکن انہیں آیت ۹۴ نہیں دکھائی دی جس میں انہیں اس بات کی مکمل وضاحت مل جاتی کہ مرنے کے بعد یہ مردہ کہاں پہنچ جاتا ہے؟ مرتے ہی انسان اللہ کے پاس جاتا ہے یا اس دنیاوی قبر میں دفنا دیا جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ہمارے پاس پہنچ گئے۔ یہ کہتے ہیں کہ قبر میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ کہاں لکھا ہے قرآن میں کہ "تم دھکیلے جاؤ گے"؟ قرآن کی آیات سے کھیلتے ہیں اور اس کے مفہوم کو یکسر بدل ڈالتے ہیں! يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

نبی ﷺ عذاب قبر کی مکمل وضاحت فرماتے ہیں

مفتی دامانوی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ان مختلف احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عائشہؓ کو پہلی مرتبہ ایک یہودی عورت نے عذاب قبر کے متعلق بتایا لیکن انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود کو جھوٹا قرار دیا بعد میں آپ ﷺ پر وحی بھیجی گئی اور آپ ﷺ کو عذاب القبر کے بارے میں بتایا گیا۔ اسی دن سورج گرہن لگ گیا اور آپ ﷺ کے بیٹے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ نے اسی دن سورج گہن کی نماز صلوٰۃ الکسوف پڑھائی۔ اور خطبہ دیا۔ اور اسی خطبہ میں صحابہ کرامؓ کو عذاب القبر کی تفصیلات سے آگاہ کیا" (عقیدہ عذاب قبر، صفحہ ۳۶)

اہلحدیثوں کے بیان کے مطابق صلوٰۃ الکسوف کی روایات میں نبی ﷺ نے عذاب قبر کی تفصیلات سے پہلی مرتبہ آگاہ کیا، لہٰذا ضروری ہے کہ ان روایات کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔

صلوٰۃ الکسوف کی احادیث

...... فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ وَجَعَلْتُ اَصُبُّ فَوْقَ رَاْسِي مَاءً، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ اَرَهُ اِلَّا قَدْ رَاَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ يُؤْتٰى اَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِ الْمُوْقِنُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاَجَبْنَا وَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ

(بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم یتوضأ الا من الغشی المثقل)

(اسماء رضی اللہ عنہا سورج گرہن کی صلوٰۃ ادا کرنے کا واقعہ روایت کرتی ہیں کہ) ۔۔۔۔ میں بھی کھڑی ہو گئی یہاں تک کہ (صلوٰۃ کی طوالت سے) مجھ پر غشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ جب رسول اللہ ﷺ (صلوٰۃ سے) فارغ ہوئے تو اللہ کی حمد و ثنا فرمائی، اس کے بعد فرمایا کہ جس چیز کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اس کو آج اسی جگہ دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و جہنم کو بھی۔ اور میری طرف وحی کی گئی کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے دجال کے فتنے کی طرح یا اس کے قریب قریب ۔۔۔ تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس مرد کے متعلق کیا علم رکھتے ہو۔ مومن یا موقن (کہتی ہیں) مجھے یاد نہیں، کہے گا وہ اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں جو ہمارے پاس کھلی نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، ہم نے ان کی بات مانی اور ایمان لائے اور پیروی کی۔ اس سے کہا جائے گا سو جا، اس لیے کہ ہم نے جان لیا ہے کہ تو مومن ہے۔ لیکن منافق یا شک کرنے والا کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم، میں نے تو جو لوگوں کو کہتے ہوئے سنا وہی میں نے کہا"۔

حدیث کے الفاظ پر غور فرمایے کہ یہ کونسا مقام ہے جس کے متعلق بتایا گیا کہ:

فیؤتی احدکم "پھر تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا"

(یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اہلحدیثوں نے اس حدیث کا ترجمہ بھی بدل ڈالا اور لکھا کہ "تم میں سے ہر ایک کے پاس پہنچیں گے"۔ اگرچہ دیوبندی بھی ان کے ہم عقیدہ ہیں مگر کم از کم اس علمی خیانت کی جرأت ان سے نہ ہو سکی۔ یہ بھی اہلحدیثوں کا ہی خاصہ ہے) قرآن و حدیث سے اس کی تشریح یہ ملتی ہے کہ ہر مرنے والے کی روح فرشتے قبض کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝ (الانعام: ۶۱، ۶۲)

"اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اسکی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر تم پلٹائے جاتے ہو اللہ کی طرف جو تمہارا حقیقی مالک ہے۔ سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ (الانعام: ۹۳، ۹۴)

"کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب کہ وہ سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو، آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمت رکھ کر ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے تھے۔ اور تم تن تنہا پہنچ گئے ہمارے پاس جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور چھوڑ آئے ہو اپنی پیٹھ پیچھے جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا تھا"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيبِ رِيحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكِ وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَقُولُ انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ قَالَ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُهُ قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَ لَعْنًا وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوحٌ خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ قَالَ فَيُقَالُ انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ

(مسلم، کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمہا، باب عرض المقعد علی المیت و ...)

"جب مومن کی روح اس کے بدن سے نکلتی ہے تو اس کے آگے آگے دو فرشتے جاتے ہیں اس کو آسمان پر چڑھا لے جاتے ہیں۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس کی خوشبو اور مشک کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کوئی پاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت کرے اور تیرے جسم پر جس کو تو نے آباد رکھا۔ پھر اس کو اس کے رب کے پاس لیجاتے ہیں وہ فرماتا ہے لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے۔ اور جب کافر کی روح نکلتی ہے تو ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس پر لعنت کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کہ ناپاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے پھر حکم ہوتا ہے لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے"۔

تو یہ ہے وہ مقام کہ جہاں سارے کے سارے انسان مرنے کے بعد لے جائے جاتے ہیں۔ اسماء رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ صلوٰۃ الکسوف کی حدیث، جس کے بارے میں اہلحدیثوں نے انکشاف فرمایا ہے کہ اس میں نبی ﷺ نے پہلی دفعہ عذاب قبر کی تفصیلات سے آگاہ فرمایا، کا متن بھی اسی بات کو ثابت کرتا ہے۔

نبی ﷺ پر وحی نازل ہونے کے مختلف انداز تھے: کبھی فرشتے کے ذریعے پیغام آتا، کبھی دل میں القا کی جاتی، کبھی خواب کے ذریعے اور کبھی وہ مناظر نبی کو دکھا دیے جاتے جن کے متعلق کچھ بتانا مقصود ہوتا۔ چنانچہ اس حدیث میں وحی کا یہی مؤخر الذکر انداز تھا کہ عذاب قبر کے مناظر نبی ﷺ کو دکھائے گئے جس کا ثبوت قَدْ رَأَيْتُكُمْ (میں نے اسے دیکھا) کے الفاظ ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

..... فَقَالَ إِنِّي قَدْ رَأَيْتُكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ كَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ

..... فَكُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ

(مسلم، کتاب الکسوف، باب ذکر عذاب القبر فی صلاۃ الخسوف)

(نبی ﷺ نے صلوٰۃ الکسوف ادا فرمائی) پھر فرمایا "میں نے یقیناً تم کو دیکھا کہ تم آزمائے جاتے ہو قبروں میں دجال کے فتنہ کی طرح" اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کو جہنم کے عذاب اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے سنا کرتی"۔

نبی ﷺ نے کیا دیکھا:

إِنَّهُ عُرِضَ عَلَيَّ كُلُّ شَيْءٍ تُولَجُونَهُ، فَعُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ، حَتَّى لَوْ تَنَاوَلْتُ مِنْهَا قِطْفًا أَخَذْتُهُ أَوْ قَالَ تَنَاوَلْتُ مِنْهَا قِطْفًا فَقَصُرَتْ يَدِي عَنْهُ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً

مِنْ بَنِي اِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِي هِرَّةٍ لَهَا ، رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ وَ رَأَيْتُ اَبَا ثُمَامَةَ عَمْرَو بْنَ مَالِكٍ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ ......

(مسلم کتاب الکسوف باب ما عرض علی النبی ﷺ فی صلاۃ الکسوف من امر الجنۃ والنار)

''پھر فرمایا کہ جتنی بھی چیزیں جن میں تم جاؤ گے میرے سامنے آ گئیں، اور جنت تو ایسی آئی کہ اگر میں اس میں سے ایک گچھا لینا چاہتا تو ضرور ہی لے لیتا، یا فرمایا کہ میں نے اس میں سے ایک گچھا لینا چاہا تو میرا ہاتھ نہ پہنچا۔ اور جہنم میرے آگے آئی اور میں نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا کہ ایک بلی کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا ہے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا، اسے نہ تو کھانے کو دیتی اور نہ اسے کھولتی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔ اور جہنم میں ابو ثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی آنتیں کھینچ رہا تھا ......''

...... رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا ...... وَ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ كَانَ اَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ

(بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المائدۃ، باب قولہ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام، عن عائشۃ وابی ھریرۃ رضی اللہ عنہا)

''میں نے جہنم کو دیکھا اس کا ایک حصہ دوسرے کو تباہ کر رہا تھا اور اس میں عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا وہ اپنی آنتیں کھینچ رہا تھا، یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم ایجاد کی''۔

بتایے کہ یہ کونسی قبریں تھیں کہ جن میں نبی ﷺ نے عذاب ہوتے ہوئے دیکھ کر عذاب قبر سے پناہ مانگی؟ یہ زمین میں بنی ہوئی قبریں تھیں یا یہ جہنم میں ملنے والے وہ مقام ہیں جن میں ایک مرنے والا قیامت تک حسب انجام عذاب پائے گا۔ نبی ﷺ نے جب غزوہ بدر میں مرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ''کیا تم نے پالیا اپنے رب کا وعدہ''

تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تشریح فرمائی کہ

حِيْنَ تَبَوَّؤُا مَقَاعِدَهُمْ مِنَ النَّارِ

''جب جہنم میں ان کو ٹھکانہ مل گیا ہوگا''

(بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل، عن ھشام عن ابیہ)

نبی ﷺ کے اس فرمان سے اس بات کی یقینی وضاحت ہو گئی کہ وہ مقام جہاں مرنے والا قیامت تک عذاب یا راحت پاتا ہے، وہی وہ مقام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔

جیسا کہ قرآن مجید میں مرتے ہی قوم نوح و ازواج نوح و لوط علیہما السلام کے جہنم میں داخلے، اور آل فرعون کے جہنم پر پیش کیے جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، تو وہی تسلسل رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ جہنم (عالم برزخ) میں ہونے والے اس عذاب کو دیکھ کر نبی ﷺ نے ''عذاب قبر'' سے پناہ مانگی۔ یہی ہمارا ایمان ہے کہ عذاب قبر اس دنیاوی قبر میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ یہی تشریح ہے نبی ﷺ کی اس حدیث کی جس میں یہودی عورت کے متعلق بتایا گیا کہ

''یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اسے اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے''

چونکہ یہ سب عالم برزخ میں ہوتا ہے اس لیے اللہ کی طرف سے دی جانے والی اس قبر کو بطور امتیاز اصطلاحاً ''برزخی قبر'' کہہ دیتے ہیں۔

صلوٰۃ الکسوف کی یہی وہ روایات ہیں جن کے متعلق خاکی جان داماموی نے کہا تھا کہ ان میں نبی ﷺ نے عذاب قبر کی تفصیلات بتائیں۔ انہی روایات میں نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی نقل کیا گیا کہ

''جتنی بھی چیزیں جن میں تم جاؤ گے میرے سامنے آ گئیں، اور جنت تو ایسی آئی ...... اور جہنم میرے آگے آئی ......''

لیکن نبی ﷺ نے کسی طور بھی اس دنیاوی زمینی قبر کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جہنم (عالم برزخ) میں ہونے والے عذاب دیکھ کر فرمایا:

''اور میں نے یقیناً تم کو دیکھا کہ تم آزمائے جاتے ہو قبروں میں دجال کے فتنے کی طرح''

اور پھر عذاب قبر سے پناہ مانگی!

داماموی صاحب نے اپنی کتاب میں یہ آیت نقل کی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء: ۶۵)

''پس اے محمد ﷺ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہمی اختلاف میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔

اور ''ارشاد'' فرمایا:

''معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو اختلافی مسائل میں حکم نہ ماننے والا ایمان سے خارج ہے چاہے وہ اپنے آپ کو لاکھ مسلم یا توحیدی کہے''۔ (عقیدہ عذاب قبر صفحہ ۱۸، ۱۹)

قرآن کی یہ آیت جو موصوف نے دوسروں کے لیے پیش کی ہے، یہ خود پوری طرح اس کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ صلوٰۃ الکسوف کی احادیث میں واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرنے کے بعد ہونے والے اس عذاب کو جو جہنم (عالم برزخ) میں ہو رہا تھا، عذاب قبر کہا، لیکن یہ ''حضرات'' اس دنیاوی زمینی قبر میں عذاب کا عقیدہ دیتے ہیں۔ اسی طرح بخاری کی سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث میں فرشتے رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں:

يُفْعَلُ بِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

''یہ اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا''

اور یہی بات نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتاتے ہیں، لیکن یہ اہلحدیث اسے بھی عذاب قبر ماننے کو تیار نہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی بات سے جن کے دلوں کو تکلیف پہنچ رہی ہو اور جو ان کی کہی ہوئی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں، وہ کون ہیں؟ انہی کی پیش کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے مقام کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ اب چاہے اپنا نام کوئی ''حزب اللہ'' رکھے یا اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت کہلوائے، کوئی اپنا نام جماعت المسلمین (بھلے سے گول ۃ والی ''جماعۃ المسلمین'') رکھے یا تنظیم المسلمین، اپنے آپ کو توحیدی کہلوائے یا لاکھ اپنے آپ کو اہلحدیث کہتا پھرے، سب کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک ہی فیصلہ ہے کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ......

کہتے ہیں کہ

”وہ بھی عذاب جہنم ہے کہ جس سے انہیں مغالطہ ہوا ہے یا وہ مغالطہ دے رہے ہیں اور اس عذاب کا ان کو اقرار ہے مگر عذاب قبر کے وہ انکاری ہیں اور وہ اسی عذاب جہنم کو عذاب قبر ثابت کرنے کے درپے ہیں“۔

جہنم (عالم برزخ) میں ہونے والے ان عذابات کو ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ نے عذاب قبر نہیں کہا ہے بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ مغالطہ ڈاکٹر صاحب نے نہیں دیا ہے بلکہ شیطان نے ان مسلک پرستوں کو مغالطے میں ڈال رکھا ہے۔ اور رہی بات بخاری و مسلم کی احادیث کے انکار کی، تو یہ بات بھی اب سامنے آگئی ہے کہ حدیث کا انکار کون کر رہا ہے؟

برزخی قبر اور اکابرین مسالک

اکثر اہلحدیث اور دیوبندی بڑی شد و مد کے ساتھ اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ ”برزخی قبر“ کا کوئی وجود نہیں بلکہ یہ محض ڈاکٹر عثمانی کی گھڑی ہوئی ایک بات ہے۔ جدید فرقہ اہلحدیث بنام جماعت المسلمین رجسٹرڈ والوں نے تو اس موضوع پر ”ارضی قبر و فرضی قبر“ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھ ڈالی ہے۔ برزخی قبر کیا ہے، اس کی تفصیل اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے۔ ہم نے قرآن و حدیث کے بیان کے مطابق ہی اس کو اصطلاحاً برزخی قبر کہا ہے ورنہ یہ ہماری اختراع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا اعتراف تو مسلکی اکابرین بھی کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ہم کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمایے:

”اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جن میں اس عذاب اور برزخ کا ثبوت ملتا ہے اور احادیث میں تو یہ موضوع اس کثرت اور صراحت سے آیا ہے کہ کسی دیانتدار آدمی کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ قبر سے مراد برزخ ہے اس میں مجرموں کو عذاب ہوگا۔ وہ قبر کے گڑھے میں دفن ہوں یا اسے کوئی جانور کھا جائے وہی انکی قبر ہوگی جس صورت میں بھی وہ عذاب یا خوشی محسوس کرے گا۔ قبر سے مراد گڑھا نہیں بلکہ موت کے بعد جو ٹھکانہ ملتا ہے وہ قبر ہے اور وہیں انسان کو عذاب یا خوشی کا احساس ہوگا۔ اسکو عذاب قبر یا برزخی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے“۔

(تبلیغی نصاب، از محمد اسماعیل سلفی، صفحہ ۴۱)

”عام لوگ صرف زمین کے گڑھے اور مٹی کے ڈھیر کو قبر سمجھتے ہیں لیکن یہ بات غلط ہے ورنہ کہنا پڑیگا کہ جن لوگوں کو زمین میں دفن ہونا نصیب نہیں ہوا وہ قبروں میں نہیں گئے“۔ (دعا کرنے کا اسلامی تصور، از فضل الرحمٰن کلیم اہلحدیث، صفحہ ۱۰۹)

”الغرض بہت سی لاشوں کو وہ جگہ نہیں ملتی جس کو ہمارے عرف میں قبر کہا جاتا ہے۔ تو کیا یہ لوگ قبروں میں نہیں پہنچے اور ان کی کوئی قبر نہیں؟ ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ مرنے والے ہر شخص کی ایک منزل قبر ہوتی ہے اور ہر شخص قبر میں جاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ قرآن مجید، حدیث پاک میں جب لفظ قبر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد صرف زمین کا گڑھا اور مٹی کا ڈھیر نہیں ہوتا بلکہ قبر سے مراد وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد انسان کو ٹھہرنا نصیب ہوتا ہے لیکن اس مقام کی حقیقت انسان کی عقل و فکر سے باہر ہے۔ اللہ پاک نے اسکو انسان کے دنیوی حواس سے پوشیدہ رکھا ہے، چنانچہ جن لوگوں کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے اور جن کی لاشیں دنیا میں ضائع ہو جاتی ہیں ان سب کو اللہ پاک کسی جگہ ٹھہراتا ہے اور جس جگہ ٹھہراتا ہے وہی ان کی قبر ہے۔ کیونکہ قبر کے معنی زمین کا گڑھا اور مٹی کا ڈھیر نہیں بلکہ عربی زبان میں میت کے ٹھہرنے کی جگہ کا نام قبر ہے۔ مفردات امام راغب میں ہے ”القبر مقر الميت“ مرنے والے کی رہائش گاہ کا نام قبر ہے۔ اگر قبر سے مراد صرف زمین کا گڑھا اور مٹی کا ڈھیر ہو تو قرآن مجید کی بہت سی آیات کا مفہوم بیان کرنا مشکل ہو جائے گا“۔ (ایضاً صفحہ ۱۱۰)

”لیکن اس لفظ ”قبر“ سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں ہے“۔

(سیرۃ النبی ﷺ، از علامہ شبلی نعمانی و علامہ سید سلیمان ندوی، جلد ۴، صفحہ ۳۶۰)

”بعض حدیثوں میں آنحضرت صلعم سے ان مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدات و مسموعات کا تذکرہ ہے تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک جو مردوں کو گاڑتی ہیں اس میت کی یادگار اس دنیا میں اس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے“۔ (ایضاً صفحہ ۳۶۲)

”قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر سے وہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے“۔

(عقائد الاسلام، از محمد ادریس کاندھلوی، حصہ ۱، صفحہ ۵۸)

”ان احادیث میں، اور جن میں کہ قبر کے اندر ثواب و عذاب ثابت ہے کچھ مخالفت نہیں، کیونکہ جب ثابت ہوا کہ قبر سے خاص وہ گڑھا مراد نہیں کہ جس میں جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ خواہ کوئی پانی میں غرق ہو خواہ آگ میں جل جائے تو اس کی وہی قبر ہے“۔ (حقانی عقائد الاسلام، از عبدالحق دہلوی، صفحہ ۱۶۹)

”کیا معنی کہ قبر سے مراد یہ محسوس گڑھا نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کو بھیڑیا کھا گیا یا کوئی سمندر میں غرق ہو گیا یوں اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لیے اس کو چاہیے کہ قبر کا عذاب نہ ہو لیکن اب اشکال نہ رہا۔ کیونکہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہو جائے گا۔ اشکال تو جب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر“۔ (اشرف الجواب، از اشرف علی تھانوی، صفحہ ۱۵۸)

”نیز اگر قبر کے معنی گڑھے کے کریں تو بہت سی احادیث صحیحہ کا انکار لازم آئے گا یا کہنا پڑے گا کہ کافر اور مرتد بھی عذاب قبر سے محفوظ ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوگی کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں جسے لوگ اپنے ہاتھوں سے کسیوں کے ذریعے کھود کر اس میں میت کو دفن کرتے ہیں بلکہ قبر کسی اور چیز کا نام ہے جہاں جزا و سزا ہوتی ہے۔ ہاں اس گڑھے کو عرفی قبر کہتے ہیں“۔

(اقوال المرضیہ فی الاحوال البرزخیہ، از محمد حسین نیلوی اشاعتی، صفحہ ۸۵)

”قبر نام صرف اس گڑھے کا ہی نہیں ہے جس میں جسم میت دفن کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ قبر اس عالم کا نام ہے جہاں مرنے کے بعد انسان کا قیام قیامت تک رہے گا۔ اس لیے کوئی میت خواہ قبر میں دفن کر دی جائے یا پانی میں غرق کر دی جائے یا آگ میں جلا کر اس کے اجزا منتشر کر دیے جائیں یا صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ ہم خواہ اپنی آنکھوں سے عذاب یا ثواب برزخ کا مشاہدہ نہ کر سکیں مگر حقیقت یہ ہے کہ میت مرنے کے بعد خواہ کسی حالت میں کیوں نہ ہو عذاب و ثواب میں ضرور مبتلا ہوگی۔ جب ہم اپنے عالم شہادت کی بہت سی چیزیں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر سکتے اور مشاہدہ نہ کر سکنے کے باوجود اس کے وجود کے قائل ہیں تو برزخ تو ایک عالم ہی

دوسرا ہے۔ اس کا حال اگر ہمیں نظر نہ آئے تو اس سے یہ لازم نہیں کہ ہم اس عالم کے وجود ہی سے سراسر انکار کر دیں یا اس کے عذاب و ثواب سے منکر بن جائیں''۔

(موت کے بعد کیا ہوگا؟ از علامہ شبیر حسن چشتی بریلوی، صفحہ ۹۲، ۹۳)

''مرحوم علامہ مجلسی فرمایا کرتے تھے احادیث کی ایک قسم ہے جس میں قبر کا نام لیا گیا ہے وہاں قبر سے مراد عالم برزخ ہے نہ کہ قبر جسمانی۔ اور یہ کہ جو روایت میں آیا ہے کہ خداوند عالم قبر مومن کو وسعت دیتا ہے اس سے برزخ کا عالم روحانی مراد ہے۔ قبر کی تاریکی و روشنی جسمانی نہیں ہے''۔

(برزخ، از آیت اللہ العظمٰی سید عبدالحسین اہل تشیع، صفحہ ۱۲۶)

مروجہ مسالک کے کچھ افراد کی کتابوں کے چند اقتباسات صرف حوالتاً پیش کیے گئے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ''برزخی قبر'' ہماری اختراع نہیں بلکہ یہ مسلک پرست بھی اس کے قائل ہیں ورنہ ہماری ساری بحث تو محض کتاب اللہ کی بنیاد پر ہے۔

کیا یہ زمینی قبر آخرت کی پہلی منزل ہے؟

اپنے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ مسلک پرست ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ عثمان ؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ:

''قبر آخرت کی سیڑھیوں میں سے پہلی سیڑھی ہے جو اس سے بچ نکل گیا وہ پھر آگے نہیں بچ سکتا اور جو یہاں کامیاب ہو گیا پہلے زینے پر اس نے قدم جما دیا اور ثابت قدم ہو گیا اب وہ کامیابی سے چلتا چلا جائے گا''۔

(پہلا زینہ، از قاری خلیل الرحمٰن اہلحدیث، صفحہ ۱۹)

کتاب الزہد میں فظاعۃ القبر کے باب کے تحت یہ روایت نقل کر کے خود امام ترمذی نے اس کی غرابت کو تسلیم کیا ہے جسے انہوں نے ہشام بن یوسف کے علاوہ کسی سے نہیں سنا۔ مزید یہ کہ اس کے ایک راوی عبداللہ بن بحیر ابو وائل القاص الصنعانی پر محدثین نے جرح کی ہے جو قصہ گو کے لقب سے جانا جاتا تھا اور عجیب و غریب باتیں بیان کرتا تھا۔ ابن حبان نے اس کو ضعیف کہا ہے اور بتایا ہے کہ یہ عجائبات کو ایسے بیان کرتا جیسے اس کا معمول ہو، جس سے حجت پکڑنا جائز نہیں: اور یہ عبداللہ بن بحیر بن ریسان نہیں ہے جو ثقہ ہے (تہذیب التہذیب: جلد ۵، صفحہ ۱۵۲ / میزان الاعتدال: جلد ۲، صفحہ ۳۹۵)۔ مجروح راوی کی ایک غریب روایت کو قرآن و احادیث صحیحہ کے مقابلے میں پیش کرنا ان نام نہاد اہلحدیثوں کو ہی شایاں ہے۔ لیکن یہ غریب اور مجروح روایت بھی ان کے کسی کام کی نہیں بلکہ یہ خود انہی کے عقیدے کو باطل ٹھہراتی ہے۔ قرآن میں ہے:

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ''پھر اسے موت دی اور قبر دی''

یہی بات اس روایت میں بھی ملتی ہے کہ ہر مرنے والے کی اگلی اور پہلی منزل ''قبر'' ہے۔ اس ''قبر'' سے کون سا مقام مراد ہے، یہ بات قرآن و حدیث کے حوالے سے تفصیلاً بیان کی جا چکی ہے۔ اس روایت کے وہ معنی جو یہ اہلحدیث بیان کرنا چاہتے ہیں، کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتے کیونکہ اس روایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ صرف دفن کیے جانے والوں کی پہلی منزل قبر ہے بلکہ یہ بات ہر انسان کے لیے بیان کی گئی ہے خواہ یہ ارضی عرفی قبر اسے ملے یا نہیں۔ ورنہ قوم نوح کی پہلی منزل کون سی ہے؟ آل فرعون کی پہلی منزل کون سی ہے؟ ہندوؤں، پارسیوں، بدھوں، سوشلسٹوں و کمیونسٹوں کی پہلی منزل کون سی ہے؟ ۔۔۔ جو کچھ قرآن کی مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا تھا، اسی بات کی تصدیق یہ روایت بھی کرتی ہے۔ اور یہ کونسا مقام ہے، اس کی وضاحت صلوٰۃ الکسوف والی روایت میں ہو گئی کہ

فیؤتی احدکم ''تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا''

یعنی وہی مقام جہاں ہر شخص مرنے کے بعد لایا جاتا ہے یعنی عالم برزخ، کوئی زمینی گڑھا نہیں۔ ہر انسان کے لیے موت لازمی ہے اور ہر مرنے والے کے لیے قبر لازمی ہے۔

قرآن کی آیت میں زبردستی قبر کا لفظ شامل کرنا

اہلحدیثوں کے ''نامور محقق'' خاکی جان داماتوی کا ایک اور عظیم کارنامہ ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ سے اپنا باطل عقیدہ ثابت کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں:

''ان آیات میں سے صرف ایک آیت سے برزخی قبر کا مفہوم کشید کیا گیا ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (عبس: ۲۱، ۲۲)

''پھر اسے موت دی اور قبر دی پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا''۔

اس سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے اور پھر اسے قبر دیتا ہے اور چونکہ ہر انسان کو یہ معروف قبر نہیں ملتی کیونکہ کوئی جل کر راکھ بن جاتا ہے اور کسی کو جانور کھا کر فضلہ بنا دیتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر انسان کو برزخ میں قبر ملتی ہے اور یہی اس کی اصلی قبر ہے جسے برزخی قبر کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات اس آیت کے سیاق کے خلاف ہے کیونکہ اگلی ہی آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ جب چاہے گا **اس قبر** سے اٹھائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ انسان قیامت کے دن اس زمینی والی قبر ہی سے اٹھایا جائے گا۔ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ (الحج: ۷)

''اور بے شک اللہ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں (قیامت کے دن) اٹھائے گا''۔

(عقیدہ عذاب قبر، صفحہ ۳۶، ۳۷)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء کا ذکر فرمایا ہے کہ

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران: ۷۸)

''ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے، حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا، وہ جان بوجھ کر جھوٹی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں''۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ کی اگلی آیت جس کا معنی موصوف نے حوالہ دیا وہ ہے۔ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ''پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا'' جس کو اپنی استدلال کی

آگے او پر چڑھ کر موصوف یہ عقیدہ کشید کرتے ہیں کہ:

''اگلی ہی آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ جب چاہے گا اس قبر سے اٹھائے گا''

قارئین! مذکورہ آیت آپ کے سامنے ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ اس میں یہ الفاظ ''اس قبر سے اٹھائے گا'' تو سرے سے ہیں ہی نہیں۔ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ سے مراد یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ جب چاہے گا قیامت برپا فرما کر اسے اٹھا دے گا۔ لیکن صرف اپنے باطل عقیدے کے لیے کس عیاری کے ساتھ ''قبر'' کا لفظ آیت کی تشریح میں شامل کر دیا۔ ملاحظہ فرمایا ان نام نہاد اہلحدیثوں کا طرز عمل! اس سے قبل ایک دوسرے اہلحدیث خلیل الرحمٰن کی کتاب ''پہلا زینہ'' کا بھی ہم نے حوالہ دیا تھا کہ کس طرح سورہ انعام کی آیت میں انہوں نے ''قبر'' کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہودی اسی طرح کی حرکتوں کو قرآن میں یہ کہہ کر بتایا گیا ہے کہ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ!

بایں ہمہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف وہی مردے زندہ کیے جائیں گے جو اس زمینی قبر میں دفن کیے جائیں؟ وہ جو اس قبر میں دفن ہی نہیں کیے گئے، کیا وہ نہیں اٹھائے جائیں گے؟ کیا آل فرعون و دیگر عذاب شدہ قومیں نہیں اٹھائی جائیں گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (الانعام: ۳۶)

''رہے مردے، تو اللہ ان کو اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے''۔

یعنی ہر مردہ اٹھایا جائے گا، چاہے اسے یہ زمینی قبر ملے یا نہ ملے، سمندر میں ڈوب کر مرے یا جلا دیا جائے۔ مگر یہ کہنا کہ ''اس قبر سے اٹھائے گا'' محض عیاری و دھوکہ دینا ہے۔

اہلحدیثوں نے قبر کی ایک نئی تشریح کر ڈالی!

ملاحظہ فرمایئے کہ اہلحدیث مفتی داماتوی صاحب اب کس طرح قلابازی کھاتے ہیں:

''.....لیکن ظاہر ہے کہ اس انسان نے اسی زمین میں رہنا ہے اور قیامت کے دن بھی اسی زمین سے اس نے اٹھنا ہے لہٰذا یہی زمین اس کی قبر اور مستقر ٹھہری۔ قرآن کریم میں دو مقامات پر مستودع (جہاں وہ سونپا جائے گا یعنی قبر) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ دیکھئے (الانعام: ۹۸ اور ھود: ۶) بلکہ ایک مقام پر دو ٹوک الفاظ میں فرمایا گیا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝ (المرسلات: ۲۵، ۲۶) ''کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا، زندوں کے لیے بھی اور مردوں کیلئے بھی''۔ معلوم ہوا کہ انسان زندہ ہو یا مردہ اس نے زمین ہی میں رہنا ہے، زندہ اس کی پیٹھ پر زندگی گزارتے ہیں اور مردہ اس کے پیٹ میں رہتے ہیں۔ قبر کی اب اس سے زیادہ وضاحت اور تشریح ممکن نہیں ہے''۔ (عقیدہ عذاب قبر صفحہ ۶۴، ۶۵)

دیکھیے یہ اہلحدیث ہر ہر بات میں کس کس طرح کروٹ بدلتے ہیں، اس کی مثال شاید ہی کہیں ملے۔ انہی موصوف نے اپنی اسی کتاب میں قبر کی تشریح فرمائی تھی:

''وہ گڑھا جس میں مردے کو دفن کرتے ہیں''، ''دفن کرنے کی جگہ''

اور اب فرما رہے ہیں کہ

''قبر کی اب اس سے زیادہ وضاحت اور تشریح ممکن نہیں ہے''۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی عذاب سے ہلاک ہونے والی قوم جس کے لیے کسی نے بھی اس عرفی گڑھے کو نہیں کھودا، تو یہ زمین ان کی قبر کیسے بن گئی کیونکہ ان کی اپنی تشریح کے مطابق قبر صرف اس گڑھے کا نام ہے جسے کھود کر کسی کو اس میں دفنایا جاتا ہے؟ اپنی اسی کتاب میں انہوں نے علمی اردو لغت جامع، فیروز اللغات اردو عربی، سورۃ التوبہ: ۸۴، فاطر: ۲۲، الحج: ۷، الانفطار: ۴، العادیات: ۹، الممتحنہ: ۱۳، عبس: ۲۱، ۲۲، التکاثر: ۲، یٰس: ۵۱، کے حوالے سے بیان فرمایا تھا:

''اس آیت کے علاوہ سورۃ القمر آیت نمبر ۷ اور سورۃ المعارج آیت نمبر ۴۳ میں بھی اجداث کا لفظ آیا ہے۔ اس طرح ان گیارہ مقامات پر قبر کا لفظ اسی معروف قبر کے لیے استعمال ہوا ہے کہ جو زمین میں بنائی جاتی ہے''۔ (عقیدہ عذاب قبر صفحہ ۲۹)

پھر نبی ﷺ کی احادیث پیش کیں کہ ان کو سجدہ گاہ نہ بنایا جائے، قبر پر کوئی عمارت نہ بنائی جائے اور ان کو زمین کے برابر کر دیا جائے۔ ان احادیث کو بنیاد بناتے ہوئے تحریر کیا تھا:

''ان احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ قبروں سے مراد یہی ارضی قبریں ہیں''۔ (ایضاً صفحہ ۲۹)

اب کوئی ان موصوف سے پوچھے کہ ''حضرت'' اس بات کی وضاحت ضرور فرما دیں کہ ''قبر'' کی جو تعریف آپ نے پہلے فرمائی تھی وہ جھوٹ تھی یا اس ''آٹو میٹک قبر'' کا جو بیان اب داغا گیا ہے، یہ جھوٹ ہے؟

جیسا کہ اس سے قبل وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ عرفی ارضی قبریں قبریں ہی ہیں کچھ اور نہیں۔ قرآن و حدیث کے بیان کے مطابق ہم ان کو قبر ہی مانتے ہیں۔ یہ قبر محض ایک مردہ انسان کی لاش کو چھپانے کے لیے ہے اور اس کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ کا ہی بتایا ہوا ہے:

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (المائدۃ: ۳۰، ۳۱)

''آخر کار اس (قابیل) کے نفس نے اپنے بھائی (ہابیل) کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے قتل کر کے ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگا افسوس مجھ پر، میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا، اس کے بعد وہ بہت نادم ہوا''۔

قرآن کی اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ یہ زمینی قبر صرف مردہ لاش کو چھپانے کے لیے ہے۔ قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں کہیں بھی اس دنیاوی زمینی عرفی قبر کو جزا و سزا کا مقام نہیں بیان کیا گیا۔ وہ تو یہ مسلک پرست ہیں کہ قرآن کی معنوی تحریف اور احادیث کی غیر شرعی اور دور از کار تاویلات سے اسی کو یہ مقام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جزا و سزا کا تعلق صرف عالم برزخ سے ہے جس کے لیے اسی برزخی مقام کو قبر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ سورہ عبس کی مذکورہ آیت کا یہ کھلا انکار تو نہیں کر سکتے تھے لہٰذا ماننا پڑا کہ ہر انسان کے لیے قبر کا ملنا لازمی ہے۔ دوسری طرف واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ یہ ارضی قبر ہر انسان کو

نہیں ملتی۔ اب ایک یہ صورت تھی کہ کسی طرح یہ ارضی قبر ہر انسان کو ملنا دکھا دیا جائے۔ اس کے لیے منطقی چالوں اور جس فنی مہارت کی ضرورت تھی وہ ان اہلحدیثوں میں بدرجہ اتم موجود ہے، لہٰذا اب قبر کی کچھ نئی تعریفیں بھی بیان کی جانے لگیں جو اس سے قبل بیان کی گئی قبر کی تعریفوں سے بالکل مختلف ہیں۔ پہلے کھودے جانے والی جگہ قبر تھی، اب اس کے لیے کھودنے کی شرط بھی ختم کر دی گئی۔ یہ کارنامہ بھی ''حضرت علامہ خاکی جان دامانوی صاحب'' کے حصے میں آیا:

''اقبرہ کا مطلب ''اس کو قبر میں رکھوا دیا'' اقبر اقبار سے جس کے معنی قبر میں رکھنے اور رکھوانے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہ ضمیر واحد مذکر غائب ہے (لغات القرآن ج اص ۱۸۲)۔ (عقیدہ عذاب قبر، صفحہ ۴۷)

اب غالباً اقبرہ کے معنی بھی بدل گئے اور قبر میں رکھوائے جانے کی یہ شرط بھی ختم ہوگئی!! الغرض قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ سے جس قبر کی وضاحت کی جا رہی تھی، کیا وہ یہی قبر ہے جو انہوں نے گھڑی ہے؟ کس نے کھودیں یہ قبریں اور کون ان میں دفنایا گیا؟ فرشتے ان سے سوال کرنے کس وقت آئے؟............ ان کے عقیدے کے مطابق تو یہ مردہ لاشیں جوتیوں کی آواز بھی سنتی ہیں تو ان میں دفن ہونے والوں نے کب اور کن کی جوتیوں کی آواز سنی؟ ان کی روحیں کب لوٹائی جاتی ہیں؟ عذاب دینے والا فرشتہ تو گرز لیے کھڑا رہا ہوگا کہ کب یہ مٹی میں مل کر مٹی بنیں، کب ان کی ''آٹومیٹک قبر'' بنے اور کب میں ان کو عذاب دوں! یہ سب کچھ ہو جانے کے باوجود وہ مردے تو پھر بھی بچ نکلے جن کے جسم اس زمین میں گئے ہی نہیں جیسے آل فرعون کیونکہ ان کے دنیاوی جسم تو حنوط کر کے عجائب گھر کی زینت بنا دیے گئے ہیں! اہلحدیث مسلک پرست یقیناً اس بات کی وضاحت فرمائیں گے کہ ان فرعونوں کی قبریں کہاں بنی ہیں؟ کیا ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ کے قانون الٰہی کا ان پر اطلاق نہیں ہوا؟ اس علم کے نفاذ میں کیا کسی ایک کا بھی کوئی استثناء ہے؟

واضح ہوا کہ ان کے اس خود ساختہ عقیدے کی بنیاد محض منطق ہی ہے، ورنہ خود ان کا اپنا لکھا ہوا اس کے برعکس ہے۔ ہم نے ابتداء ہی میں اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ قبر کے بارے میں ان اہلحدیثوں کے عقائد بار بار بدلتے رہتے ہیں، جس کی صرف ایک ہی وجہ ہے، وہ یہ کہ اگر ایک بات قرآن سے ثابت ہوگی تو وہ کبھی بھی نہیں تبدیل ہوگی، لیکن وہ عقائد جن کی بنیاد محض مسلک پرستی ہو تو اسی طرح لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ سورہ الانعام اور ھود میں مُسْتَوْدَعٌ آیا ہے، جس کا مطلب ہے سونپے جانے والی جگہ، اسی طرح سورۂ مرسلات میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والا بنایا ہے، تو یہ سورہ طٰہٰ کی آیت کی ہی تشریح ہے کہ

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ ۵۵)

''اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تم کو نکالیں گے''

مذکورہ آیات میں کسی قبر اور اس میں ملنے والے کسی عذاب یا راحت کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔

موصوف کی مزید خامہ فرسائی ملاحظہ فرمائیں:

''البتہ جو لوگ جل کر راکھ ہو گئے یا فضلہ بن گئے تو وہ بھی آخر کار اپنی زمین والی قبر میں داخل ہو کر رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہو چکا ہے''۔

(عقیدہ عذاب قبر، صفحہ ۸۷)

کیسا کھلا دھوکہ دیا ہے کہ ''قرآن سے ثابت ہو چکا ہے'' حالانکہ قرآن میں ہرگز اس طرح کے کسی مقام کو قبر نہیں کہا گیا بلکہ یہ صرف شیطان کا بہکاوا ہے کہ ان کو ہر چیز قبر دکھائی دے رہی ہے اور وہ بھی قرآن سے ''ثابت''۔ ذرا ہمیں بھی تو کسی سوختہ یا ماکول مردے کی ''زمین والی قبر'' دکھلائیں۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

ایک طرف تو ان مفتی صاحب نے ایک نئی قسم کی قبر کا عقیدہ دیا اور دوسری طرف ایک دوسرے ''مفتی صاحب یوں فرماتے ہیں:

''قاعدہ کلیہ کے طور پر یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ انسان مرنے کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے۔ اگر آل فرعون یا قوم نوح غرق ہو گئے یا اصحاب سبا پر سیلاب آیا یا دنیا بھر کی ایک قوم (ہندو) اپنے مردے کو دفن کرنے کے بجائے جلا دیتی ہے تو یہ سب باتیں مستثنیات میں شمار ہوں گی، اور آج اگر کوئی چاہے تو خود یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ قبر میں دفن ہونے والوں کی تعداد ڈوبنے یا جلنے والوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا عام قاعدہ کے طور پر جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' باقی سب استثنائی صورتیں ہیں''۔

(روح، عذاب قبر اور سماع موتی، از عبدالرحمٰن کیلانی، صفحہ ۳۷)

ملاحظہ فرمایا کہ ایک اہلحدیث آٹومیٹک قبریں بنوا کر اس آیت کی تشریح کر رہا ہے اور دوسرا اہلحدیث اس قبر کے نہ ملنے والے معاملے کو استثنائی صورت بیان کرتا ہے! کاش یہ دونوں اہلحدیث قرآن و حدیث کے دیے ہوئے متفقہ عقیدے کو مان لیتے تو نہ ان کا آپس میں اس طرح تضاد و اختلاف ہوتا اور نہ ہی رسوائی ان کے فرقے کا مقدر بنتی۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ

ان کا یہ کہنا کہ یہ استثنائی معاملہ ہے، کھلا دھوکہ ہے۔ مرنے کے بعد کی جزا و سزا کے جتنے بھی واقعات قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے کسی میں بھی اس ارضی قبر میں جزا و سزا کا تصور نہیں ملتا۔ حیرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سارے کے سارے استثنائی معاملات بیان فرما دیے مگر وہ قاعدہ کلیہ کہیں بھی بیان نہ فرمایا جو آج ان اہلحدیثوں کے ایمان کی بنیاد بنا ہوا ہے!

قاعدہ کلیہ اس بات کو کہتے ہیں جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہو اور استثناء اسے کہا جاتا ہے جو اس قانون سے ہٹ کر قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہو۔ اگر قرآن مجید میں مرنے کے بعد کی جزا و سزا کے بے شمار واقعات بیان کیے گئے ہوتے اور ان میں اسی ارضی قبر میں جزا و سزا کا تصور دیا گیا ہوتا تو وہ ایک قاعدہ کلیہ سمجھا جاتا، اور فی الحال بیان کیے گئے متعدد قوموں کے واقعات پھر استثناء قرار پاتے، لیکن حیرت علم کے ان نام نہاد پہاڑوں اور سمندروں پر ہے کہ صرف یہی چند واقعات ہی تو قرآن میں ملتے ہیں اور انہی کو انہوں نے استثناء قرار دے ڈالا! اس کا مطلب ہوا کہ قرآن میں مرنے کے بعد کی جزا و سزا کا قانون بیان ہی نہیں

کیا گیا، جو کچھ ہے وہ محض استثنائی ہے!

مزید فرماتے ہیں کہ دنیا بھر سے ایک قوم ہندو اپنے مردے جلا دیتی ہے، اور یہ استثناء ہے۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ گنتی کر لی جائے کہ کس کی تعداد زیادہ ہے۔ دراصل یہ فرقہ وارانہ تعصب ہے ورنہ اللہ نے تو ہر چیز کھول کھول کر بیان کر دی ہے۔ اگر یہ قرآن کا کلیہ مان لیں کہ مرنے والے کی روح (عالم برزخ میں) روک دی گئی ہے، اب عذاب و راحت کا معاملہ قیامت تک وہیں ہوگا، تو انہیں ادھر اُدھر بھٹکنے، متضاد باتیں بنانے اور مستثنیات کے چکر میں پھنسنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ان کی علمیت کے دعوے تو بڑے ہیں لیکن نام نہاد اہلحدیث علماء یہ بھی نہیں جانتے کہ اسلام میں کسی بھی چیز کی بنیاد اکثریت و جمہوریت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ طریق کار ہے۔ ہمارا ایمان تو اسی پر ہے۔ لیکن پھر بھی اگر بات شماریات کی ہی ہے تو دنیا کا سب سے بڑا ملک چین ہے جہاں مردوں کو دفنایا نہیں جاتا؛ دوسرے نمبر پر بھارت کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے جو اپنے مردوں کو نذر آتش کر دیتے ہیں؛ سری لنکا، جاپان اور مشرق بعید کے کروڑوں افراد جو بدھ مت کے ماننے والے ہیں، اپنے مردے دفنائے بغیر ٹھکانے لگا دیتے ہیں، پھر کمیونزم و سوشلزم ممالک کے کروڑوں افراد میں بھی تدفین کا طریقہ نہیں...... کیا اتنی بڑی تعداد بھی استثنائی کہلائے گی؟ کیا ان قوموں کے لیے عذاب قبر موخر کر دیا گیا ہے؟ گویا کہ پھنسے تو بے چارے وہی پھنسے جو اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے مردے دفناتے رہے اور وہ صاف چھوٹ گئے جو قبروں سے دور رہے!

کیا نبی ﷺ نے اسی قبر کے لیے واضح یقین دہانی فرمائی ہے؟

رجسٹرڈ جماعت المسلمین والے فرماتے ہیں:

"غور فرمایئے کہ اللہ کے رسولؐ نے صحابہ سے ارشاد نہیں فرمایا "تم دفن تو اس ارضی قبر میں کرنا مردوں کو عذاب کسی فرضی قبر میں ہوتا ہے۔" بلکہ واضح طور پر یقین دہانی کرادی کہ عذاب اسی قبر میں ہوتا ہے جسمیں مردوں کو دفنایا جاتا ہے لیکن ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اور قبر کا ذکر یا اشارہ تک نہیں کیا اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی ایک نے پوچھا کہ ان مردوں کا کیا بنے گا جو دفن نہیں کیے جاتے اور درندے جنکو ترنوالہ بنالیتے ہیں یا جنکو جلا دیا جاتا ہے"۔ (ارضی قبر یا فرضی قبر)

ایسی باتوں کی بنیاد محض جہالت اور قرآن فہمی کی بصیرت سے محرومی ہے۔ کتاب اللہ میں رحمت، دعا اور ادائیگی صلوٰۃ کے لیے ایک ہی لفظ "صلوٰۃ" استعمال ہوا ہے۔ کبھی کسی صحابی ؓ نے یہ نہیں پوچھا کہ یہاں صلوٰۃ کے کونسے معنی ہیں؟ بلکہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی لفظ صلوٰۃ آتا ہے، اس کے نفس مضمون سے اس کے معنی خود واضح ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جہاں کہیں کسی کی تدفین یا قبر پر کسی کام کے منع کرنے کا حکم آتا ہے، تو وہاں اس سے مراد یہ دنیاوی قبریں ہی ہیں، لیکن جہاں کہیں جزا و سزا کی بات بیان کی جاتی ہے تو اس سے مراد عالم برزخ ہی ہوتا ہے جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اب صحابہ ؓ نعوذ باللہ ان رجسٹرڈ جماعت المسلمین والوں کی طرح دین کی بصیرت سے محروم تو نہ تھے کہ قبر کے ہر ہر تذکرے پر سوال کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کونسی قبر ہے؟ ان کے سامنے تو قرآن کے بیان کردہ واضح ثبوت موجود تھے، یہی وجہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے وفات پا جانے والی یہودی عورت پر سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ

"یہ اس پر رو رہے ہیں اور یہ اپنی قبر میں عذاب دی جا رہی ہے"

تو صحابہ ؓ میں سے کسی نے بھی سوال نہیں کیا کہ یہ کونسی قبر ہے کہ ابھی تو یہ دفن بھی نہیں ہوئی اور آپ فرما رہے ہیں کہ یہ اپنی قبر میں عذاب دی جا رہی ہے؟ نبی ﷺ نے اپنے صاحبزادے کے لیے فرمایا کہ

"جنت میں اس کے لیے ایک دودھ پلانے والی ہے"

صحابہ ؓ میں سے کسی نے نہیں پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو انہیں یہاں زمین میں دفن کیا تھا، پھر انہیں جنت میں کیسے جزا دی جا رہی ہے؟ ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا کہ

"تم دفن تو اس ارضی قبر میں کرنا مردوں کو عذاب کسی فرضی قبر میں ہوتا ہے"

قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے طریقے کا انکار اور اپنے خود ساختہ عقیدے کا دفاع ہے۔ اور صحابہ ؓ کے طرز عمل سے بظاہر استدلال کرنا اور اس کو بطور بنیاد پیش کرنا بھی ان کا ایک فریب ہے ورنہ انہیں صحابہ ؓ سے کیا نسبت؟ صحابہ حقیقی مسلم تھے، ان کی طرح محض نام کے نہیں، جو اللہ کی بارگاہ میں مسلم رجسٹرڈ ہوئے تھے، مشرکانہ عقائد رکھنے والے طواغیت کے یہاں نہیں۔

پھر نبی ﷺ سے جھوٹ منسوب کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ:

"بلکہ واضح طور پر یقین دہانی کرادی کہ عذاب اسی قبر میں ہوتا ہے جسمیں مردوں کو دفنایا جاتا ہے"۔

اب کوئی ان سے پوچھے کہ اس دنیاوی قبر میں عذاب و راحت کی یقین دہانی ہے کہاں؟ ذرا کوئی حوالہ تو دیں۔ البتہ عالم برزخ میں اس عذاب و راحت کی زبان نبوت نے بارہا یقین دہانی کرائی۔ ملاحظہ فرمایئے کہ درج ذیل احادیث میں نبی ﷺ نے کتنے واضح انداز میں یہ "یقین دہانیاں" کرائی ہیں:

☆ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر وہاں موجود مشرکین کی قبریں نبی ﷺ کے حکم پر کھود دی گئیں۔ (بخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ)

کیا رسول اللہ ﷺ اس سے بھی بڑھ کر کوئی "یقین دہانی" کرا سکتے تھے؟

☆ اللہ و رسول ﷺ کے دشمن امیہ بن خلف کی لاش جس کے ٹکڑے ہو گئے تھے، یوں ہی زمین پر چھوڑ دی گئی اور اسے قبر میں دفن نہیں کیا۔

(بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب ما لقی النبی ﷺ واصحابه من المشرکین بمکۃ)

☆ مرتد کاتب وحی کی لاش زمین نے دوبارہ دفن کرنے کے باوجود اگل دی، لیکن نبی ﷺ نے دوبارہ اسے قبر میں دفن کرنے کا حکم نہیں دیا۔

(بخاری: کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام، عن انس ؓ)

☆ یہودی عورت اس زمینی قبر میں دفن نہیں ہوئی لیکن نبی ﷺ اس کے لیے قبر میں عذاب میں ہونے کا بیان فرماتے ہیں۔

(بخاری: کتاب الجنائز، باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه)

☆ اپنے صاحبزادے کو زمینی قبر میں دفن کیا اور جنت میں ان کی جزا کا بیان فرمایا۔

(بخاری: کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المسلمین)

بتائیے اور تقی "یقین دہانیاں" کراتے نبی ﷺ اقرآن وحدیث کی اتنی صریح وضاحت کے بعد تو کسی بھی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ

کاش کہ یہ فرقہ پرست اپنی آنکھوں سے فرقہ اور مسلک پرستی کی عینک اتار دیں تاکہ راہ راست پاسکیں۔ سب کچھ دیکھ لینے اور پڑھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی اندھا بنا رہے اور یہی پکارتا رہے کہ

"لیکن ساری زندگی رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی اور قبر کو کوئی کیا اشارہ تک نہیں کیا"

تو اس میں عذاب دینے والے فرشتے کا کیا قصور۔ یہ لوگ اپنے دل کو مطمئن انہی جھوٹی تسلیوں پر کیے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی اور قبر کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا، حالانکہ قرآن وحدیث کا بیان واضح ہے۔ یہ نبی ﷺ کی تعلیمات ہی تھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مُردوں کو دفناتے اسی دنیاوی ارضی قبر میں تھے لیکن اسے عذاب وراحت کا مقام نہیں سمجھتے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ ﷺ جَعَلَ یَتَغَشَّاہُ فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ رضی اللہ عنہا وَاکَرْبَ اَبَاہُ فَقَالَ لَیْسَ عَلٰی اَبِیْکِ کَرْبٌ بَعْدَ ھٰذَا الْیَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ یَا اَبَتَاہُ مَنْ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ نَنْعَاہُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَۃُ رضی اللہ عنہا یَا اَنَسُ رضی اللہ عنہ اَطَابَتْ اَنْفُسُکُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ ﷺ التُّرَابَ

(بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ)

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مرض کی شدت کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں افسوس میرے والد کو کتنی تکلیف ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا آج کے بعد نہیں ہوگی۔ پھر جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے ابا جان! آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے، اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے، ہم جبریل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں۔ اور جب تدفین ہوگئی تو انہوں نے کہا اے انس! تم لوگوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ نبی ﷺ کو مٹی میں چھپا دو"۔

کس قدر وضاحت موجود ہے اس روایت میں کہ ابھی نبی ﷺ کی وفات ہوئی ہے، آپ ﷺ کی میت ابھی سامنے ہی موجود ہے، فاطمہ رضی اللہ عنہا گمان کرتی ہیں کہ ابھی جبریل علیہ السلام کو بھی نبی ﷺ کی وفات کا علم نہ ہوا ہوگا اور عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے بلاوے پر اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے، جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی ﷺ کو وفات کے بعد ملنے والی جزا کا مقام یہ دنیاوی ارضی قبر نہیں بلکہ جنت الفردوس (عالم برزخ) ہے، لہٰذا وہ لوگ غلطی پر ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی ﷺ وفات کے بعد اپنی مدینے والی قبر میں ہی قیام پذیر ہیں اور وہاں پر پڑھا جانے والا درود خود سنتے ہیں، سلام سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں ......

مزید یہ کہ نبی ﷺ نے وفات سے قبل فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

...... اَنِّیْ اَوَّلُ اَھْلِہٖ یَتْبَعُہٗ

"...... کہ میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی"۔

(بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ)

اپنی ازواج سے فرمایا:

اَسْرَعُکُنَّ لَحَاقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا

(مسلم، کتاب فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم، فضائل زینب رضی اللہ عنہا)

"...... تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں (یعنی جو صدقہ وخیرات زیادہ کرنے والی ہو جو کہ زینب رضی اللہ عنہا ثابت ہوئیں)"۔

بتائیے کہ کیا فاطمہ وزینب رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی اس مدینہ والی قبر میں دفن کی گئی ہیں یا وہ جنت (عالم برزخ) میں نبی ﷺ سے ملی ہوں گی۔ اب یہ مسلک پرست جواب دیں کہ اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا عقیدہ تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے نبی ﷺ کے اس فرمان کو روایت کیا ہے، کو کیا معلوم نہیں تھا کہ نبی ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے فرمایا ہے کہ گھر والوں میں سب سے پہلے وہ ان سے ملیں گی؟ اسی طرح زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق مذکورہ فرمان کا بھی ان کو علم تھا۔ اگر (نعوذ باللہ من ذالک) ان کا عقیدہ یہ ہوتا کہ اسی دنیاوی ارضی قبر میں ہی میت کا قیام ہمیشہ رہتا ہے اور یہیں اسے سب کچھ ملتا ہے تو کیا وہ ان کی تدفین نبی ﷺ سے دور کرکے فرمان رسالت کی خلاف ورزی کرنے کی جسارت کرتے؟ قرآن وحدیث کا علم تو ان مسلک پرستوں کو چھو کر نہیں گزرا، محض لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہانک لگا دی کہ

"غور فرمایئے کہ اللہ کے رسول نے صحابہ سے ارشاد نہیں فرمایا "تم دفن تو اس ارضی قبر میں کرنا، مردوں کو عذاب کسی فرضی قبر میں ہوتا ہے"۔

جانور عذاب قبر سنتے ہیں

یہ فرقہ پرست یہودی عورتوں کے آنے اور صلوٰۃ الکسوف کی روایات میں سے ایک روایت جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

اِنَّ اَھْلَ الْقُبُوْرِ یُعَذَّبُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ فَقَالَ: ...... صَدَقَتَا اِنَّھُمْ یُعَذَّبُوْنَ عَذَابًا تَسْمَعُہُ الْبَھَائِمُ کُلُّھَا

(بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر)

"قبر والے اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں، ایسا عذاب جسے جانور سنتے ہیں"

پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عذاب قبر اسی دنیاوی زمینی قبر میں ہوتا ہے۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ پڑھ کر تو یہ گویا پاگل ہی ہو جاتے ہیں کہ ان کا جھوٹا عقیدہ تو اب ثابت ہو ہی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودی عورتوں کی آمد اور صلوٰۃ الکسوف کی روایات عائشہ رضی اللہ عنہا سے چار طرق سے آئی ہیں۔ تین طرق سے آنے والی روایات میں یہ الفاظ نہیں ملتے۔ البتہ مسروق رحمہ اللہ کے طرق سے آنے والی بعض روایات میں مختلف تبدیلیوں کے ساتھ یہ الفاظ ملتے ہیں۔ اس واقعہ کی تمام تر روایات جمع کر لی جائیں تو بھی کسی ایک سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ نبی ﷺ کا اشارہ اسی زمینی قبر کی طرف ہے۔ اگر عذابا تسمعہ البھائم کلھا کی بنیاد پر کوئی عقیدہ بنایا جائے گا تو اس کا تعلق اسی دنیاوی زمینی قبر سے ہوگا

یا پھر اس مقام سے جہاں نبی ﷺ نے یہ عذاب ہوتے ہوئے خود دیکھے؟

ام مبشرہ ؓ کی ایک روایت میں بنو نجار کی زمین پر بنی ہوئی مشرکین کی قبروں سے بھی یہ الفاظ منسوب ہیں۔ اہلحدیث اس حوالے سے مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدا فنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ

"یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تم (اپنے مردوں کو) دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر سنوا دے جیسا کہ میں سنتا ہوں"۔

یہ روایت پیش کر کے مفتی داماٹوی لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ عذاب قبر کے متعلق مزید وضاحت بیان فرمائی کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسے تمام جانور بھی سنتے ہیں اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ جن وانس کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے"۔ (عقیدہ عذاب قبر صفحہ ۳۲)

"اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ میت کو اسی ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی یہ تمنا تھی کہ جس طرح آپ ﷺ عذاب قبر کو سنتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی عذاب قبر کو سنے لیکن پھر اس خوف سے کہ لوگ عذاب سن کر مردے دفن کرنا چھوڑ دیں گے لہٰذا آپ ﷺ نے یہ دعا نہ فرمائی۔ ظاہر ہے کہ مردے اسی ارضی قبر ہی میں دفن ہوتے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے اس تمنا کا اظہار فرمایا"۔ (ایضاً صفحہ ۳۲،۳۳)

ہر معاملہ میں حَکم تو صرف قرآن وحدیث ہے۔ کوئی بھی مسئلہ ہو، اس کے لیے قرآن وحدیث ہی سے رجوع کیا جائے گا کہ یہی حکم ربی ہے (النساء: ۵۹)۔ ایک طرف اللہ کا بیان کردہ طریقہ بالکل واضح ہے مگر دوسری طرف یہ مسلکی لوگ نبی ﷺ کی یہ احادیث پیش کر کے (نعوذ باللہ!) کتاب اللہ کے دیے ہوئے عقیدے کو غلط، اور اپنے گمراہ کن عقیدے کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں! ان کے اس بیان کی وضاحت بھی نبی ﷺ کی حدیث ہی کرے گی، ملاحظہ فرمایئے:

عن انس ؓ قال قدم النبی ﷺ المدینۃ ...... و کان یحب ان یصلی حیث ادرکتہ الصلوۃ و یصلی فی مرابض الغنم و انہ امر ببناء المسجد فارسل الی ملاء بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم ھذا قالوا لا و اللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ فقال انس ؓ فکان فیہ ما اقول لکم قبور المشرکین وفیہ خرب و فیہ نخل فامر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت و بالنخل فقطع فصفوا النخل قبلۃ المسجد وجعلوا عضادتیہ الحجارۃ ...

(بخاری کتاب الصلوۃ باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مساجد)

"انس ؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے ...... آپ پسند کرتے کہ جس جگہ صلوٰۃ کا وقت آ جائے وہیں اسے ادا فرمائیں، اور آپ بکریاں باندھنے کی جگہ بھی صلوٰۃ ادا کر لیتے تھے، اور (جب) آپ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو بنو نجار کے لوگوں کو بلوایا اور فرمایا کہ اے بنو نجار! اپنا یہ باغ تم میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے مگر اللہ عزوجل سے۔ انس ؓ کہتے ہیں کہ اس باغ میں یہ چیزیں تھیں جو میں تم کو بتاتا ہوں: مشرکین کی قبریں تھیں، کچھ کھنڈر تھا اور اس میں کھجور کے درخت تھے۔ پھر نبی ﷺ نے حکم فرمایا تو مشرکین کی قبروں کھود دی گئیں، کھنڈر کو برابر کر دیا گیا اور درختوں کو کاٹ ڈالا گیا اور ان کو مسجد کے قبلے کی طرف نصب کر دیا گیا اور پتھروں سے ان کی بندش کر دی گئی"۔

بنو نجار ہی کی زمین پر واقع ان قبروں کے متعلق روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ کی گھوڑی یا خچر بدکا تو ان قبر والوں کے بارے میں عذاب کی خبر دیتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جانور عذاب سنتے ہیں"۔ اب اسی زمین پر واقع قبروں کے ساتھ نبی ﷺ کے اس عمل نے اس دنیاوی ارضی قبر کی مکمل وضاحت فرما دی کہ یہ قبریں عذاب و راحت کا مقام نہیں، بلکہ ان کی حیثیت محض ایک گڑھے کی ہے جہاں لاش کو چھپانے کے لیے دفن کیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ کو عذاب قبر کے سنائے جانے کے معاملہ کا کوئی تعلق اس ارضی قبر سے نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ نبی ﷺ فرمائیں کہ میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں چلتے دیکھا، میں نے ابو ثمامہ عمرو بن دینار کو جہنم میں اپنی آنتیں کھینچتے دیکھا، میں نے یہودی عورت کو دیکھا جو بلی کو ستانے کے سبب جہنم میں داخل کر دی گئی تھی ...... اور پھر یہ سب دیکھ لینے کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگیں، اور اس کے باوجود اسی زمینی قبر میں عذاب دیے جانے کا عقیدہ دیں! یہ سب باتیں جو نبی ﷺ سے منسوب کی جا رہی ہیں، محض ان کا اپنا اختراع ہے ورنہ نبی ﷺ نے بنو نجار کی زمین پر بنی ہوئی عذاب میں گرفتار مشرکین کی قبریں کھود کر اور وہاں مسجد تعمیر کر کے حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ وہ عذاب انہی قبروں میں نہیں ہو رہا تھا ورنہ ان کی قبریں کھدوا کر ان مشرکین کو برزخی عذاب قبر سے ہرگز نجات نہ دلواتے اور صحابہ ؓ نے بھی اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے اپنے کانوں سے عذاب قبر کو نہیں سنا لیکن نبی ﷺ کے فرمان پر وہ اپنے کانوں کے سننے سے زیادہ یقین کرتے تھے۔ مگر اس یقین آ جانے کے باوجود (جو کہ سن لینے کے بعد آ جانے والے یقین سے کہیں زیادہ تھا)، کسی ایک صحابی نے بھی مردے کو زمین میں دفن کرنا نہ چھوڑا کہ جانتے تھے ترک دفن سے نفس عذاب پر کوئی فرق نہ پڑتا یعنی مردے کو زمینی قبر دی جاتی یا نہیں، حسب انجام عذاب و راحت بہر حال مل کر رہتا۔

ایک واقعہ کا یہاں ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جب ایک اہلحدیث "عالم" کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

"پوری حدیث پڑھو، آگے لکھا ہوا ہے کہ ہڈیاں وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دی گئی تھیں"
(اس کی کیسٹ ہمارے پاس موجود ہے)

یہ جھوٹ انہوں نے اسی وجہ سے بولا کہ ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ہم نے یہ حدیث مکمل بیان کی ہے اس کا کوئی متعلقہ حصہ مخفی نہیں رکھا، اب یہ اہلحدیث اپنے اس جھوٹ کی وضاحت فرمائیں۔

موصوف فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کو عذاب قبر سنایا جاتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ دیگر انسانوں کو بھی یہ سنا دیا جائے لیکن اس وجہ سے یہ دعا نہ فرمائی کہ لوگ کہیں

اس قبر میں اپنے مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دیں۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان دراصل عذابِ قبر کی ہولناکی بیان کرتا ہے، ورنہ قرآن کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ جن کی قبریں نہیں بنتیں وہ بھی عذابِ قبر سے نہیں بچتے۔ انہیں بھی اسی عالم میں عذاب دیا جاتا ہے جہاں اس زمینی قبر میں دفن کیے جانے والوں کو ہوتا ہے۔

خاکی جان کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ساری مخلوق اس عذاب کو سنتی ہے اور اس سے وہ اس زمینی قبر کو ثابت کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شام نبی ﷺ مدینہ سے باہر نکلے تو ایک آواز سنائی دی تو فرمایا کہ یہود اپنی قبروں میں عذاب دیے جاتے ہیں (بخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر)۔ تو یہاں تو قبر کا ذکر ہی نہیں ہے صرف آواز آنے کا بیان ہے۔

اس خرقِ عادت فعل کو زمینی قبر سے مخصوص کرنا فریب کاری کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جس طرح احادیث کے مطابق نبی ﷺ کو ایک دفعہ جہنم میں پھینکے جانے والے پتھر کی آواز سنوائی گئی، آسمان کا ایک خاص دروازہ کھولے جانے کی آواز سنوائی گئی، اسی طرح عالمِ برزخ میں یہود کو دیے جانے والے عذاب کی آواز بھی اسی زمین پر سنوا دی گئی۔ جس طرح جہنم اور آسمان زمین پر واقع نہیں، اسی طرح یہود کو جن قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا، وہ زمینی قبریں نہیں تھیں بلکہ وہ عذاب عالمِ برزخ میں دیا جا رہا تھا جس کی آواز معجزاتی طور پر نبی ﷺ کو سنوائی گئی۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہوا جیسا کہ عالمِ برزخ کے دیگر عذابات نبی ﷺ کو زمین پر ہی رہتے ہوئے دکھا دیے گئے تھے۔ اسی طرح نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ جانور عذابِ قبر کو سنتے ہیں، تو یہ فرمان بھی زمینی قبروں سے متعلق ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد وہی جگہ لی جائے گی جہاں پر اصلاً ایسا واقع ہوتا ہے یعنی عالمِ برزخ۔ ورنہ ایسے کتنے ہی جانور ان زمینی قبروں کے آس پاس گھومتے پھرتے ہیں مگر کوئی بھی نہیں بدکتا جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عذاب ان دنیاوی قبروں میں نہیں دیا جاتا ورنہ اسے سن کر وہ ضرور بدکتے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ساری مخلوق اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اس لیے کہ یہ قرآن میں بیان کی گئی بات ہے۔ اب جب یہ بتایا جائے کہ ساری مخلوق سنتی ہے تو ہم اسی حد تک ایمان رکھتے ہیں جس قدر بیان کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جانور قبرستانوں میں آزادانہ گھوم پھر رہے ہوتے ہیں اور کوئی جانور بدک کر نہیں بھاگتا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ نبی ﷺ کے خچر کا بدکنا محض ایک معجزہ تھا۔

یہاں فرقہ اہلحدیث کے "نامور عالم" خواجہ قاسم صاحب بڑے ہی چراغ پا ہوتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

> "نبی ﷺ مشرکین کی قبروں کے پاس سے گزرے کہ آپ کا خچر بدکا۔ (مسلم)
> اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قبروں کے بیچ میں ضرور کچھ ہوتا ہے مگر عثمانی صاحب اسے معجزہ کہہ کر ٹال گئے (عذابِ برزخ صفحہ ۱۸)
> میں نہیں سمجھ سکا خچر کا بدکنا حضور کا معجزہ کیسے بن گیا اگر یہ معجزہ ہے تو کیا اگلی حدیث بھی معجزہ ہے۔ ارشاد فرمایا جب لوگ جنازہ اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو وہ اگر اچھا ہو تو کہتا ہے مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ سوائے انسان کے سب اس کی آواز سنتے ہیں۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں" (کراچی کا عثمانی مذہب صفحہ ۵۶)

قانونِ عام سے ہٹ کر جو بھی بات کسی نبی کے ہاتھوں ہوتی ہے اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اہلحدیث اس بات کا جواب دیں کہ کیا سارے خچر یا گھوڑے قبروں کے پاس جا کر بدکتے ہیں؟ نبی ﷺ کا خچر ہمیشہ ہی قبر کے پاس جا کر بدکتا تھا یا پھر یہ واقعہ ساری زندگی میں صرف ایک مرتبہ پیش آیا تھا۔ جہنم میں نہ جانے کتنے ہی پتھر ڈالے جاتے ہوں گے، لیکن صرف ایک مرتبہ اس کی آواز نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو سنوائی گئی۔ آسمان کا دروازہ نہ جانے روزانہ کتنی مرتبہ کھلتا ہوگا لیکن صرف ایک مرتبہ اس کی آواز سنوائی گئی۔ خچر روزانہ ہی ان قبروں کے پاس سے گزرتا ہوگا لیکن صرف ایک مرتبہ بدکا اور نبی ﷺ نے یہود کو ان کی قبروں میں عذاب دیے جانے کا بیان فرمایا۔ گویا یہ بات قانونِ عام سے بالاتر تھی۔ انبیاء علیہم السلام پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ وحی معجزہ ہی ہوا کرتی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشة رضي الله عنها ان الحارث بن هشام رضي الله عنه سال رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله كيف ياتيك الوحي فقال رسول الله ﷺ احيانا ياتيني مثل صلصلة الجرس وهو اشده على فيفصم عني وقد وعيت عنه ما قال و احيانا يتمثل لي الملك رجلا فيكلمني فاعي ما يقول قالت عائشة رضي الله عنها ولقد رايته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه وان جبينه ليتفصد عرقا

(بخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ……)

"عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ، آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وحی کبھی میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی صورت میں آتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گزرتی ہے، پھر یہ کیفیت مجھ سے دور ہو جاتی ہے۔ پھر جب فرشتے کا کہا مجھ کو یاد ہو جاتا ہے تو یہ موقوف ہو جاتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے، مجھ سے کلام کرتا ہے، میں اس کا کہا یاد کر لیتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کڑاکے کی سردی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب وحی کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا"۔

اسی طرح بخاری کتاب الصلوۃ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول لائے ہیں کہ

انزل الله على رسوله ﷺ و فخذه على فخذي فثقلت علي حتى خفت ان ترض فخذي

(بخاری، کتاب الصلوۃ، باب ما یذکر فی الفخذ)

"اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی نازل کی تو (اس وقت بیٹھے ہوئے) آپ ﷺ کی ران میری ران پر تھی، وہ اتنی بھاری ہو گئی کہ میں ڈرا کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے۔"

انسان تو انسان، جانوروں تک پر نزولِ وحی کا اثر ہوتا تھا:

عن اسماء بنت يزيد قالت: انى لاخذة بزمام العضباء ناقة رسول الله اذا انزلت عليه المائدة كلها فكادت من ثقلها

تدق بعضد الناقة (مسند احمد: ٦/٤٥٥، حدیث ٢٧٠٢٨)

"اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (حجۃ الوداع میں) جب رسول اللہ ﷺ پر سورۃ المائدہ کی آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ نازل ہوئی تو میں آپ کی اونٹنی عضباء (جس پر نبی ﷺ سوار تھے) کی لگام تھامے ہوئے تھی۔ وحی کی شدت سے لگ رہا تھا کہ اونٹنی کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی۔"

احادیث کا بیان آپ کے سامنے ہے کہ نزول وحی کے وقت نبی ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ اگر آپ کا جسم اس وقت کسی اور کے اوپر ہوتا تھا تو اس اپنی کیفیت بھی متاثر ہوتی تھی۔ نبی ﷺ خچر پر سوار ہیں اور اللہ تعالیٰ وحی نازل فرما رہا ہے کہ یہود اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہیں۔ وحی کے وقت جب نبی ﷺ کی کیفیت متاثر ہو سکتی تھی، اونٹنی بھی اس کا اثر لیتی تھی، تو کیا اس کا اثر اس خچر پر نہیں پڑ سکتا تھا؟ ان لوگوں نے اس واقعے کا رخ اپنے باطل عقیدے کی طرف موڑ دیا، جس کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔ مذکورہ احادیث کے پیش نظر یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ خچر کا بدکنا اسی نزول وحی کی وجہ سے تھا۔

جوتیوں کی چاپ سننے والی روایت

یہ مسلک پرست اپنے باطل عقیدے کے لیے بخاری کی یہ حدیث برہان قاطع کے طور پر پیش کرتے ہیں:

عن النبي ﷺ قال العبد اذا وضع في قبره و تولى و ذهب اصحابه حتى انه ليسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فاقعداه فيقولان له ما كنت تقول في هذا الرجل محمد ﷺ فيقول اشهد انه عبد الله و رسوله فيقال انظر الى مقعدك من النار ابدلك الله به مقعدا من الجنة قال النبي ﷺ فيراهما جميعا و اما الكافر او المنافق فيقول لا ادري كنت اقول ما يقول الناس فيقال لا دريت و لا تليت ثم يضرب بمطرقة من حديد ضربة بين اذنيه فيصيح صيحة يسمعها من يليه الا الثقلين (بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال)

"نبی ﷺ نے فرمایا: بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا گیا اور اس کا معاملہ اختتام کو پہنچ گیا اور اس کے ساتھی چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ یقینی طور ان (فرشتوں) کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے کہ دو فرشتے آ جاتے ہیں اس کو بٹھاتے ہیں اور وہ دونوں اس سے کہتے ہیں کہ تو کیا کہتا تھا اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تجھے جنت کا ٹھکانہ عطا کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ ان دونوں چیزوں کو دیکھتا ہے اور کافر یا منافق کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم، میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے کچھ بات نہ جانی اور نہ جاننے والوں کی پیروی کی پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ایسی ضرب لگائی جاتی ہے اور وہ چیخ مارتا ہے کہ جن و انس کے علاوہ ہر کوئی سنتا ہے"۔

ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "عذاب برزخ" میں اس قسم کی تمام روایات کی قرآن و حدیث کے بیان کردہ متفقہ عقیدے کے تحت تشریح کی ہے اور وہاں انہوں نے اس حدیث کی شروح بھی پیش کیں اور بتایا ہے کہ یہ ادبی انداز میں بیان کی گئی حدیث ہے جس کے بیان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک انسان کا حساب و کتاب کس قدر جلدی شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ فرقہ پرست اس روایت کے الفاظ کوئی لفظ ہو بہو ماننے پر زور دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان فرقہ پرستوں کو امید ہوتی ہے کہ شاید اس کے ذریعے ان کا باطل عقیدہ ثابت ہو جائے۔ قرآن کا اٹل فیصلہ آپ کے سامنے ہے کہ مردہ نہیں سنتا۔ قرآن کے اس فیصلے کو دنیا کی کوئی بات رد نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ کی تاویل قرآن و حدیث کے دیے ہوئے عقیدے کے تحت ہی کی جائے گی۔ اس سے قبل احادیث نبوی ﷺ سے اس بات کی مکمل وضاحت ہو چکی ہے کہ سوال و جواب روح (مع برزخی جسم) سے کیے جاتے ہیں، لہٰذا اس دنیاوی ارضی قبر کا تو کوئی تعلق ہی نہ رہا کہ روح یہاں ہوتی ہی نہیں، نہ ہی قیامت تک لوٹائی جاتی ہے۔

صلوٰۃ الکسوف کی روایت اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے، جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ

"تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا..."

یعنی یہ سوال و جواب صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں ہیں جو اس دنیاوی زمینی قبر میں دفنائے جائیں، بلکہ یہ ہر مرنے والے کے لیے ہیں۔ اب جن کی یہ ارضی قبر بن ہی نہ سکی تو کیا ان سے کوئی سوال و جواب نہ ہوگا؟ یقیناً ہوگا۔ ضرور ہوگا۔ اور اسی مقام پر ہوگا جس کو دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

"...جس چیز کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اس کو آج اسی جگہ دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و جہنم کو بھی۔ اور میری طرف وحی کی گئی کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے دجال کے فتنے کی طرح یا اس کے قریب قریب۔ تم میں سے ہر ایک کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس مردے کے متعلق کیا علم رکھتے ہو..."

یہ مسلک پرست اگر "جوتیوں کی چاپ سننے" والی اس حدیث کو ہی عذاب قبر کی بنیاد سمجھتے ہیں تو پھر بتائیں کہ جن کی یہ دنیاوی زمینی قبریں نہیں بنتیں، وہ جوتیوں کی چاپ کہاں سنتے ہیں؟ کس کی جوتیوں کی چاپ سنتے ہیں؟ کیا ہر قوم کے لیے سوال و جواب کا کوئی علیحدہ علیحدہ طریقہ بیان کیا گیا ہے؟ اگر اس روایت کے الفاظ کے وہی معنی لیے جائیں جو کہ یہ مسلک پرست بیان کرتے ہیں تو پھر تو یہ روایت سارے انسانوں کے لیے ہے ہی نہیں بلکہ صرف انہی کے لیے ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے مردے زمین میں دفن کرتے ہیں ورنہ جو اس کے انکار میں اپنے مردے جلا دیتے، پرندوں کو کھلا دیتے یا کسی اور طریقے سے تلف کر دیتے ہیں، تو سوال و جواب، فرشتوں کی مار سے وہ بچ جاتے ہیں!

اپنے باطل عقیدے کے دفاع میں یہ روایت بھی پیش کی جاتی ہے:

"نبی ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوتے پھر فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو، اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے"۔

(عقیدہ عذاب قبر، از ابو جابر عبداللہ دامانوی، صفحہ ۴۱)

اس روایت میں بھی عبداللہ بن بجیر ہے جس کے متعلق اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ مجروح روایت ناقابل استدلال ہے کیونکہ قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ قرآن مردے کے متعلق بتاتا ہے کہ وہ تن تنہا اللہ کے پاس پہنچتا ہے نیز مرنے والا اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر واپسی کی درخواست کرتا ہے، حدیث بتاتی ہے کہ ہر ایک کو لایا جائے گا اور سوال کیا جائے گا۔ قرآن اور صحیح احادیث کے مقابلے میں کیا یہ مجروح و متصادم، متضاد بات قبول کی جا سکتی ہے!

اہلحدیثوں کے ایمان کی بنیاد حدیث یا اخبارات

مفتی خاکی جان داماندی اپنی اسی "نادرہ نایاب" کتاب میں فرماتے ہیں:

"..... اور جن و انس چونکہ مکلف مخلوق ہے اس لیے ان کو عذاب کا سنانا مصلحت کے خلاف ہے البتہ کبھی کبھی عذاب قبر کی کوئی جھلک اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا بھی دیتا ہے جس کی گواہی اخبارات اکثر دیتے رہتے ہیں"۔ (ایضاً صفحہ ۳۸، ۳۹)

یہ ہے اہلحدیثوں کے ایمان کی بنیاد! قرآن اور حدیث کے بیان کو یہ مانتے نہیں اور اخبارات میں آنے والے جھوٹے واقعات کی بابت فرماتے ہیں کہ یہی عذاب قبر ہے۔ اس سے قبل ان کے کچھ "زریں رقم" بیانات پیش کیے گئے تھے، ذرا ان کی ایک جھلک اور ملاحظہ فرمائیں:

"اور نبی ﷺ کی یہ تمنا تھی کہ جس طرح آپ ﷺ عذاب قبر کو سنتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی عذاب قبر کو سنے لیکن پھر اس خوف سے کہ لوگ عذاب سن کر مردے دفن کرنا چھوڑ دیں گے لہٰذا آپ ﷺ نے یہ دعا نہ فرمائی"۔

(ایضاً صفحہ ۳۲، ۳۳)

"عذاب القبر کا تعلق چونکہ مشاہدے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے۔ اس لیے کہ حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے"۔ (ایضاً صفحہ ۴۰)

ایک طرف کہتے ہیں کہ عذاب القبر کا تعلق مشاہدے سے نہیں، حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے؛ دوسری طرف کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عذاب قبر کی جھلک لوگوں کو دکھا دیتا ہے۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ جن و انس مکلف ہیں ان کو عذاب قبر سنانا مصلحت کے خلاف ہے لیکن دوسری طرف اس کے دکھائے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی اگر عذاب قبر سنوا دیا گیا تو لوگ مردے دفن کرنا چھوڑ دیں گے لیکن اگر دکھا دیا گیا تو اس پر ایمان لے آئیں گے! کیسی ذوالوجہیت ہے! ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ نبی ﷺ کو عذاب قبر سنوایا گیا جو کہ اسی قبر میں ہوتا ہے لیکن صحابہ ؓ کو یہ مصلحتاً نہیں سنوایا گیا کہ کہیں وہ اپنے مرنے والوں کو اس قبر میں دفن کرنا نہ چھوڑ دیں۔ موصوف وضاحت فرمائیں کہ ایک طرف تو ان کا یہ بیان اور دوسری طرف لوگوں نے عذاب قبر دیکھ کر اور دوسروں نے یہ واقعات اخبارات میں پڑھ کر بھی مردوں کو دفن کرنا نہیں چھوڑا! قارئین آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ موصوف نے کتنی "شاندار" کتاب مرتب فرمائی ہے! یقیناً یہ عجوبہ روزگار کتاب کسی عجائب گھر میں رکھے جانے کے قابل ہے، نہ کہ پڑھے جانے کے!

صحابہ کرام ؓ، جن کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے ایک مثال اور نمونہ بتایا ہے (البقرۃ: ۱۳۷)، کا ایمان (نعوذ باللہ!) اتنا مضبوط نہیں تھا کہ جتنا آج کے لوگوں کا ہے کہ انہیں عذاب قبر سنوایا تک نہیں گیا کہ کہیں ڈر کے مارے اپنے مردے دفنانے چھوڑ دیں، اور یہ "عذاب قبر" اپنی آنکھوں سے دیکھ کر، کانوں سے سن کر، اخبارات میں پڑھ کر بھی اپنے مردے دفنانے نہیں چھوڑتے حالانکہ صحابہ کرام ؓ کو آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے سے زیادہ نبی ﷺ کے بتائے ہوئے پر یقین تھا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں، بخوف عذاب قبر نہ سنوایا، نہ دکھایا، لیکن اس دور کا انسان تو بڑے مضبوط "ایمان"، جرأت و ہمت کا مالک ہے کہ لوگ دیکھتے رہیں اخبارات چھاپتے رہیں، لیکن اس کے حواس پر کوئی اثر نہیں ہوتا!

رہیں اخبارات کی یہ گواہیاں، تو جو انہیں لاریب سمجھیں وہی ان پر ایمان بھی لائیں۔ ویسے اخبارات میں اس قسم کی جھوٹی خبریں لگوانے والے بھی انہی مسلک پرستوں کے ہم ذوق ہوا کرتے ہیں جن کا کام اس طرح افواہیں پھیلانا ہوا کرتا ہے۔ قرآن و حدیث اس قسم کے بیانات سے بالکل خالی ہیں۔ البتہ مسلک پرستوں کی کتابوں میں ایسے قصے جا بجا ملیں گے۔ قاری طیب صاحب دیوبندی کی کتاب اس قسم کے بے شمار جھوٹے قصوں سے پُر ہے۔

اہلحدیثوں کے نزدیک نبی ﷺ کی علم کی حیثیت

مفتی داماندی اہلحدیث لکھتے ہیں:

"ان مختلف احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عائشہ صدیقہ ؓ کو پہلی مرتبہ ایک یہودی عورت نے عذاب القبر کے متعلق بتایا لیکن انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی۔ نبی ﷺ نے بھی یہود کو جھوٹا قرار دیا بعد میں آپ ﷺ پر وحی بھیجی گئی اور آپ ﷺ کو عذاب القبر کے بارے میں بتایا گیا۔ اسی دوران سورج کو گہن لگ گیا اور آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ نے اسی دن سورج گہن کی نماز صلوٰۃ الکسوف پڑھائی۔ اور پھر خطبہ دیا۔ اور اس خطبے میں صحابہ کرام کو عذاب القبر کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اور یہ دس ہجری کا واقعہ ہے گویا نبی ﷺ کی زندگی کے واقعات میں سے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ پھر نبی ﷺ ہر نماز کے بعد برابر عذاب القبر سے پناہ مانگتے لگے اور صحابہ کرام کو بھی اس سلسلہ کی دعا سکھائی اور انہیں حکم دیا کہ وہ بھی ہر نماز کے آخر میں عذاب القبر سے پناہ مانگا کریں۔ معراج کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں پیش آیا تھا اور معراج میں آپ ﷺ کو نافرمان انسانوں کو عذاب دینے کے کچھ مشاہدات بھی کرائے گئے تھے جیسا کہ خواب میں آپ ﷺ نے کچھ نافرمانوں کو جنتائے عذاب دیکھا تھا ان واقعات کا تعلق عام عذاب سے ہے خاص عذاب القبر سے نہیں اور یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ عذاب القبر ایک بالکل الگ شے ہے۔ جیسا کہ ان احادیث کے مطالعے سے یہ حقیقت ام نشرح ہوتی ہے معلوم ہوا کہ عذاب القبر اور عذاب جہنم دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے"۔ (عقیدہ عذاب قبر صفحہ ۳۶)

مفتی موصوف نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۱ سے ۲۶ تک قرآن مجید کی مختلف آیات عذاب قبر کے اثبات میں پیش کی ہیں۔ وہاں انہوں نے سورۃ الانعام، المومن، یونس، نوح، الفجر، یٰس کی آیات کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی تفاسیر لکھنے والے اہلحدیثوں نے بھی ان آیات کو عذاب قبر پر دلیل بنایا ہے۔ یہ

ساری سورتیں مکی دور کی ہیں۔ فرقہ اہلحدیث کے عالموں کا علم تو اتنا " کامل " ہے کہ انہیں پتہ ہے کہ ان آیات سے عذاب قبر ثابت ہوتا ہے، لیکن وہ ذات جس کے قلب پر قرآن نازل ہوا، جو اس کی تشریح کے لیے بھیجے گئے تھے، ان کو سالہا سال تک یہ نہیں معلوم تھا کہ عذاب قبر کیا ہے اور ان آیات میں کیا بیان کیا گیا ہے! کتنی بدترین گستاخی ہے شان رسالت میں کہ نبوت کے تیرہ سال مکہ میں گزر گئے لیکن نبی ﷺ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام، المومن، یونس، نوح، الفجر، یٰس کی آیات میں کیا بیان فرمایا ہے! سورۃ ابراہیم بھی مکی سورہ ہے اور اس کی آیت ۲۷: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ قبر میں سوال و جواب ہی کے بارے میں ہے

(بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر / کتاب التفسیر، سورۃ ابراہیم) ۔ ہجرت کے دس سال مدینہ میں گزر گئے، لیکن نبی ﷺ (نعوذ باللہ) عقیدہ عذاب قبر کی بابت کچھ جانتے ہی نہ تھے! بقول ان کے، دس ہجری میں، زندگی کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ الکسوف کے موقع پر نبی ﷺ کو عذاب قبر سے آگاہ فرمایا!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ
(النحل: ۴۴)

"اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (احکام) لوگوں کی طرف نازل ہوئے ہیں، ان کی ان کے لیے وضاحت کردو"۔

اہلحدیث بتائیں کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ بقول ان کے، نبی ﷺ تو ان فرامین کے متعلق لاعلم ہی رہے جو ان مذکورہ آیات میں بیان کیے گئے تھے، تو پھر آپ ﷺ ان کی تشریح و توضیح کس طرح فرماتے ہوں گے؟ کیا سالہا سال تک یہ آیات یونہی بلا معنی تلاوت کی جاتی رہیں! وہ تو بقول ان " کامل علم والوں " کے، "بعد میں آپ پر وحی بھیجی گئی اور آپ کو عذاب القبر کے بارے میں بتایا گیا"!

آپ دیکھیں کہ اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے کیا کیا انداز اپنائے جا رہے ہیں! اللہ کے عذاب سے کیسی بے خوفی ہے! نبی ﷺ سے محبت کے دعوے کی قلعی خود ان کی تحریروں نے اتار دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"عائشہ صدیقہؓ کو پہلی مرتبہ ایک یہودی عورت نے عذاب القبر کے متعلق بتایا لیکن انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود کو جھوٹا قرار دیا"

یعنی (معاذ اللہ!) یہ ایک حتمی بات ہے کہ نبی ﷺ عذاب قبر کا کوئی عقیدہ رکھتے ہی نہیں تھے، اسی لیے جب یہود نے عذاب قبر کی بابت بتایا تو نبی ﷺ نے ان کے اس عقیدے کی وجہ سے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ ایک طرف تو یہ انداز، دوسری طرف انہیں خیال آیا کہ نبی ﷺ کو خواب میں بھی تو عذاب قبر کے مناظر دکھائے گئے تھے، ان کا کیا کیا جائے؟ لہٰذا ہانک لگا دی کہ وہ "عام عذاب" ہے۔ واہ خوب ایمان بنایا ہے حدیث نبوی پر! ایسے ہی حدیث حدیث کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ علامہ صاحب نے نبی ﷺ کے علم کے بارے میں جو بہتان گھڑا ہے، اس کی بنیاد مسند احمد کی یہ روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً كَانَتْ تَخْدُمُهَا فَلَا تَصْنَعُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اِلَيْهَا شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ اِلَّا قَالَتْ لَهَا الْيَهُوْدِيَّةُ وَقَاكِ اللّٰهُ عَذَابَ الْقَبْرِ، قَالَتْ: فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِلْقَبْرِ عَذَابٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: لَا، وَعَمَّ ذَاكِ؟ قَالَتْ: هٰذِهِ الْيَهُوْدِيَّةُ، لَا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ كَذَبَ، لَا عَذَابَ دُوْنَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ......

(مسند احمد: ۶ / ۸۱، حدیث السیدۃ عائشۃ: ۲۳۹۹۹)

"عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودیہ آپ کی خدمت کیا کرتی تھی۔ انہوں نے یہودیہ سے اس کے سوا کوئی بھلائی کی بات نہیں پائی کہ اس نے (ایک دفعہ) ان سے کہا: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا قیامت سے قبل قبر میں بھی عذاب ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم سے کس نے کہا؟ بتایا: اس یہودیہ نے۔ فرمایا: اللہ عزوجل نے جھوٹ نہیں کہا، روز قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں......"

ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریر "موازنہ مسند احمد بن حنبل و صحیح البخاری" میں متعدد مثالوں سے ثابت کیا کہ مسند احمد کی روایات صحیح بخاری کی ضد ہوتی ہیں۔ مذکورہ روایت بھی ایسی ہی ایک مثال ہے کیونکہ بخاری نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً جَاءَتْ تَسْاَلُهَا فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَاَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

(بخاری: کتاب الصلوٰۃ، کتاب الکسوف، باب التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف)

"ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودیہ ان سے مانگنے آئی اور ان کو دعا دی کہ اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا لوگوں کو ان کی قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ مانگتا ہوں"۔

دیگر روایات میں فرمان رسول ﷺ نقل کیا گیا ہے کہ:

نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ: "ہاں عذاب قبر ہے"۔

نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ: "ہاں عذاب قبر برحق ہے"۔

(بخاری: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب قبر)

موصوف نے خود اپنی ایک دوسری کتاب میں اسی سلسلے کی ایک روایت بیان کی ہے:

"عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مدینہ کی دو بوڑھی یہودی عورتیں میرے پاس آئیں اور انہوں نے مجھ سے کہا: ان اهل القبور يعذبون فى قبورهم (بے شک قبر والے اپنی قبروں میں عذاب دیے جاتے ہیں) عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے ان کی اس بات کو جھٹلا دیا اور اچھا نہیں سمجھا کہ ان کی تصدیق کروں۔ پس وہ عورتیں چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، میں نے ان عورتوں کا اور ان کی گفتگو کا ذکر کیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صدقتا انهم يعذبون عذابا تسمعه البهائم كلها

"ان دونوں عورتوں نے سچ کہا بے شک وہ (قبروں میں) عذاب دیے جاتے ہیں

کہ جنہیں تمام چوپائے سنتے ہیں"۔

(دعوت قرآن کے نام پر قرآن وحدیث سے انحراف، صفحہ ۱۰۹)

ملاحظہ فرمایا موصوف کا دو غلا پن! جب اپنا باطل عقیدہ ثابت کرنا تھا تو نبی ﷺ کی اس حدیث کو بنیاد بنا لیا، اور جب دل نے اس بات کی ٹھانی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ سالہا سال تک عذاب قبر کے بارے میں نبی ﷺ کو کوئی علم ہی نہ تھا، تو صحیحین بلکہ صحاح ستہ کی روایات کی مخالف روایت کو بنیاد بنا کر وہ لکھ گئے جس کا تصور یہود ونصاریٰ بھی نہیں کر سکتے! ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں مسلک پرستوں کے اعتراضات اور ان کی وضاحت

چونکہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری کی حدیث جس میں نبی ﷺ کو انسانوں کی موت کے بعد سے قیامت کے دن تک ہونے والے عذاب (عذاب قبر) اور مومنوں اور شہداء کو قیامت تک عطا ہونے والی راحتیں دکھائی گئیں اور آپ ﷺ کو وفات کے بعد ملنے والا آپ کا اپنا مقام بھی دکھایا گیا، ان مسلک پرستوں کے عقائد کو مکمل طور پر باطل قرار دیتی ہے، اس لیے اس حدیث سے جان چھڑانے کے لیے بھی لوگوں کو بہکایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان سے زبانی گفتگو اور ان مسالک کی مختلف کتب کے مطالعے سے ان کے یہ اعتراضات سامنے آئے کہ:

ا۔ یہ محض ایک خواب تھا اور حقیقت میں ویسا ہی نہیں ہوتا جیسا کہ دیکھا جاتا ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں لیکن انہوں نے ذبح نہیں کیا بلکہ صرف اسے لٹا دیا تھا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ سورج چاند اور ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں لیکن ان کو انسانوں نے سجدہ کیا۔ اسی طرح بہت سے خوابوں میں جو دیکھا گیا بالکل وہی نہیں ہوا بلکہ نبی ﷺ نے ان کی تعبیر فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام کے خواب

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

اوّل ما بُدیءَ بہ رسُولُ اللہ ﷺ من الوحی الرُّؤیا الصّالحۃُ فی النّوم فکان لا یری رُؤیا الا جاءَ تْ مثل فلق الصُّبح

(بخاری، کتاب الوحی، باب کیف کان ... من بعدہ)

"پہلے پہلے وحی جو رسول اللہ ﷺ پر اترنی شروع ہوئی، وہ اچھے اچھے خواب تھے جو بحالت نیند آپ ﷺ دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب بھی آپ ﷺ خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا"۔

قرآن مجید میں نبی ﷺ کو دکھائے گئے ایک خواب کے لیے فرمایا گیا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ ۝ (الفتح: ۲۷)

"فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا اگر اللہ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا، وہ اس بات کو جانتا تھا جس کو تم نہیں جانتے تھے اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے قبل اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی"۔

اسی طرح احادیث میں نبی ﷺ کے اور بھی کئی خوابوں کا تذکرہ ملتا ہے جن کی تعبیر بعینہ دیکھے گئے کے مطابق تھی:

عن عائشۃ قالتْ قال رسُولُ اللہ ﷺ اُرِیْتُکِ فی المنام مرّتین اذا رجلٌ یحملُکِ فی سرقۃ من حریرٍ فیقولُ ھذہ امرأتُکَ فاکشفُھا فاذا ھی انْتِ فاقولُ ان یکن ھذا من عند اللہ یُمْضہ (بخاری، کتاب تعبیر الرویاء، باب کشف المراۃ فی المنام)

"عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دو مرتبہ تمہیں دیکھا کہ ایک شخص ریشمی کپڑے میں تمہیں اٹھائے ہوئے کہہ رہا تھا کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ میں نے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو تم تھیں۔ پس میں نے کہا کہ اگر اللہ کی یہی مرضی ہے تو ضرور پوری ہو گی"۔

کیا عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجیت میں نہیں آئیں؟

عن النّبیّ ﷺ قال رأیتُ فی المنام انّی اُھاجرُ من مکّۃ الی ارضٍ بھا نخلٌ فذھب وھلی الی انّھا الیمامۃ او الھجر فاذا ھی المدینۃُ یثربُ .... (ایضاً باب اذا رای بقرا تنحر)

"نبی ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ اس زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجور کے درخت ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ کی زمین تھی جس کا نام یثرب ہے"۔

کیا نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی؟

نبی ﷺ نے لیلۃ القدر کے لیے فرمایا:

انّی رأیتُ انّی اسْجُدُ فی ماءٍ و طینٍ .... وما نری فی السّماءِ قزعۃً فجاءَ تْ سحابۃٌ فمطرتْ حتّی سال سقفُ المسجد و کان من جریدِ النّخل و اُقیمت الصّلٰوۃُ فرأیتُ رسُولَ اللہ ﷺ یسجُدُ فی الماءِ و الطّین حتّی رأیتُ اثر الطّین فی جبھتہ (بخاری، کتاب الصوم، باب التماس لیلۃ القدر)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں"۔

(حدیث کے راوی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں): "آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یکایک ابر آیا اور بارش ہونے لگی یہاں تک کہ مسجد کی چھت جو کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھی، ٹپکنے لگی اور صلوٰۃ ادا کی گئی تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ نبی ﷺ کی پیشانی پر مجھے کیچڑ کا اثر دکھائی دیا"۔

نبی ﷺ نے خواب میں دیکھا اور فرمایا:

ناسٌ من اُمّتی یرکبُوْنَ البحر الاخضر فی سبیل اللہ

(بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب غزو المراۃ فی البحر)

"میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) سمندر میں سوار ہوں گے"۔

نبی ﷺ کا یہ خواب بھی جیسا دیکھا گیا ویسا ہی ظاہر ہوا۔

ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا تذکرہ قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲-۱۱۰)

''جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا بیٹا خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ آخر کار جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی اے ابراہیم تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اسے چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔''

قرآن و حدیث سے اختلاف ان مسلک پرستوں کا ذوق ہے۔ اپنے اکابرین کے عقائد کے دفاع میں نصوص کے خلاف تاویل کرنے میں بڑے ہی بے باک ہیں۔ کہتے ہیں کہ خواب ہو بہو اسی طرح کا نہیں ہوتا بلکہ ملتا جلتا ہوتا ہے۔ یعنی نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں پر جو وحی کرتا ہے بالکل ویسی ہی نہیں ہوتی۔ کس قدر سچے ہوتے تھے نبی ﷺ کے خواب کہ کیچڑ میں سجدہ کرتے ہوئے دکھایا ہے اور دور دور تک بادل کا نام و نشان تک نہیں تھا لیکن یکا یک بادل آتا ہے اور بارش ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ خواہ کتنی بڑی بڑی جسارتیں کرتے رہیں، ہمارے لیے قرآن میں کی گئی اللہ کی تصدیق کافی ہے کہ ''اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا''۔

اوپر بیان کی گئی آیات نے وضاحت فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا ذبح ہونا مطلوب نہیں تھا بلکہ یہ ان کی آزمائش کی گئی تھی کہ وہ اللہ کے حکم پر کس قدر عمل کرنے والے ہیں۔ ان کے بیٹے نے بھی یہ نہیں کہا کہ اے والد صاحب! جو کچھ خواب میں دیکھا جائے، وہی کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس سے ملتا جلتا ہوتا ہے، لہٰذا اس خواب کا مطلب محض یہ ہے کہ آپ کوئی چیز اللہ کی راہ میں قربان کریں گے؛ بلکہ انھوں نے فرمایا کہ اے میرے والد! آپ وہی کریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے اور وحی کی ہی ایک صورت ہوتے ہیں، اسی لیے اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کیجیے۔

صحیح بخاری، کتاب تعبیر الرؤیا، کے مختلف ابواب میں نبی ﷺ کے کچھ خواب ایسے بھی مروی ہیں جن کی آپ ﷺ نے تعبیر بیان فرمائی ہے۔ مثلاً:

☆ دودھ کا پیالہ پیتے دیکھا اور اس کی تعبیر ''علم'' فرمائی۔
☆ اسی طرح قمیص گھسٹتی ہوئی دیکھی اور اس کی تعبیر ''دین'' بتائی۔
☆ پریشان عورت کا خواب میں جانا دیکھا تو اس کی تعبیر وبا کا ختم ہونا بیان فرمایا؛
☆ چشمہ دیکھ کر اس کو مرحوم صحابی کا عمل بتایا؛
☆ کنویں سے پانی کھینچتا دیکھا اور اسے دین کی خدمت قرار دیا؛
☆ گائے ذبح ہوتے دیکھی تو اس کی تعبیر صحابہ کا احد میں شہید ہونا بتائی؛
☆ حلقہ تھامے دیکھا تو اس کی تعبیر اسلام پر خاتمہ بتایا ....

اسی طرح یوسف علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا اس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا (یوسف: ۱۰۰)

''اس نے والدین کو اٹھا کر تخت پر بٹھایا اور سب اس کے آگے سجدے میں جھک گئے۔ یوسف نے کہا ابا جان یہ تعبیر ہے اس خواب کی جو میں نے دیکھا تھا میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا''۔

انبیاء علیہم السلام کو خواب کے ذریعے مستقبل میں ہونے والے واقعات سے بھی آگاہ کیا جاتا تھا اور حال کی بھی خبر دی جاتی تھی اور اسی طرح احکامات بھی دیے جاتے تھے۔ خواب کی تعبیر کوئی نبی علیہ السلام ہی بتا سکتے تھے، کوئی اور اس کی تعبیر نہیں بتا سکتا۔ یہ غیب کا معاملہ ہوتا ہے جو اللہ کے نبی علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بتایا جاتا تھا۔ کوئی اور اس کی تاویل کرنے کی جسارت بھی نہیں کر سکتا (محض قیاس آرائی کرتے ہیں)۔ نبی علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام نے خود ہی ایسے دیکھے گئے خوابوں کی تعبیر اور وضاحت فرما دی کہ اس سے مراد یہ معاملہ ہے تو اس بارے میں تو کوئی دوسری بات کہنا ہی گمراہی ہے لیکن اگر انھوں نے اپنے کسی خواب کے متعلق بیان ہی نہیں کیا کہ اس سے مراد فلاں معاملہ ہے تو اسے جوں کا توں مان لینا ہی ایمان ہے۔

ان مسلک پرستوں کا نبی ﷺ کے خواب کی اپنی طرف سے یہ تاویل کرنا کہ اس سے مراد وہ نہیں جو دیکھا گیا ہے، بلکہ کچھ اور ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔ ایسا کہنے والا انبیاء کے خوابوں کے وحی ہونے کا منکر یا نبوت کا دعویدار ہے۔ اہل حدیث مفتیان ہی ایسی جسارت کر سکتے ہیں، کسی دوسرے میں تو شاید اس کا یارا نہ ہو!

۲۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خواب میں نبی ﷺ کو عمر رضی اللہ عنہ کا محل دکھایا گیا جبکہ وہ ابھی زمین پر ہی زندہ تھے، اسی طرح رمیصاء رضی اللہ عنہا کو جنت میں دکھایا گیا اور بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آواز سنائی گئی۔ گویا کہ اس کی تعبیر دکھائے جانے والے سے مختلف تھی۔

وضاحت:

ایک کم فہم شخص بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جب تینوں زندہ ہیں تو ان کو جنت میں دکھایا جانا یا ان کا محل دکھایا جانا محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لیے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی حقیقت کی بشارت ہے۔ اور یہ کہنا کہ یہ خواب بھی ہو بہو ویسا نہیں ہوا جیسا دیکھا گیا تھا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ان افراد کی موت کے بعد ایسا ہی ہوا ہوگا جیسا نبی ﷺ کو

دکھایا گیا تھا۔

۳۔ اس حدیث کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمر، بلال اور رمیصا ؓ ابھی زمین پر زندہ تھے تو اس کا مطلب ہے کہ خواب میں کوئی عارضی یا تمثیلی جسم بنا کر دکھائے گئے اسی طرح سمرۃ بن جندب ؓ والی حدیث میں دکھائے گئے جسم تمثیلی و عارضی تھے اور یہ کہ اس حدیث میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے بعد جھوٹے کو کیسے عذاب ہوگا، سود خوار کو کیا عذاب ملے گا۔

وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خواب میں وہ مناظر دکھائے جب یہ لوگ اپنی وفات کے بعد جنت میں داخل کر دیے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سمندری سفر کرنے والوں کو دکھا دیا جبکہ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ یہ سب مبشرات ہیں جو بخاری کی کتاب التعبیر کی روایات سے ثابت ہیں اور جن پر ایمان لازم ہے کہ آئندہ ایسا ہی ہونے والا ہے جبکہ وفات شدہ لوگوں کے جو واقعات دکھائے گئے، وہ تو حقائق ہیں: کہا گیا کہ قیامت تک ایسا ہوتا رہے گا۔ یہ نبی ﷺ کا قول ہے، معاذ اللہ کسی کذاب نجومی کا نہیں! اس حدیث کو بنیاد بنا کر یہ لوگ سمرۃ بن جندب ؓ والی حدیث کے بارے میں کسی کو کیسے گمراہ کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں دکھائے جانے والے افراد فوت شدہ ہیں جیسا کہ فرشتوں نے کہا:

”وہ شخص جھوٹا تھا جھوٹی باتیں بیان کرتا تھا اور اس بات کو لوگ لے اڑتے تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا چرچا ہوتا تھا“، ”یہ وہ شخص تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ راتوں کو قرآن سے غافل سوتا رہا اور دن میں اس کے مطابق عمل نہ کیا“، ”وہ زنا کار تھے، وہ سود خور تھا، اسی طرح بتایا گیا کہ وہ ابراہیم ؑ تھے، یہ شہداء کے گھر ہیں۔

بتائیے یہ افراد جن کو اس وقت عذاب دیا جا رہا تھا، کیا اس دنیا میں زندہ تھے یا دنیا سے جانے کے بعد یہ عذاب ہو رہا تھا؟ اسی طرح جزا پانے والوں میں ابراہیم ؑ، مومنین اور شہداء تھے۔ کیا ابراہیم ؑ اور شہداء بھی اس وقت دنیا میں زندہ تھے؟ دراصل یہ مقام تو ہے ہی موت سے ہمکنار ہو جانے والوں کا۔ جب نبی ﷺ نے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ

”مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں“

تو فرشتے جواب دیتے ہیں

”ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا ہے جب آپ اس کو پورا کریں گے تو اپنے اسی گھر میں آ جائیں گے“۔

معلوم ہوا کہ یہ مقام بھی فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور ملنے والی جزا و سزا بھی فرضی نہیں دکھائی جا رہی بلکہ حقیقی ہے جیسا کہ فرشتوں نے کہا:

يُفْعَلُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

”یہ اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا“۔

مزید یہ کہ نبی ﷺ نے صرف خواب میں ہی عذاب قبر ہوتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ صلوٰۃ الکسوف کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اس قسم کے عذاب کے مناظر دیکھے۔ اسی طرح دیگر احادیث میں بھی فوت شدہ افراد کے لیے جزا و سزا کا بیان ہوا ہے۔ اس پر بھی یہ کہنا کہ یہ سب جو دکھایا گیا ہے وہ قیامت کے بعد کے عذاب ہیں کہ جھوٹے کو ایسے عذاب ہوگا اور زنا کاروں کو اس طرح، محض فریب کاری ہے۔ فرشتے نبی ﷺ سے کہہ رہے ہیں کہ ”یہ اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا“ اور یہی بات نبی ﷺ نے بیان فرمائی کہ یہ عذاب اس کو قیامت تک ہوتا رہے گا۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ دعویٰ تو نبی ﷺ کے امتی ہونے کا کرتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی بات کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عذاب قیامت کے دن سے شروع ہوگا! کس قدر تضاد ہے! بتائیے اسے ایمان کہا جائے یا کفر؟ پھر ان کا یہ بھی کہنا کہ

”جیسا دیکھا جاتا ہے بالکل ویسا ہی نہیں ہوتا بلکہ ملتا جلتا ہوتا ہے“

یہ ان کو کس نے بتایا؟ کیا نبی ﷺ نے ایسا فرمایا ہے؟ اور ”ملتا جلتا ہوگا“ سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا عمر ؓ کو محل نہیں ملے گا کچھ اور ملے گا؟ کیا بلال ؓ جنت میں قدموں پر نہیں چلیں گے؟ کیا جھوٹے شخص کا منہ نہیں ناک چیری جائے گی؟

۴۔ کمال عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”یہ بات بھی واضح ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کو جہاں مختلف مناظر دکھائے گئے، وہ بیت المقدس ہی کی سرزمین تھی نہ کہ کوئی اور مقام کیونکہ حدیث میں مقام ارض مقدسہ کا لفظ آیا ہے اور شارحین نے ارض مقدسہ سے مراد بیت المقدس لی ہے (حاشیہ بخاری مجمع البحار) (عذاب القبر، صفحہ ۲۹)

وضاحت:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب اللہ سے ڈرنے والے جنت میں داخل کیے جائیں گے تو کہیں گے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ (الزمر: ۷۴)

”اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا، ہم جنت میں جس جگہ چاہیں رہیں“۔

قرآن کی آیت نے وضاحت کر دی کہ جنت کی زمین کو بھی ”ارض“ کہا گیا ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان سب فرقوں کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ مدینہ والی قبر میں زندہ ہیں جبکہ اس حدیث میں نبی ﷺ کو اپنا مقام دکھایا گیا اور فرشتوں نے بھی کہا کہ آپ ﷺ اپنی دنیاوی زندگی پوری کر کے اپنے اس مقام میں آ جائیں گے۔ عالم برزخ کے بجائے یہ مسلک پرست اگر ارض مقدس سے مراد بیت المقدس لیتے ہیں تو پھر نبی ﷺ کو مدینہ والی قبر کی بجائے بیت المقدس میں زندہ کیوں نہیں مانتے؟ ملاحظہ فرمایا ان کے عقائد کا تضاد!

اسی طرح ان مسلک پرستوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص مرنے کے بعد جزا و سزا کا دور اپنی اسی دنیاوی ارضی قبر میں گذارتا ہے جو کہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں جبکہ اس حدیث کی رو سے یہ وہ جگہ ہے جہاں موت سے ہمکنار ہونے والا ہر شخص جاتا ہے اور وہیں اس کو قیامت تک کا یہ دور گذارنا ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ اس جگہ کو عالم برزخ کے بجائے بیت المقدس قرار دیتے ہیں تو پھر ان کا عقیدہ ہونا چاہیے کہ ہر گناہگار شخص مرنے کے بعد اس ارضی قبر کی بجائے بیت المقدس میں

عذاب دیا جاتا ہے۔ پھر یہ عذاب قبر کہاں رہا؟ "عذاب بیت المقدس" بن گیا!

قرآن وحدیث میں انبیاء وشہداء جنتوں میں موجود بیان کیے گئے ہیں اور اس حدیث میں انبیاء وشہداء بھی دکھائے گئے ہیں تو کیا ان کا عقیدہ ہے کہ جنت بھی بیت المقدس میں ہے؟ جب کتاب اللہ کے بجائے منطق کو ایمان کی اساس بنایا جائے تو پھر انسان اسی طرح گمراہ ہو جایا کرتا ہے۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ کیا آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک صرف ایک ہی جھوٹا مرا تھا جو اس کو عذاب دیا جا رہا تھا اور اسی طرح ایک ہی عالم قرآن اور ایک ہی سود خور؟

وضاحت:

یہ لوگ اسے قیامت کے بعد ہونے والا عذاب قرار دیتے ہیں تو کیا ازل سے لے کر ابد تک صرف ایک ہی جھوٹا مرے گا، ایک ہی قرآن کا بے عمل عالم اور ایک ہی سود خور؟

اس حدیث میں تو عذاب کا نمونہ دکھا کر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے، اور یہ کہ موت سے ہمکنار ہوتے ہی اس کی آخرت شروع ہو جاتی ہے جو کچھ دنیا میں کر کے آیا ہے اب اس کے مطابق اس کو جزا وسزا ملنی شروع ہو جاتی ہے اور یہ کہ عالم برزخ کا یہ دور قیامت تک چلے گا۔ ایک ہی رات میں ساری دنیا کے تمام افراد کے عذاب نہیں دکھائے گئے، بلکہ نوعی اعتبار کے محض چند نمونے دکھائے گئے ہیں۔

۶۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہداء کے لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز اڑنے والے جسموں میں ڈال دیا ہے جبکہ اس حدیث میں تو شہداء انسانی روپ میں دکھائے گئے ہیں۔

وضاحت:

صرف غزوہ احد کے شہداء کے لیے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز اڑنے والے جسموں میں ڈال دیا، دنیا کے تمام شہداء کے لیے ایسا نہیں کہا گیا۔ جیسا کہ غزوہ موتہ کے شہداء میں صرف جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے اڑنے والے جسم کا ذکر ہے۔

۷۔ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان ہوں گے لیکن اس حدیث میں تو بچے، جوان اور بوڑھے دکھائے گئے ہیں۔

وضاحت:

دراصل یہ سب جہالت کی باتیں ہیں جن کے ذریعے یہ لوگوں کو صراط مستقیم سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے وہ سارا برزخی دور ہے اور جب قیامت کے بعد لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے تو سب وعدہ سب جوانی کی حالت میں ہوں گے۔ نبی ﷺ نے اپنے فرزند کے لیے فرمایا کہ

"جنت میں ان کے لیے ایک دودھ پلانے والی ہے"

نبی ﷺ کا یہ بیان تو اسی برزخی دور کے لیے ہے ورنہ کیا جنت میں بھی وہ ایک دودھ پیتا بچہ ہوں گے؟ یہ مسلک پرست اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے۔

۸۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں قرآن کے ایک عالم کا عذاب دکھایا گیا ہے جبکہ اس وقت تک تو قرآن نازل ہو رہا تھا پس ثابت ہوا کہ یہ قیامت کے بعد کے عذاب ہیں۔

کمال عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ یہ شخص نبی ﷺ کا امتی ہے کیونکہ قرآن کا عالم تھا اور بے عملی کی وجہ سے اس کو عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ یہ شخص نبی ﷺ کے دور کا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ صحابہ کرام "تو معاذ اللہ اس زمرے میں شامل نہیں کیے جا سکتے۔ یقیناً ایسے "عالم قرآن" بعد ہی کو آئیں گے لیکن نبی ﷺ کو پہلے ہی سے ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا دکھا دیا گیا"۔ (عذاب القبر، صفحہ ۲۹)

وضاحت:

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابیں قرآن ہی تھیں، انہیں بھی قرآن ہی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى ٱلْمُقْتَسِمِينَ ۝ ٱلَّذِينَ جَعَلُوا۟ ٱلْقُرْءَانَ عِضِينَ ۝ (الحجر ۹۰،۹۱)

"یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے جیسی ہم نے ان تفرقہ پردازوں کی طرف بھیجی تھی جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا"۔

بخاری میں روایت ملتی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے:

هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ جَزَّءُوهُ أَجْزَاءً فَآمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ ...... الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى

(بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الحجر، باب قوله الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ― / کتاب مناقب الانصار، باب اتیان الیهود ......)

"وہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہی ہیں جنہوں نے اس (قرآن) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا کہ بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کیا"۔

حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان آتا ہے کہ

خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهِ لِتُسْرَجَ فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ يَعْنِي الْقُرْآنَ

(بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، باب قوله وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا)

"داؤد علیہ السلام پر قرآن کی قرأت اتنی آسان ہوگئی تھی کہ آپ گھوڑا کسے جانے کا حکم دیتے اور اس سے قبل قرآن پڑھ کر فارغ ہو جاتے"۔

معلوم ہوا کہ جس کے متعلق فرشتوں نے بتایا کہ وہ قرآن کا عالم تھا تو وہ گذشتہ کتب آسمانی میں سے کسی کا عالم تھا۔

۹۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انبیاء وشہداء کے لیے کتاب اللہ یہ بیان کرتی ہے کہ وہ جنت میں داخل کر دیے جاتے ہیں لیکن اس حدیث میں تو عام مومن بھی جنت میں دکھائے گئے ہیں اور فاسق جہنم میں۔ اس طرح یہ حدیث کتاب اللہ کے بیان کا انکار کرتی ہے۔

وضاحت:

ستم ظریفی ملاحظہ ہو، کتاب اللہ کی کیسی تشریح کی ہے! شہید تو بغیر سوال و جواب جنت میں جاتا ہے اور صالحین سوال وجواب کے بعد۔ کوئی ان سے پوچھے کہ انبیاء اور صدیقین کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟

دراصل عذاب یا راحت قبر کے معاملے کا تعلق آخرت سے ہے، جو کچھ ایک انسان کو قیامت کے بعد ملنا ہے یہ اسی کا پیش خیمہ ہے۔ ماقبل بیان کردہ قرآنی آیات سے واضح ہے کہ مرتے ہی انسان کی آخرت شروع ہو جاتی ہے، اور وہ جنت یا جہنم (عالم برزخ) میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

۱۰۔ آخر میں کہنے لگتے ہیں کیا اللہ ظالم ہے کہ دوسرے جسموں (یعنی برزخی جسموں) کو سزا دے جنھوں نے یہ قصور ہی نہیں کیے ہوں۔

وضاحت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (النساء: ۵۶)

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا انہیں ہم ضرور آگ میں ڈالیں گے اور جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے کہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں"

نبی ﷺ کی حدیث کے بارے میں شکوک پھیلانے والے یہ لوگ اب جواب دیں کہ نئی بنائی جانے والی ان کھالوں نے کونسے گناہ کیے ہوں گے کہ ان کو جلایا جائے گا؟ مزید ان سے یہ پوچھا جائے کہ شہداء نے زخم کونسے جسموں پر کھائے تھے؟ حمزہ بن عبدالمطلب، انس بن نضر، عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو بن حرام ﷺ کے کونسے جسم گھائل ہوئے تھے؟ انہی مسلک پرستوں کے انداز میں سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں ان جسموں کو نواز دیا جنھوں نے جہاد میں حصہ ہی نہیں لیا تھا؟ قرآن و حدیث کے مقابلے میں عقل کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کا انداز اختیار کریں۔ اس طرح کی قیل و قال کرنا منکروں اور فاسقوں کا وطیرہ ہے، مومنوں کا شیوہ نہیں۔

یہودی عورت والی حدیث

بخاری و دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ:

إِنَّمَا مَرَّ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا

(بخاری کتاب الجنائز، باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه)

"نبی ﷺ ایک (فوت شدہ) یہودی عورت کے پاس سے گذرے۔ اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اسے اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔"

یہ حدیث اس مقام و قبر کی مکمل وضاحت کرتی ہے کہ جہاں ایک فوت شدہ انسان کو جزا و سزا دی جاتی ہے۔ اس صحیح حدیث سے جان چھڑانے کے لیے انہوں نے یہ انداز اختیار کیا ہے کہ لَتُعَذَّبُ کو زمانہ مستقبل سے خاص کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ

"اس کو عذاب دیا جائے گا اس کی قبر میں"

یعنی جب وہ اپنی دنیاوی ارضی قبر میں دفن ہو جائے گی۔

وضاحت:

جس طرح اردو میں ماضی، حال اور مستقبل کے علیحدہ علیحدہ صیغے ہوتے ہیں، اس طرح عربی میں نہیں ہوتا بلکہ صرف فعل ماضی اور فعل مضارع کے صیغے ہوتے ہیں۔ مضارع کے صیغہ میں حال اور مستقبل دونوں زمانوں کے معنی پائے جاتے ہیں، لیکن سیاق و سباق سے صحیح زمانے کا تعین کر لیا جاتا ہے۔ البتہ حروف زائدہ کے ذریعے ان کی بھی تخصیص کر دی جاتی ہے جیسے "س" اور "سوف" لگنے سے فعل مضارع زمانہ مستقبل کے لیے خاص ہو جاتا ہے، مثلاً سَيَفْعَلُ (وہ کرے گا)۔ اسی طرح "ل" لگا کر فعل مضارع کو زمانہ حال کے لیے خاص کر دیا جاتا ہے، مثلاً: لَيَفْعَلُ (وہ کرتا ہے)۔

زیر نظر حدیث کے الفاظ ہیں: اِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَ اِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا "یہ رو رہے ہیں اور اس کو اپنی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے"۔ حدیث میں لَيَبْكُوْنَ اور لَتُعَذَّبُ دونوں فعل مضارع کے صیغے ہیں جو لام لگ کر زمانہ حال سے خاص ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی مستقبل سے خاص نہیں کیا جا سکتا کہ خلاف قواعد ہے۔ عربی گرامر کی اتنی معمولی بات تو مدینہ یونیورسٹی کے "فضلاء" کو ضرور آتی ہو گی۔

انہی مسلک پرستوں کے اشاعتی ادارے دارالسلام کی مطبوعہ بخاری میں لَيَبْكُوْنَ کو بغیر لام کے يَبْكُوْنَ لکھا گیا ہے اور لَتُعَذَّبُ کو اسی طرح رکھا ہے۔ يَبْكُوْنَ (رو رہے ہیں) بھی مضارع کا صیغہ ہے لیکن اس کا ترجمہ یہ لوگ "رو رہے ہوں گے" نہیں کرتے۔ ایک ہی جملے میں دو الفاظ مضارع کے صیغے میں ہیں لیکن کسی "وجہ" سے ایک کا ترجمہ حال میں کر رہے ہیں اور دوسرے کا مستقبل میں۔ اگر اس حدیث کے ان الفاظ کا ترجمہ زمانہ مستقبل میں لیا جائے تو وہ اس طرح ہو گا:

"یہ لوگ اس پر روئیں گے اور اس پر عذاب ہو گا اس کی قبر میں"

ان دونوں صیغوں کا ترجمہ یا تو حال میں ہو گا یا پھر مستقبل میں۔ ایک کا حال میں اور دوسرے کا مستقبل میں کرنا محض اپنے باطل عقیدے کے تحفظ کی ہی کوشش ہے۔ اس حدیث کا درست ترجمہ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے اور یہی ترجمہ کتب احادیث کا ترجمہ کرنے والوں کے تراجم میں لکھا ہوا ہے، اوپر ہم نے صرف ایک ادارے کا حوالہ دیا ہے۔ مگر چونکہ یہ حدیث ان کے جھوٹے عقائد کے خلاف جاتی ہے تو یہ شپٹا گئے ہیں کہ اپنے باطل عقیدے کا دفاع کیسے کریں؟

اسی حدیث کے بارے میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ نسائی میں بھی یہ حدیث آئی ہے اور وہاں نبی ﷺ کے قبر سے گزرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم یا نسائی میں جہاں بھی آئی ہے اس میں نبی ﷺ کے قبر پر سے گذرنے کا ذکر کہیں بھی نہیں۔ نسائی کی جس حدیث کا یہ لوگ حوالہ دیتے ہیں وہ یہ روایت نہیں بلکہ ایک دوسری روایت ہے۔ مگر باطل عقیدے کے دفاع میں یہ دروغ گوئی ان کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔

آپ کے سامنے قرآن و حدیث اور ان فرقہ پرستوں کے عقائد کا ایک موازنہ پیش کیا گیا۔ کتاب اللہ کی ان کے نزدیک کیا حیثیت ہے، بالکل واضح ہے۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ ان مسلک پرستوں نے کس کس انداز میں قرآن وحدیث کے دیے ہوئے عقائد کا رد کیا ہے اور کس طرح بدترین خیانت کرتے ہوئے ان کے معنی ومفہوم تبدیل کر ڈالے۔ یہ کونسا دین ہے جس کے یہ متولی بنے بیٹھے ہیں؟ قرآن وحدیث تو ان کے اس دین کو رد کرتے ہیں، لیکن ان کے اکابرین کے اقوال وفتاویٰ، ان کے اس دین کو بھرپور بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

''امام'' نے سوال وجواب کے نام پر روح اس جسم میں لوٹائے جانے کا عقیدہ دیا، یہ مردہ زندہ بن گیا، پھر اس دین نے مزید ترقی کی اور یہ مردہ اپنی قبر پر آنے والے زائرین کی غمی اور خوشی بھی محسوس کرنے لگا، ارتقا کا یہ سفر جاری رہا اور اب اس مردے کو مزید قوت حاصل ہوئی اور یہ پرندے کی جنس میں بھی تمیز کرنے لگا۔ حالات بدلے، کتاب اللہ پس پشت ڈالی جانے لگی، مسلم قوم کی جگہ فرقوں نے لے لی، اکابرین کے فتوے ایمان کی بنیاد بن گئے اور یوں یہ مردہ آج ''غوث الاعظم'' اور ''داتا'' کہلایا جانے لگا۔ پھر امت کی بدنصیبی کہ الٰہ واحد کو چھوڑ کر ہزاروں مردے الٰہ بنا دیے گئے۔ آج انہی کی جے جے کار ہے۔ یہی اس قوم کے ''بگڑی بنانے والے'' اور ''خزانے بخشنے والے گنج بخش'' گردانے گئے ہیں!

آخر یہ سب کچھ کیسے ہوگیا؟ قرآن کا بیان کردہ عقیدہ کیسے منسوخ ہوگیا؟ ایک اللہ کی جگہ ان ہزاروں نے کیسے لے لی؟ صرف اور صرف ایک فتوے کی بنیاد پر کہ روح اس دنیاوی قبر میں مردہ جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ آج ان مزاروں پر جانے والوں پر، ان مردوں کو حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، داتا، غوث الاعظم، گنج بخش، غریب نواز، لجپال پکارنے والوں، ان کی قبروں پر حاضری دینے اور ان کے نام پر نذر ونیاز کرنے والوں پر کفر وشرک کے فتوے تو داغے جا رہے ہیں، لیکن اس طرف کوئی توجہ نہیں کہ کس نے ان کو یہ بنیاد فراہم کی ہے کہ یہ ''حضرت'' قبر میں روح سمیت موجود ہیں، یہ مردہ مردہ نہیں رہا، روح لوٹنے سے زندہ ہوگیا ہے، یہ شعور وادراک رکھتا ہے، سنتا، دیکھتا، پہچانتا ہے، دنیا والوں سے اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں......

دیوبندی مسلک والے اگر عقیدہ دیتے ہیں

''کہ قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے'' (المہند)

تو اہلحدیث مفتی کیلانی صاحب اس کے رد میں لکھتے ہیں کہ یہ دور موت کا دور ہے زندگی کا دور نہیں، قبروں میں پڑے ہوئے لوگ مردہ ہیں، نہ ان میں شعور ہے، نہ یہ سن سکتے ہیں، نہ جواب دے سکتے ہیں۔ لیکن خود دوسری جگہ عقیدہ دیتے ہیں کہ اموات کے احساس وشعور سے کسے انکار ہے؟ اگر ان میں احساس شعور نہ ہو تو قبر کا عذاب کیسے ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں کے اسی دوغلے پن نے امت کو کفر وشرک میں دھکیل دیا ہے۔

ایک طرف ان کے علامہ یوسف زئی فرماتے ہیں کہ روحیں صرف قیامت کے دن اس مردہ جسم سے ملائی جائیں گی، دوسری طرف عقیدہ دیتے ہیں کہ عذاب قبر کا معاملہ مختلف ہے، ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ علامہ دامانوی فرماتے ہیں کہ روح قیامت تک جسم سے جدا رہے گی، لیکن اکابرین کے دیے ہوئے عقیدے کی وکالت کرتے ہیں کہ سوال وجواب کے لیے روح لوٹا دی جاتی ہے اور یہ استثنائی حالت ہے...... حدیث کا بیان سامنے آتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کافر، مشرک اور منافق کی روح جہنم میں رہتی ہے اور عذاب سے دوچار ہوتی رہتی ہے، لیکن دوسرے ہی لمحے ان کا عقیدہ تبدیل ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں پھر (کافر کی روح کو) آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے پھر وہ روح قبر میں پہنچ جاتی ہے۔

خواجہ قاسم صاحب احادیث کی غلط تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں، اور دوسری طرف دوسرے فرقے کو نیچا دکھانے کے لیے لکھتے ہیں کہ یہاں قبر سے مراد مٹی کی قبر نہیں یہ کوئی اور جہاں ہے۔

کہیں علامہ دامانوی نے عذاب قبر کے دو حصے کر ڈالے کہ روح کو جہنم میں عذاب ہوتا ہے اور جسم کو اس قبر میں، اور کہیں ان موصوف نے قرآنی آیات میں زبردستی قبر کا لفظ شامل کر ڈالا۔ ان کے مفسر قرآن اَلنَّارُ ''جہنم کی آگ'' کا ترجمہ ''آگ'' کرتے ہیں تو یہ موصوف اس کو ''جس آگ'' کہہ ڈالتے ہیں۔ ان علامہ صاحب کے کیا کہنے! ایک طرف قبر کی تشریح ''کھودی جانے والی جگہ'' کرتے ہیں اور دوسری طرف مَشْهُوْدًا کو آٹومیٹک قبر بنا ڈالتے ہیں۔ الغرض کہ ان مفتیان نے کتب لکھ لکھ کر لوگوں کا مال بھی لوٹ لیا اور انہیں صراط مستقیم سے بھی بھٹکا دیا۔ اسی بات سے، مالک کائنات نے چودہ سو سال قبل ہی ہوشیار کر دیا تھا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۴)

''اے ایمان والو! ان مولویوں اور پیروں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے روک دیتے ہیں''۔

لوگوں نے ان مسلک پرستوں کی کتابیں ہدایت حاصل کرنے کے لیے خریدیں لیکن مال اور ہدایت دونوں سے محروم ہوگئے۔ دنیا بھی برباد ہوئی اور ان پر عقیدہ بنا کر آخرت میں اللہ کے عذاب کے بھی مستحق بن گئے۔ اب جو زندہ ہیں، جن کی ٹانگوں نے ابھی ان کے جسموں کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے، جو ابھی دیکھنے، سننے والے اور شعور وادراک کے حامل ہیں، وہ پلٹ آئیں اپنے رب کی طرف، اس کی ہدایت کی طرف اور اپنی جانوں کو فرقہ بندی، مسلک پرستی واکابر پرستی سے آزاد کرلیں، توبہ کریں اپنے سابقہ عقائد واعمال سے اور پاک کرلیں اپنے ایمان کو ہر قسم کے شرک سے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بھی ثواب میں بدل ڈالے گا، وہی کامیاب ٹھہریں گے، جنت میں اللہ ان کا میزبان ہوگا، جو چاہیں گے ملے گا، یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدوں کا پورا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ غور وفکر کی توفیق عطا فرمائے کہ ان پیشہ ور دین فروشوں کے دام فریب سے آزاد ہوکر حق کو حق جان کر پوری طرح مان لیں اور سچے مومن ومسلم بن جائیں۔ آمین



عالم الغیب کون ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا اللہ کے رسول ﷺ

محمد منیر، فتح جنگ، اٹک

جولائی ۲۰۰۲ء کا واقعہ ہے۔ راولپنڈی کے ایک علاقے ڈھوک بنارس میں ہمارے ایک ساتھی کے گھر درس قرآن کا پروگرام تھا۔ مدرس نے علم غیب کے موضوع پر نہایت ایمان افروز تقریر کی۔ بعدازاں سوال وجواب کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ حاضرین مجلس میں بریلوی مکتبہ فکر کے ایک مولوی صاحب بھی جو کہ اسی محلہ کی ایک مسجد کے امام وخطیب ہیں، تشریف فرما تھے۔ یہ صاحب پوری توجہ کے ساتھ گفتگو سنتے رہے۔ موصوف نے کسی موقع پر نہ تو کوئی اعتراض کیا اور نہ ہی سوال لیکن چند روز بعد انہوں نے تقریباً چھ صفحات پر مشتمل ایک مراسلہ تھما دیا اور اس کا فوری جواب طلب کیا۔ راقم سے ساتھیوں نے اس کا جواب لکھنے پر اصرار کیا۔ گھر پہنچ کر مولوی صاحب کی تحریر پڑھی جس پر لکھنے والے کا نام درج تھا نہ پتا۔ مولوی صاحب نے اپنے مراسلے کی ابتدا درج ذیل اشتہار نما تحریر سے کی تھی:

"علم مصطفیٰ ﷺ کے متعلق ہمارا عقیدہ"

۱۔ اللہ تعالیٰ عالم بذات ہے یعنی خود بخود جانتا ہے۔ وہ اپنے علم میں کسی کا محتاج نہیں۔ اس کا علم قدیم ہے اور توجہ کا محتاج بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی بغیر اس کے بتائے ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا ہے۔

۳۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے جن میں آدم علیہ السلام، خلیل علیہ السلام، ملک الموت اور شیطان بھی شامل ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنا بھی علم دیا ہے اس کا وہ علم عطائی ہے، حادث ہے، محتاج توجہ ہے وغیرہ

اس قسم کی باتیں تو ان لوگوں کی طرف سے شب وروز ہی سنتے ہیں۔ اس لیے اگر انہی نکات تک بات محدود رہتی تو اس کا جواب لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ مولوی صاحب نے اس اشتہار کے فوراً بعد بیشتر ابدلا اور چند آیات واحادیث سے غلط استدلال کرتے ہوئے اپنے زعم میں اللہ کے رسول ﷺ کو عالم الغیب ثابت کر دکھایا۔ یہ بات واقعی لائق توجہ تھی لہٰذا اس کا جواب سپرد قلم کیا اور متعلقہ ساتھی کی وساطت سے مولوی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ مولوی صاحب نے پھر جواب الجواب کے طور پر چند ورقے سیاہ کر کے ہمارے اس ساتھی کے سپرد کر دیے اور بار اول کی طرح اس مرتبہ بھی ان کو اپنا نام لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا اور جب ان سے اس کے لیے کہا گیا تو انہوں نے کاغذات ہمارے ساتھی کے ہاتھ سے واپس لے لیے۔ اس کے بعد مولوی صاحب تو بالکل خاموش ہو گئے لیکن راقم نے سوچا کہ اس قسم کے سوالات کا تو آئے دن ہمارے ساتھیوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا مناسب رہے گا کہ جن آیات واحادیث کی بنیاد پر نبی ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کا مکمل جائزہ ایک مضمون کی صورت میں پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں اسی بات کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مضمون میں راقم کے پیش نظر قرآن پاک کی صرف ۳ تین آیات اور نبی ﷺ کی ۶ چھ احادیث ہیں جن پر تبصرہ کرنا ہے۔ احادیث میں بخاری کی ایک، ترمذی کی ایک اور مسلم کی چار احادیث شامل ہیں۔ ان آیات اور احادیث کی مکمل تشریح اور تفصیلی جائزے کے لیے تو ایک ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہے، لیکن سردست نہایت ہی اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند اوراق میں اپنا موقف واضح کرتا ہے۔

پہلی آیت:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران: ۱۷۹)

"اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ تم (سب) کو غیب کی اطلاع دے لیکن (اس مقصد کے لیے) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔"

اس تضاد کو کیا کہیے کہ بریلوی مکتبہ فکر کے افراد ایک جانب تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا ہے" اور دوسری جانب دلائل اس قسم کے پیش کرتے ہیں گویا انبیاء پر کائنات کے تمام اسرار منکشف کر دیے گئے اور کوئی ایک چیز بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں! بالخصوص اللہ کے آخری رسول ﷺ کے متعلق تو بڑے وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ آپ غیب کی باتیں جانتے تھے، اور دلیل کے طور پر یہی آیت پیش کی جاتی ہے، جبکہ اس آیت کے الفاظ اس مفہوم کے ہرگز متحمل نہیں ہیں کیونکہ اس آیت

میں کہیں اشارۃً بھی نبی ﷺ کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی آپ کا علم اس آیت کا نکتہ بحث ہے بلکہ اس آیت کے اندر تو اللہ تعالیٰ اپنی اس دائمی سنت کا ذکر کر رہا ہے کہ وہ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو امورِ غیب کی خبر نہیں دیتا بلکہ اس مقصد کے لیے وہ اپنے رسول کو منتخب کر لیتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ عذر پیش کرے کہ آیت کا مفہوم ہر چند یہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے لیکن مستفاد تو ہے، تو یہ موقف بھی درست نہیں ہے کیونکہ مستفاد صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام برگزیدہ انبیاءؑ کی طرح اپنے آخری رسول ﷺ کو بھی وحی کے ذریعے بعض ایسے امورِ غیب سے مطلع کیا کہ عامۃ الناس کی رسائی ان تک ممکن نہ تھی۔ لیکن مطلق یہ دعویٰ کہ ''نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے'' کسی لحاظ سے بھی درست نہیں کیونکہ اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ نبی ﷺ از خود غیب کی باتیں جانتے تھے اور یہ بھی کہ امورِ غیب میں سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز آپ کے حیطۂ علم سے باہر نہ تھی اظاہر ہے کہ یہ ایک بہت ہی غلط تاثر ہے کیونکہ اس سے شرک کی راہ کھلتی ہے جبکہ اس آیت کا ہرگز یہ مقصود نہیں ہو سکتا۔ نیز حیاتِ رسول ﷺ کے واقعات اور اس آیت کے شانِ نزول کے حوالے سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ آپ غیب کی باتیں جانتے تھے کیونکہ یہ آیت غزوۂ احد کے باب میں نازل ہوئی جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی احد کے محاذ تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راستے سے واپس لوٹ گیا تھا۔ قریش کے مقابلے میں لشکرِ اسلام کی تعداد ویسے بھی کم تھی، ابتلا ہی کی اس گھڑی میں جب یہ لوگ بھی ساتھ چھوڑ کر چل دیے تو تعداد اور بھی گھٹ گئی جس کی وجہ سے اہلِ ایمان کو بڑا دھچکا لگا۔

چنانچہ اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

''اللہ ایسا نہیں کہ مومنوں کو اسی حال میں جس میں کہ تم ہو چھوڑ دے یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے۔'' (آل عمران: ۱۷۹)

اس کے بعد اسی آیت میں یہ الفاظ آئے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

''اور اللہ ایسا نہیں کہ تم کو غیب کی باتیں بتائے لیکن وہ (اس مقصد کے لیے) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔''

در اصل کہا یہ جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی طور یہ گوارہ نہیں ہے کہ کچھ لوگ دین کا لبادہ اوڑھ کر اہلِ ایمان کے ساتھ خلط ملط رہیں مسلمانوں سے فائدہ بھی اٹھاتے رہیں اور اسلام کے خلاف سازشیں بھی کرتے رہیں۔ اس قماش کے لوگوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سچے مومنوں سے چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے لیکن اس کا یہ طریقہ کار نہیں ہے کہ آسمان سے ایک ندائے غیب کے ذریعے ہر آدمی کا نام لے کر بتائے کہ فلاں مومن ہے فلاں منافق۔ بلکہ وہ ایمان کے دعویداروں کو ابتلاء میں ڈالتا ہے۔ اس طرح مومن بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں اور منافق بھی کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اور یہی کچھ غزوۂ احد میں ہوا۔

غور کیجیے کہ غزوۂ احد سن ۳ ہجری کا واقعہ ہے اور اس میں ہر چند کہ منافقین خود بخود سچے مومنوں سے الگ بھی ہو گئے اس کے باوجود نبی ﷺ کو اپنے حسنِ سیرت کی بدولت ایک عرصے تک ان لوگوں کے بارے میں حسنِ ظن ہی رہا اور آپ کو ان کے پوشیدہ عزائم کی خبر تک نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ سن ۹ ہجری کا سورج طلوع ہو گیا اور یہ لوگ مدینے کی حدود میں ایک مسجد جو کہ بعد میں ''مسجدِ ضرار'' کے نام سے مشہور ہوئی تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مستزاد یہ کہ انہوں نے نبی ﷺ کو اپنی چرب زبانی سے اس کے باقاعدہ افتتاح اور اس میں صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے رضامند بھی کر لیا۔ چونکہ اس وقت آپ غزوۂ تبوک کے لیے عازمِ سفر تھے، اس لیے آپ نے واپسی پر اس مسجد میں صلوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن واپسی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۃ التوبہ کی یہ فکر انگیز آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ۔۔۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۰۷ تا ۱۱۰)

''اور جن لوگوں نے ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور اہلِ ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لیے مسجد بنائی ہے اور اس شخص کے لیے گھات کی جگہ بنائی ہے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کر چکا ہے۔ (اے نبی!) یہ لوگ آپ کے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ ان کا ارادہ تو محض بھلائی کا ہے، اور اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اے نبی! آپ اس مسجد میں کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی، وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر بھلا ایسا شخص بہتر ہے کہ جس نے اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد اللہ کے خوف پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد کسی گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو، پھر وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑے؟ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے، ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کی بنا پر (کانٹا بن کر) کھٹکتی رہے گی یہاں تک کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔''

ملاحظہ فرمایے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے منافقین کے عزائم سے بے خبر رہتے ہوئے ان سے وعدہ فرما لیا کہ سفرِ تبوک سے واپسی پر ان کی مسجد میں ہم صلوٰۃ ادا کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے، جو کہ عالم الغیب ہے، یہ آیات نازل فرما کر منافقین کی سازش کو بے نقاب کر دیا۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہونے پر آپ ﷺ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیج کر وہ مسجد مسمار کروا دی۔ فیصلہ کیجیے کہ اس روداد سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے یا یہ کہ وحی نازل ہونے کے بعد ہی آپ کو منافقین کے مذموم مقاصد کا علم ہوا؟

دوسری آیت

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرے'' (الجن: ۲۶ تا ۲۷)

بڑی عجیب بات ہے کہ جس آیت کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ کی صفت خاص سے ہو رہا ہے کہ وہ عالم الغیب ہے، اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے! اور جس سیاق وسباق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اس پر غور کرنے سے تو تعجب مزید بڑھ جاتا ہے اور یہ سوال بار بار ذہن سے ٹکراتا ہے کہ کیوں ان لوگوں کو قرآن کی آسان اور عام فہم زبان سمجھ میں نہیں آتی؟ اس آیت سے پہلے اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا (الجن: ۲۵)

"(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ میں نہیں جانتا جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی مدت دراز کردی ہے۔"

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ (میں نہیں جانتا، مجھے معلوم نہیں ہے) کے واضح الفاظ ہرگز اس تاویل کی اجازت نہیں دیتے کہ نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو واضح الفاظ میں حکم دے رہا ہے کہ آپ اظہار حق کے طور پر برملا کہہ دیں کہ اے کافرو! مجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عذاب تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے وہ عذاب کب اور کس مرحلے پر نازل ہوگا؟ تمہاری ہلاکت اور تباہی کا وقت قریب آ پہنچا ہے یا میرا رب ایک مدت تک تمہیں مہلت دے گا؟ تمہاری سرکشی اور نافرمانی کی سزا تمہیں دنیا میں ملے گی یا یوم حساب کے بعد؟ ان باتوں کا تعلق اسرار غیب سے ہے؛ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اطلاع نہیں دی، اس لیے مجھے تمہاری ہلاکت کے معین وقت کا مطلق علم نہیں ہے...... بحیثیت رسول میرا کام اللہ کے عذاب سے تمہیں ڈراتا ہے۔ سو میں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہے۔ اب اللہ کے عذاب کا کوڑا کب تم پر برسے گا، اس کا معین وقت اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ عالم الغیب اسی کی ذات بے ہمتا ہے۔

چنانچہ پہلے تو اس انداز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے رسول ﷺ کی زبان سے اس امر کی وضاحت کروائی کہ رسول عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کے بعد تصریح آیات کے ذریعے اپنی اسی سنت کا مکرر ذکر فرمایا جو سورۃ آل عمران کی ایک آیت کے ضمن میں پچھلی سطور میں بیان کی جا چکی ہے، یعنی

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

"غیب کا جاننے والا ہے، اور اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے" (الجن: ۲۶، ۲۷)

قرآن کے یہ الفاظ جس سلسلہ کلام میں آئے ہیں، اس میں یہ مفہوم داخل کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے اور اگلے الفاظ بھی اس مفہوم کی تائید نہیں کرتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے

فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (الجن: ۲۷، ۲۸)

"پھر وہ اس (رسول) کے آگے پیچھے نگہبان (فرشتے) مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ اس نے اپنے رب کا پیغام (اللہ کے بندوں تک) پہنچا دیا ہے۔"

ان الفاظ سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ اپنے برگزیدہ رسولوں کو وحی کے ذریعے غیب کی خبریں دیتا ہے تو پھر ان کو آزاد نہیں چھوڑ دیا جاتا بلکہ اس کی جانب سے ہمہ وقت ان کی سخت نگرانی کی جاتی ہے تاکہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہ ہو۔ دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو تمام امور غیب سے مطلع نہیں فرماتا بلکہ وحی کے ذریعے صرف وہی باتیں ان کو بتاتا ہے جو فرائض نبوت کی بجا آوری کے لیے ناگزیر اور تبلیغ دین کے لحاظ سے اشد ضروری ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے حوالے سے مذکورہ صدر استثنا بتائے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف دیے بغیر مطلق یہ کہنا کہ نبی ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے سراسر غلط اور ناروا انداز ہے۔

تیسری آیت

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ (التکویر: ۲۴)

"اور وہ (نبی ﷺ) غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے۔"

بریلوی مکتب فکر کے مولوی مذکور نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی کہ

"اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ غیب کی باتیں بتانے میں بخل نہیں کرتا، یعنی دیا ہے تب ہی تو بتاتا ہے اور بخل نہیں کرتا۔"

جو کوئی بھی یکسوئی کے ساتھ اس آیت پر غور کرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کیا کچھ دیا اور یہ کہ کون کون سی باتیں "الغیب" کے زمرے میں آتی ہیں، تو قدرتی طور پر اس کا ذہن سب سے پہلے انہی باتوں کی جانب متوجہ ہوگا جو دین متین کی اساس ہیں، اور وہ سوچے گا:

اولاً...... اس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اللہ موجود ہے۔

ثانیاً...... اس نے فرشتوں کو نہیں دیکھا لیکن اس کا ایمان ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں۔

ثالثاً...... اس نے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیکھا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے ہر دور میں جن وانس کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے ہیں۔

رابعاً...... اس نے جنت کو نہیں دیکھا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے جنت کی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

خامساً...... اس نے جہنم کو نہیں دیکھا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے لیے جہنم کی بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

یہ سب چیزیں غیب کے زمرے میں آتی ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی اس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اس کے باوجود ان سب پر اس کا پختہ ایمان ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اہل ایمان کی صفت ہی یہ ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ یعنی وہ غیب کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ نیز ہر صاحب ایمان یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے رسول ﷺ ہی کو وحی کے ذریعے ان باتوں سے آگاہ کیا اور رسول ﷺ کو حکم دیا:

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدۃ: ۶۷)

"اے رسول (ﷺ)! پہنچا دیجیے جو آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل ہوا۔ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا۔"

اللہ شاہد ہے اور ہر صاحب ایمان صمیم قلب سے اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نبوت کی ابتداء سے لے کر وفات تک، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر جو کچھ نازل فرمایا، آپ ﷺ نے بلاکم وکاست پورا پورا لوگوں تک پہنچا دیا اور کسی مرحلے پر بخل سے کام نہیں لیا کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچانا تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ کے مقصدِ بعثت کو مدِ نظر رکھ کر اللہ کے ارشاد وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ پر جو کوئی بھی غور کرے گا تو اس کے ذہن میں لفظ "غیب" کا وہی مفہوم اجاگر ہو گا جو اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اس آیت کی جو تشریح بریلوی مکتبِ فکر کے افراد کرتے ہیں اور اس لفظ کا جو مفہوم باور کرانا چاہتے ہیں، اس سے تو لامحالہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ ﷺ پر نازل فرمایا اس کا مقصد (معاذ اللہ!) نہ تو مَا الْإِسْلَامُ (اسلام کیا ہے؟) اور نہ مَا الْإِيمَانُ (ایمان کیا ہے؟) جیسے بنیادی سوالوں کی توضیح تھا* اور نہ ہی آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد اللہ کے دین کی تشریح تھا بلکہ ان کے موقف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صرف اس مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے گاہے گاہے ان کو کائنات کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتے رہیں اور ضرورت پڑنے پر ان کو بعض ایسی خفیہ اطلاعات فراہم کرتے رہیں جن تک ہر آدمی کی رسائی ممکن نہیں ...... (العیاذ باللہ!) رسالت کا یہ تصور بھی کتنا عجیب ہے! لیکن ہمارا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ ان لوگوں نے رسالت کا یہ تصور قرآن سے نہیں لیا اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ قرآن کو تو یہ لوگ پہلے سے وضع کردہ عقیدے کے اثبات کے لیے خواہ مخواہ درمیان میں لے آتے ہیں ورنہ انہوں نے اس عقیدے کی عمارت درج ذیل احادیث کی خود کشیدہ غلط تشریح کی بنیاد پر تعمیر کی ہے:

پہلی حدیث

عن طارق ابن شہاب قال سمعت عمر یقول قام فینا النبی ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتیٰ دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ

(بخاری: کتاب بدء الخلق باب فی قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ...)

"طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ ایک مقام پر ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور مخلوق کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک کا حال بیان فرمایا جب بہشت والے اپنے ٹھکانوں میں اور دوزخ والے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے۔ کسی کو یہ باتیں یاد رہیں اور کوئی بھول گیا۔"

بخاری کی اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ نبی ﷺ اہل ایمان کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے ان کے سامنے کھڑے ہوئے، اپنے بلیغ خطاب کے آغاز میں آپ ﷺ نے کائنات کی تخلیق کے متعلق کچھ بیان فرمایا اور آخر میں جنت اور جہنم کا تذکرہ کیا ...... لیکن ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ اس حدیث سے غلط استدلال کر کے بریلوی مکتبِ فکر کے افراد نے بے شمار غلط عقائد کے ساتھ یہ عقیدہ بھی داخلِ مسلک کر لیا کہ نبی ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا کیا گیا۔ اور اس عقیدے میں بریلوی منفرد نہیں ہیں، بلکہ دیوبندیوں کا بھی، جو کہ موحد ہونے کے دعویدار ہیں، یہی عقیدہ ہے جیسا کہ ان کے مسلک کی بنیادی کتاب کی درج ذیل عبارت سے عیاں ہے:

ولقد اعطی علم الاولین والاٰخرین

"بیشک آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا کیا گیا"

(صفحہ ۵۶، المہند علی المفند مؤلفہ مولوی خلیل احمد سہارنپوری، طبع اپریل ۱۹۸۴ء، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انار کلی لاہور)

ظاہر ہے کہ حبِ رسول ﷺ کے زعم میں لکھے ہوئے یہ الفاظ درحقیقت رسول ﷺ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں اور اللہ کی کتاب بھی ان کو پوری شد و مد کے ساتھ رد کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ (الحجر: ۲۴)

"اور بیشک ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے چلے جانے والوں کو اور بیشک ہم جانتے ہیں پیچھے رہ جانے والوں کو۔"

اس آیت میں لفظ الْمُسْتَقْدِمِينَ قریب قریب "اولین" کا ہم معنی ہے اور لفظ الْمُسْتَأْخِرِينَ "آخرین" کا ہم معنی۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کے دعوے کے مطابق واقعی نبی ﷺ کو "اولین و آخرین" کا علم عطا کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ حرفِ تاکید (لَقَدْ) کا استعمال کر کے کیوں ارشاد فرمایا کہ

"بے شک ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے چلے جانے والوں کو اور بے شک ہم جانتے ہیں پیچھے رہ جانے والوں کو"

اور اس حکم سے کیوں اپنے رسول ﷺ کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا؟ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسول ﷺ کو اس حکم سے مستثنیٰ نہیں کیا اور تاکید بالائے تاکید کا انداز اختیار کر کے بھرپور طریقے سے اس امر کی وضاحت کر دی کہ "اولین اور آخرین" کا علم صرف ہمارے پاس ہے تو مزعومہ "حبِ رسول" کی آڑ میں اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کی صفتِ خاص میں شریک کرنا کتنا بڑا ظلم ہے! ان مسالک کا یہ عقیدہ قرآن ہی کے مخالف نہیں بلکہ متعدد صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے۔ اس ضمن میں فی الحال صرف دو احادیث پیش کی جا رہی ہیں جنہیں بخاری ہی نے روایت کیا ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتیٰ عرفتھم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک

(بخاری: کتاب الرقاق باب فی الحوض)

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ حوض (کوثر) پر آئیں گے۔ میں ان کو پہچان لوں گا لیکن وہ مجھ سے دور ہٹا دیے جائیں گے۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ کہا جائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد جو نئے نئے کام انہوں نے کیے۔"

* اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ سے یہ سوالات پوچھنا اور آپ ﷺ کا ان کی وضاحت کرنا روایت کیا گیا ہے۔ (بخاری: کتاب الایمان)

ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں یہ بھی اضافہ ہے کہ:

فاقول انهم منى فيقال انك لاتدرى ما احدثوا بعدك فاقول سحقا سحقا لمن غير بعدى (ايضاً)

(یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ لوگ دور ہٹائے جائیں گے) تو میں کہوں گا یہ تو میرے ساتھی ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے آپ کے بعد جو نئے نئے کام انہوں نے کیے۔ پھر میں کہوں گا کہ دور ہو دور ہو وہ جو میرے بعد بدل گیا۔"

بریلویوں اور دیوبندیوں کے عقیدے کی رو سے اگر واقعی نبی ﷺ کو "اولین و آخرین" کا علم عطا کیا گیا تھا تو متعدد احادیث میں آنے والے نبی ﷺ کے یہ الفاظ کس کھاتے میں جائیں گے:

انك لاتدرى ما احدثوا بعدك

"آپ ﷺ نہیں جانتے آپ کے بعد جو نئے کام انہوں نے کیے"

ظاہر ہے کہ اس سوال کا کسی کے پاس کوئی معقول و قابل قبول جواب نہیں ہے۔☆ بخاری کی زیر تبصرہ حدیث عمرؓ پر قیاس کر کے نبی ﷺ کے متعلق علم کل کا عقیدہ وضع کرنے والے کم از کم یہ تو سوچتے کہ کیا ایک نشست میں "اولین و آخرین" کے متعلق مکمل معلومات فراہم کرنا عملاً ممکن ہے بھی یا نہیں؟ فرض کیجیے کہ نبی ﷺ نے ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے صحابہؓ کو مکمل معلومات فراہم کر دیں تو صحابہ نے نبی ﷺ سے اس موقع پر سن کر جو کچھ یاد رکھا، یقیناً تابعین تک پہنچایا ہوگا اور اسی طرح صحابہ سے جو کچھ تابعین نے سن کر یاد رکھا، وہ تبع تابعین تک پہنچایا ہوگا۔ چنانچہ دوسری ہزاروں احادیث کی طرح اس موقع پر آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ محدثین تک پہنچنا چاہیے تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ موقع پر "اولین و آخرین" کے متعلق آپ ﷺ نے جو لاتعداد احادیث بیان فرمائیں، وہ کدھر گئیں؟ یہ بات توجہ طلب ہے کہ محدثین نے جمع حدیث کے سلسلے میں سخت جانکاہی دکھائی: ایک ایک لفظ کے لیے طویل طویل سفر کیے۔ مگر محدثین کی سالہا سال کی تگ و دو اور جستجو کے باوجود حدیث کی معدودے چند کتابیں ہی مرتب ہو سکیں جبکہ "اولین و آخرین" کے متعلق نبی ﷺ کی مکمل احادیث ضبط تحریر میں لانے کے لیے اربوں کھربوں کتابیں بھی ناکافی تھیں! کیا نبی ﷺ کی زبان سے نکلے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنے والوں نے ایک ہی نشست میں فراہم کردہ ہزاروں صدیوں پر محیط انتہائی اہم معلومات آن واحد میں ہی فراموش کر دیں؟ ان لوگوں کے پاس یقیناً اس کا بھی کوئی معقول جواب نہیں ہوگا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک جانب تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ

"رب تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنے بعض غیوب کا علم دیا"

اور دوسری جانب بخاری کی زیر بحث حدیث سے غلط استدلال کر کے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو "اولین و آخرین" کا علم عطا کیا گیا! سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی کون سی بات کو سچ مانیں اور کون سی بات کو جھوٹ سمجھیں؟ کیونکہ بیک وقت یہ دونوں متضاد دعوے صحیح نہیں ہو سکتے!

دوسری حدیث

حدثنى ابوزيد يعنى عمرو بن اخطب قال صلى بنا رسول الله ﷺ الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتىٰ حضرت الظهر فنزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتىٰ حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتىٰ غربت الشمس فاخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا

(مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب اخبار النبیﷺ فیما یکون الی قیام الساعۃ)

"ابوزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں فجر کی صلوۃ پڑھائی اور منبر پر چڑھ گئے اور ہم سے خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا؛ آپ ﷺ منبر سے اترے اور صلوۃ ادا کی، پھر منبر پر چڑھ گئے اور ہم سے خطاب فرمایا یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا؛ آپ ﷺ منبر سے اترے اور صلوۃ ادا کی، پھر منبر پر چڑھ گئے اور ہم سے خطاب فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پس آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی ان باتوں کی جو ہو چکیں اور جو ہونے والی ہیں۔ ہم میں سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جس نے سب سے زیادہ ان باتوں کو یاد رکھا۔"

یہ ہے وہ روایت جس سے بریلوی مکتب فکر نے غلط استدلال کر کے یہ عقیدہ وضع کیا کہ "نبی ﷺ کو **ماکان ومایکون** (یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے) کا علم عطا کیا گیا۔" اب اس تضاد کو کیا کہیے کہ ایک طرف تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ

"حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا"

اور دوسری طرف اس روایت کو بنیاد بنا کر نبی ﷺ کے لیے ایک ایسے علم کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سات سمندروں کا پانی سیاہی میں تبدیل ہو جائے تو بھی اسے حیطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں!

جہاں تک مسلم کی روایت میں بیان کردہ اس واقعہ کا تعلق ہے کہ نبی ﷺ نے فجر سے مغرب تک مسلسل خطاب فرمایا اور سوائے صلوۃ المکتوبہ کے اس دوران کوئی وقفہ نہیں کیا، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ عمل آپ ﷺ کے عام معمول کے خلاف ہے۔ سارا سارا دن تقریر کرنا آپ کا عام دستور نہیں تھا بلکہ آپ ہمیشہ وعظ و نصیحت میں اختصار سے کام لیتے تھے جیسا کہ مسلم ہی کی درج ذیل دو

☆ البتہ ایک انتہائی نامعقول اور ناقابل قبول جواب ان کے "حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب" نے اپنی کتاب "نشر الطیب" میں دینے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس روایت پر "عرض اعمال امت کی روایت کے تعارض کا شبہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس روایت میں نہ تو یہ نص ہے کہ یہ اعمال قلب کو بھی شامل ہے، نہ یہ نص ہے کہ تمام اعمال ظاہری کو شامل ہے۔ ممکن ہے کہ عقائد اور اعمال کے مقاصد کے دقائق پیش نہ کیے جاتے ہوں اور بعد فرض عرض عام کے نہ یہ نص ہے کہ بعد عرض کے وہ سب جزوی کر کے یاد رہتے ہوں۔" (ص ۱۵۹) حیرت ہے کہ ان "حکیم الامت" صاحب کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری کہ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ (ھود: ۱۲۳) "تمام ہی اعمال اللہ ہی پر پیش ہوتے ہیں"۔ یہ كُلُّهُ "کیا نص قطعی اور ہر طرح کے اعمال پر محیط نہیں؟

احادیث سے ثابت ہے:

ابو وائل نے بیان کیا کہ عمار ؓ نے (کوفہ کی مسجد میں) نہایت مختصر مگر بہت بلیغ جمعہ کا خطبہ پڑھا (یعنی تقریر کی)۔ جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے کہا: اے ابوالیقظان! آپ نے خطبہ تو بہت بلیغ اور عمدہ پڑھا لیکن آپ نے بہت ہی اختصار سے کام لیا: آپ اس خطبہ کو ذرا لمبا کرتے تو بہتر ہوتا۔ عمار ؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "آدمی کے سمجھدار ہونے کی یہی نشانی ہے کہ صلوٰۃ کو لمبا کرے اور خطبہ (خطاب) کو مختصر۔ لہٰذا تم صلوٰۃ کو لمبا کرو اور خطبہ کو مختصر اور بعض بیان جادو ہوتا ہے۔" (مسلم کتاب الجمعة)

جابر بن سمرۃ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ پڑھی: آپ کی صلوٰۃ بھی اوسط درجے کی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی اوسط درجے کا۔ (ایضاً)

ان احادیث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ وعظ و خطاب میں اختصار اور جامعیت کا التزام سنت مؤکدہ ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے یہ واقعہ کہ نبی ﷺ سارا دن خطاب فرماتے رہے، سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر اس کو ایک خاص اور غیر معمولی واقعہ کا نام دے کر قبول کر بھی لیا جائے تب بھی یہ بات کسی ذی شعور انسان کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ نبی ﷺ نے صرف ایک دن کے (صبح سے شام تک کے) خطاب میں صحابہ ؓ کو ماضی اور مستقبل میں رونما ہونے والی ہر ایک بات سے آگاہ فرما دیا اور کوئی ایک چیز بھی ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑی ایسی بات اس لیے بھی ناقابل قبول ہے کہ اس کائنات کی ابتداء سے انتہا تک ہزاروں صدیوں پر محیط بے حساب زمانے کی تفصیلات ایک دن میں بیان کرنا عملاً ناممکن ہے۔ ذرا سوچیے کہ فجر اور غروب آفتاب کے درمیان وقت ہی کتنا ہوتا ہے: گرمیوں کے طویل ایام میں بھی زیادہ سے زیادہ تیرہ چودہ گھنٹے۔ اور اگر ان میں سے طہارت، وضو اور صلوٰۃ میں صرف ہونے والا وقت بھی نکال دیا جائے تو فقط آٹھ دس گھنٹے ہی باقی بچتے ہیں۔ چنانچہ کون صاحب عقل اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے اتنے قلیل وقت میں کچھ کھائے پیے بغیر ازل سے ابد تک رونما ہونے والے تمام حالات و واقعات پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہوں۔ پھر بیان بھی حسب عادت اس طرح ٹھہر ٹھہر کر فرمایا ہو گا کہ سننے والے آپ کی زبان صادق سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ اچھی طرح سمجھتے چلے گئے ہوں گے۔ اس واقعے سے ہر ذی شعور انسان یہی نتیجہ نکالے گا کہ نبی ﷺ نے کچھ باتیں ماضی سے متعلق بیان فرمائی ہوں گی اور کچھ مستقبل کے متعلق۔ زیر تبصرہ حدیث کے الفاظ فاخبرنا بما کان وبما هو کائن (یعنی آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی ان باتوں کی جو ہو چکیں اور جو ہونے والی ہیں) کا اس کے علاوہ کوئی اور مدعا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں کے فہم و دانش کی داد دیجیے کہ انہوں نے حدیث کے الفاظ سے ایک مفہوم برآمد کیا اور پھر اس مفہوم کی بنیاد پر عقیدے کا ایک ایسا محل تعمیر کیا جس کا وجود مالک کائنات کی صفات اور دین کی بنیادی تعلیمات کے لیے کھلا چیلنج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (البقرۃ: ۲۵۵/ الحج: ۷۶)

"وہ (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔"

اس آیت کے الفاظ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ میں مستقبل کا اور وَمَا خَلْفَهُمْ میں ماضی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ماکان ومایکون کے الفاظ کا مطلب بھی یہی ہے۔ چنانچہ جملہ مکمل کرنے کی غرض سے اگر ان الفاظ کے آغاز میں فعل مضارع يَعْلَمُ داخل کر دیا جائے یعنی یعلم ماکان ومایکون کہا جائے تو یہ جملہ قرآن کی آیت يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کا ہم معنی ہو گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح خالق کون و مکاں انسان کے ماضی، حال و مستقبل اور اس کے آگے پیچھے کے تمام حالات سے مکمل طور پر باخبر ہے، اللہ کے رسول ﷺ بھی اسی طرح باخبر ہیں! اور چونکہ یہ غیر محدود علم ان لوگوں کے بقول خود اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے، اس لیے یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ جس رسول ﷺ کے توسط سے اللہ نے قرآن میں جابجا اس قسم کے احکام صادر فرمائے ہیں کہ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا (اللہ کے لیے ہمسر نہ ٹھہراؤ)، وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ)، اسی رسول ﷺ کو اس نے اپنا شریک اور ہمسر بھی بنا لیا! اور اس طرح سے (معاذ اللہ) خود ہی ان آیات کی تکذیب و تغلیط کروا دی! اس عقیدے کا حاصل یہی ہے۔ فیصلہ کیجیے کہ یہ عقیدہ بہتر ہے یا وہ دین فطرت جس کی رو سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے حقوق و اختیارات میں کوئی بھی شریک نہیں ہے؟

تیسری حدیث

عن انس بن مالک ؓ قال کنا مع عمر ؓ بین مکة والمدینة ...... فقال ان رسول ﷺ کان یرینا مصارع اهل بدر بالامس یقول هذا مصرع فلان غدا انشاء الله قال فقال عمر فوالذی بعثه بالحق ما اخطؤا الحدود التی حد رسول ﷺ قال فجعلوا فی بئر بعضهم علیٰ بعض......

(مسلم: کتاب الجنة و صفة نعیمها و اهلها)

"انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں عمر ؓ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے۔ (عمر ؓ نے بدر والوں کا قصہ شروع کیا) کہنے لگے اللہ کے رسول ﷺ ہم کو کل کے دن قتل ہونے والے کافروں کے نام بتلانے لگے: آپ فرماتے تھے کہ اللہ نے چاہا تو کل فلاں کافر یہاں گرے گا (اور فلاں یہاں)۔ پھر عمر ؓ نے بتایا کہ قسم اس رب کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا! جو حدیں آپ نے بیان کی تھیں، ان لوگوں نے اس میں کوئی خطا نہیں کی (یعنی وہ وہیں گرے)۔ پھر وہ ایک کنویں میں دھکیل دیے گئے۔"

مسلم کی درج بالا حدیث میں صرف اتنا واقعہ مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک پیشین گوئی فرمائی اور وہ اللہ کے حکم سے سچ ثابت ہوئی لیکن بریلویوں کی ہوشیاری ملاحظہ فرمایے کہ اس واقعہ کو بھی انہوں نے نبی ﷺ کی "غیب دانی" کی

دلیل بنالیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے حوالے سے ان کے مولوی مذکور نے لکھ کر دیا کہ

''ہمارے پیارے آقا ﷺ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا''

جبکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ (لقمان: ۳۴)

''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس جگہ موت آئے گی۔''

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا اطلاق صاحب قرآن پر نہیں ہوتا اور آنجناب ﷺ قرآن پاک کے ان الفاظ میں استثنا کا کوئی ثبوت بھی نہیں اور ہر نفس کے لیے یہ حکم یکساں ہے؟ دیکھیے اس سوال کی زد سے بچنے کے لیے بظاہر کتنے خوبصورت الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں! کہتے ہیں:

''آپ ﷺ باذن اللہ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا''

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی آپ ﷺ کے متعلق یوں دعویٰ کرے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا۔ بخاری روایت کرتے ہیں کہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقعے پر نبی ﷺ تشریف لے گئے۔ چھوٹی بچیاں دف بجا کر اپنے شہداء بدر کی تعریف کر رہی تھیں۔ ایک نے یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا: ؏ وفینا نبی یعلم ما فی غد ''ہم میں ہے ایک نبی جو جانتا ہے کل کی بات'' (یعنی کل کیا ہوگا؟)۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: یہ مت کہہ اور پہلے جو کہہ رہی تھی وہی کہہ۔'' (بخاری، کتاب المغازی، باب شهود الملائكة بدرا کے بعد کا باب)

اب یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا نبی ﷺ سے محبت کا یہی تقاضہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہو اور آپ کا ہر حکم پامال کیا جائے؟

جس طرح صوفیا کی جھوٹی کرامات کو سند جواز فراہم کرنے کے لیے ''باذن اللہ'' کے الفاظ کو مہر تصدیق کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں نبی ﷺ کے متعلق غیب دانی کے مروجہ عقیدے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ان الفاظ کا سہارا لیا جا رہا ہے۔* یہ لوگ دراصل کہنا تو یہ چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو تو یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ بدر میں کون کافر کہاں مرے گا، البتہ آپ ﷺ نے ان کے متعلق پیشگوئی **''اللہ تعالیٰ کے اذن''** سے فرمائی! گویا کہ وحدت الشہود کا شرکیہ عقیدہ جو کہ ان مسالک کا جزو ایمان ہے، یہاں بھی کارفرما ہے لیکن اس کا اظہار دوسرے الفاظ میں کیا جا رہا ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی علو شان اور اس کا وقار ہی ان لوگوں کے پیش نظر ہوتا تو اس واقعے کے متعلق مبہم اور ذو معنی الفاظ میں بیان دینے کے بجائے سیدھے سادھے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اس کی پیشگی خبر دے دی لیکن جب نیت ہی میں فتور ہو تو زبان پر سیدھی اور سچی بات کیونکر آ سکتی ہے! بہر حال قرآن وحدیث کی روشنی میں اب یہ فرق واضح کرنا ہے کہ آیا نبی ان کے دعوے کے مطابق ''باذن اللہ'' جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا یا آپ ﷺ کے علم واور اک کا تمام تر دارومدار آسمانی وحی پر تھا؟ سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (الکہف: ۲۳، ۲۴)

''اور (اے نبی ﷺ) آپ ہرگز کسی چیز کے بارے میں یہ نہ کہا کریں کہ میں کل اسے کروں گا مگر ان شاء اللہ کہا کریں اور اگر (یہ کہنا) بھول جائیں تو جب یاد آئے تو کہہ لیں اور کہیں کہ امید ہے میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے گا۔''

اس آیت کا شان نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ یہود نے نبی ﷺ سے تین باتیں پوچھیں: روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کی کیا حقیقت ہے؟ اور ذوالقرنین کون تھے؟ نبی ﷺ نے فرمایا میں کل تمہیں جواب دوں گا۔ لیکن اس کے بعد پندرہ دن تک جبریل علیہ السلام وحی لے کر نہیں آئے پھر جب آئے تو یہی سورۃ (الکہف) آپ ﷺ کو سنائی جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان شاء اللہ کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ ہر معاملے میں وحی کا انتظار فرماتے۔ بخاری نے باب باندھا ہے:

باب ما كان النبی ﷺ يسأل مما لم ينزل عليه الوحی فيقول لا ادری اولم يجب حتى ينزل عليه الوحی ولم يقل برأی ولا بقياس لقوله تعالى بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ سئل النبی ﷺ عن الروح فسكت حتى نزلت الآية

(بخاری: کتاب الاعتصام)

باب: نبی ﷺ نے کوئی مسئلہ اپنی رائے اور قیاس سے نہیں بتایا بلکہ جب آپ سے کوئی ایسی بات پوچھی جاتی جس کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو آپ صاف فرما دیتے: لا ادری (میں نہیں جانتا) یا وحی نازل ہونے تک خاموش رہتے، کچھ جواب نہ دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ النساء آیت ۱۰۵ میں) فرمایا ہے:

''جیسا اللہ تجھ کو بتائے اس کے موافق حکم دے۔''

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ روح کیا چیز ہے؟ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

''یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ فرما دیں کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے۔'' (بنی اسرائیل ۸۵)

اس باب میں بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے:

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں بے ہوش پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا۔ مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے مال کا کیا فیصلہ کروں؟ آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ میراث کی آیت نازل ہوئی۔''

---

* لطیفہ یہ ہے کہ مکے کے مشرکین بھی اپنے خود ساختہ الٰہوں کو الوہی صفات دیتے وقت اسی ''باذن اللہ'' کا سہارا لیتے ہوئے جھوٹے دعوے کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں یہ مقام خود ہی عطا کیا ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ان کے تلبیہ کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں:

لا شريك لك الا شريك هو لك تملكه وما ملك

''(اے اللہ!) تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو نے اپنے ساتھ خود شریک کر لیا۔''

(مسلم، کتاب الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها)

ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تمام تر معلومات کا سرچشمہ آسمانی وحی تھی اور دین کے تعلق سے آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، خواہ وہ احکام و فرائض ہوں یا اخبار غیب، ہر جگہ یہ وحی کارفرما ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کا قتل ہو یا بئر معونہ پر ستر قراء کی شہادت، یا سریہ عنا میں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا شہید کیا جانا ہو یا غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت ہو، یا نجاشی (شاہ حبشہ) کی طبعی موت، اس نوع کے جو جو حادثات وقتاً فوقتاً نبی ﷺ کی زندگی میں رونما ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کو بروقت یا قبل از وقت آگاہ فرمایا تو ان تمام اطلاعات غیب کا ذریعہ وحی تھا۔ نیز یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ کی رضا سے حسب ضرورت ہی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی ہر وقت نہیں، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جبریل علیہ السلام سے کہنے لگے آپ جس طرح (کبھی کبھی) ہمارے پاس آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ تو اس کے جواب میں آیت نازل ہوئی:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم: ۶۴)

"اور ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر (آسمان سے) نہیں اتر سکتے: اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ درمیان میں ہے: اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں۔" (بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ کھیعص باب قولہ وما نتنزل الا بامر ربک)

امام بخاری ہی کی درج ذیل حدیث میں یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جب ماہ صیام میں جبریل علیہ السلام قرآن سننے کے لیے ہر شب نازل ہوتے تو ان ایام میں آپ ﷺ کے مزاج گرامی میں کتنی خوشگوار تبدیلی رونما ہوتی:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب جبریل علیہ السلام اکثر آپ ﷺ سے ملتے رہتے تو آپ ﷺ اور دنوں کی نسبت زیادہ سخاوت کرتے۔ جبریل علیہ السلام رمضان میں ہر رات آپ سے ملتے اور رمضان کے اختتام تک آپ ﷺ ان کو قرآن سناتے تو جن دنوں جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے رہتے آپ ﷺ لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں چلتی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے۔ (بخاری: کتاب الصیام)

نبی ﷺ کی نگاہوں میں جبریل علیہ السلام کا جو مقام و مرتبہ حامل وحی فرشتے کی حیثیت سے تھا، مذکورہ احادیث سے روز روشن کی طرح عیاں ہے، لیکن بریلوی مکتب فکر کی تنگ نظری اور تعصب کو کیا کہیے کہ انہیں اہل کتاب کی طرح جبریل علیہ السلام کا نام لینا بھی گوارہ نہیں! اسی لیے تو فرماتے ہیں کہ "نبی ﷺ باذن اللہ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا؟" تاکہ لوگ یہ باور کرلیں کہ نبی ﷺ "واصل بحق" یعنی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ملے ہوئے تھے! (معاذ اللہ!)

چوتھی حدیث

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم و فیہ ادخل الجنۃ و فیہ اخرج منھا و لا تقوم الساعۃ الا فی یوم الجمعۃ

(مسلم: کتاب الجمعۃ، باب فضل الجمعۃ)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جن دنوں میں سورج نکلتا ہے ان میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے کہ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی میں جنت میں داخل ہوئے، اسی میں جنت سے نکالے گئے اور قیامت (بھی) جمعہ کے دن آئے گی۔"

اللہ کے آخری رسول ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو بھی ایک بڑی دلیل تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے علما اعلانیہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو قیامت کا علم تھا، اگر علم نہ ہوتا تو آپ ﷺ کیوں فرماتے کہ جمعہ کے دن آئے گی؟ افسوس تو اس بات کا ہے کہ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران: ۷۹) کے مصداق قرآن پڑھنا اور پڑھانا ان کا پیشہ ہے۔ قرآن کے ذریعے یہ لوگ کھاتے اور کماتے ہیں، لیکن اس پر ان کا ایمان نہیں ہے! قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الاعراف: ۱۸۷)

"(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی؟ آپ بتا دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی اس کو اس کے وقت مقررہ پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ایک بھاری بات ہے اور اچانک تم پر آ پڑے گی۔ یہ لوگ آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ کو اس کا خوب علم ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔"

یہ تو ہے قرآن کا بیان، خود نبی ﷺ نے بھی وقوع قیامت کے علم سے واضح الفاظ میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ بارزا یوما للناس فاتاہ رجل ...... (بخاری: کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی عن الایمان والاسلام والاحسان و علم الساعۃ ..... / کتاب التفسیر، سورۃ لقمان و مسلم کتاب الایمان)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص چلتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور رسولوں پر اور اس کی ملاقات پر (یعنی قیامت کے دن) اور مرنے کے بعد دوبارہ

ہی تجھے پرایمان لائے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا اے اللہ کے رسول! اسلام کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور صلوٰۃ قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا اے اللہ کے رسول! احسان کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اس طرح کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ نہ ہو سکے (تو احساس تجھے ضرور ہو) وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ پھر اس شخص نے پوچھا یہ بتایے کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں تجھ سے قیامت کی کچھ نشانیاں بیان کیے دیتا ہوں: ایک نشانی یہ کہ عورت اپنے مالک کو جنم دے گی (یعنی بیٹا اپنی ماں سے اس طرح سلوک کرے گا جس طرح لونڈی سے کیا جاتا ہے)، اور ایک نشانی یہ ہے کہ ننگے پاؤں پھرنے والے اور ننگے بدن والے (وحشی گنوار) لوگوں کے حاکم ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو قیامت کا معاملہ ان پانچ باتوں میں سے ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: (اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی) ''بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا'' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس جگہ اس کی موت واقع ہوگی؟ بے شک اللہ ہی علم والا اور خبر دار ہے۔'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت سن کر (نبی ﷺ سے سوال کرنے والا) وہ شخص لوٹ کر چل دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ۔ لوگ اسے بلانے گئے تو وہاں کوئی نہیں ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے، لوگوں کو دین کی باتیں سکھانے کے لیے آئے تھے۔

اس حدیث میں جبریل علیہ السلام کا یہ سوال کہ متی الساعۃ (قیامت کب آئے گی) اور نبی ﷺ کا یہ جواب کہ ما المسئول باعلم من السآئل (جس سے سوال کیا گیا وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا) زیر بحث مسئلے میں حرف آخر ہے۔ کوئی اسے تسلیم نہ کرے تو یہ بات الگ ہے۔ رہا مسلم کی مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ لاتقوم الساعۃ الا فی یوم الجمعۃ (یعنی قیامت نہ آئے گی مگر جمعہ کے دن)، تو یہ آپ ﷺ نے قیامت کی ایک اہم نشانی بتائی۔ اس سے قیامت کا صحیح وقت متعین نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ ﷺ نے تفصیلاً نہیں بتایا کہ قیامت فلاں صدی کے فلاں سن اور اس سن کے فلاں مہینے میں آئے گی اور نہ یہ بتلایا کہ مہینے کے فلاں جمعہ میں واقع ہوگی اور نہ یہ بتایا کہ جمعہ کی فلاں معین گھڑی میں واقع ہوگی .... لہٰذا ثابت ہوا کہ وقوع قیامت کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کی زبان وقلم سے یہ جملہ بھی نکل جاتا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو اپنے بعض غیوب کا علم عطا کیا''

لیکن درحقیقت انہوں نے امور غیب میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی بات نہ چھوڑی جسے نبی ﷺ سے منسوب نہ کیا ہو!

پانچویں حدیث

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ مر بوادی الازرق فقال ای واد ھذا فقالو ھذا وادی الازرق قال کانی انظر الیٰ موسیٰ علیہ السلام ھابطا من الثنیۃ ولہ جؤار الی اللہ بالتلبیۃ ثم اتی علیٰ ثنیۃ ھرشیٰ فقال ای ثنیۃ ھذہ قالوا ثنیۃ ھرشیٰ قال کانی انظر الیٰ یونس بن متیٰ علیٰ ناقۃ حمرآء جعدۃ علیہ جبۃ من صوف خطام ناقتہ خلبۃ وھو یلبی

(مسلم: کتاب الایمان باب الاسرآء)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ وادی ارزق سے گذرے تو پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وادی ارزق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو گھاٹی سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، وہ آواز سے لبیک پکار رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ ہرشی کی گھاٹی پر آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ ہرشی کی گھاٹی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گویا کہ میں یونس بن متی علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ رنگت والی پر گوشت اونٹنی پر سوار ہیں، اون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں اور لبیک پکار رہے ہیں۔

بریلوی مکتب فکر کے علماء مسلم کی یہ حدیث اپنے سٹیج پر بڑے ہی جذباتی انداز سے بیان کرتے ہیں بالخصوص کانی انظر الی موسیٰ (گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں)، کانی انظر الی یونس بن متی (گویا کہ میں یونس بن متی علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں) کے الفاظ پر بہت زور دیتے ہیں اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور ماضی، حال اور مستقبل کی ہر چیز آپ ﷺ کی نظروں میں ہے۔ حدیث کے ان الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا آسمان سے تارے توڑ کر لانے کے مترادف ہے کیونکہ یہ دونوں جملے حرف ''ک'' سے شروع ہو رہے ہیں جو کہ تمثیل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ انظر الی موسیٰ (میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں) یا انظر الی یونس بن متیٰ (میں یونس بن متی علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں)۔ کہ یہ لفظ اس صورتحال کو بیان کرتا ہے جب کوئی خیال دل میں اس طرح ڈالا جائے کہ پورا منظر سامنے آجائے اور ایسا محسوس ہو کہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ لہٰذا تمثیل کے ان الفاظ سے ہرگز یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اس موقع پر نبی ﷺ نے اپنی آنکھوں سے موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کو دیکھا۔ معراج کے موقع پر نبی ﷺ کا سابقہ انبیاء سے ملاقات کرنا اور بچشم سر ان کو دیکھنا تو برحق ہے کیونکہ آپ ﷺ بجسد عنصری آسمان پر تشریف لے گئے تھے اور جن انبیاء کو دیکھا وہ بھی اپنے اپنے برزخی جسم میں آسمان پر موجود تھے۔ لیکن زیر نظر حدیث میں جن مقامات کا ذکر ہے وہاں نہ تو موسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور نہ ہی یونس علیہ السلام۔ تو ثابت ہوا کہ زماں ومکاں کی قید سے آزاد خالصۃً یہ ایک الہامی واقعہ ہے یعنی نبی ﷺ نے حالت وحی میں موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کو لبیک پکارتے ہوئے دیکھا۔

یہ واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ جس طرح معراج کے بعد نبی ﷺ نے حطیم میں (کعبہ کے قریب) کھڑے کھڑے بیت المقدس کو دیکھا اور معراج کا انکار

کرنے والوں کو اس کی نشانیاں بتائیں، جیسا کہ بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا، تو میں اس کی نشانیاں ان کو بتانے لگا اور میں دیکھ رہا تھا اس کو۔
(بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ بنی اسرائیل / مسلم: کتاب الایمان باب الاسراء)

نیز مسلم کی ایک اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ حطیم میں کھڑے کھڑے نبی ﷺ نے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کو صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ حدیث یوں ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو حطیم میں پایا اور قریش مجھ سے میری سیر (معراج) کا حال پوچھ رہے تھے۔ تو انہوں نے بیت المقدس کی کئی چیزیں پوچھیں جن کو میں بیان نہ کر سکا۔ مجھے بڑا رنج ہوا، ایسا رنج کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا اور میں اس کو دیکھنے لگا۔ اب جو بات وہ پوچھتے میں بتا دیتا۔ اور میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں پایا۔ دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں۔ وہ ایک آدمی ہیں میانہ تن و توش کے گٹھے ہوئے جسم کے جیسے شنوءہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور دیکھا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو۔ وہ بھی کھڑے ہوئے صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ مشابہ ان کے عروہ بن مسعود ثقفی کو پاتا ہوں، اور دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ مشابہ ان کے تمہارے صاحب ہیں (آپ ﷺ نے اپنے تئیں فرمایا)۔ پھر صلوٰۃ کا وقت آیا تو میں نے امامت کی۔ جب صلوٰۃ سے فارغ ہوا تو ایک کہنے والے نے کہا: یہ جہنم کا داروغہ ہے مالک (فرشتہ) اس کو سلام کرو۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے خود پہلے سلام کیا۔ (مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء)

نیز بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ کی تباہی کا منظر بھی دیکھا۔ حدیث یہ ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا گویا میں کعبے کے گرانے والے کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک کالا بچہ اس کا ایک ایک پتھر اکھیڑ رہا ہے۔ (یہ قرب قیامت کی نشانی ہے) (بخاری: کتاب المناسک باب هدم الکعبة)

چنانچہ جس طرح بیت اللہ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نبی ﷺ نے بیت المقدس کو دیکھا اور انبیاء علیہم السلام وہاں صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا اور جس طرح آپ ﷺ نے قیامت کے قریب بیت اللہ کی تباہی کا منظر دیکھا اور ایک کالے کافر کو اس کا ایک ایک پتھر اکھیڑتے ہوئے دیکھا (حالانکہ حقیقت میں ابھی ایسا واقع نہیں ہوا تھا، صرف تمثیلاً بتایا)، بالکل اسی طرح آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کو لبیک پکارتے ہوئے دیکھا (اور ہر حدیث میں اس موقع کے لیے کانی انظر کے الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں)۔ اس طرح کے تمام واقعات کا تعلق وحی و الہام سے ہے۔ ان واقعات سے یہ ثابت کرنا کہ نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ماضی اور مستقبل کی ہر چیز آپ ﷺ کی نگاہوں میں ہے، انتہا درجے کی کج فہمی ہے۔

چھٹی حدیث

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اتانی اللیلة ربی تبارک وتعالیٰ فی احسن صورة قال احسبه قال فی المنام فقال یامحمد هل تدری فیما یختصم الملا الاعلیٰ قال قلت لا قال فوضع یده بین کتفی حتیٰ وجدت بردها بین ثدی او قال فی نحری فعلمت ما فی السموٰت وما فی الارض...... (ترمذی: کتاب التفسیر، سورۃ ص)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: رات کو میرا رب بہترین صورت میں میرے پاس آیا۔ (راوی نے کہا میرا گمان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا خواب میں (آیا)) اور فرمایا اے محمد! تجھے معلوم ہے ملاء اعلیٰ (مقرب فرشتے) کس معاملے میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کاندھوں کے بیچ میں رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی چھاتیوں میں محسوس کی یا یہ فرمایا کی اپنی ہنسلی میں۔ پھر مجھے معلوم ہو گیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔"

اس روایت کے متعلق خود امام ترمذی نے یہ تبصرہ کیا ہے:

یہ حدیث غریب ہے۔ حسن ہے اس سند سے۔ اور روایت کی یہ حدیث معاذ بن جبل نے نبی ﷺ سے اپنے طول کے ساتھ جس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں سو گیا اور خوب سو گیا تو میں نے دیکھا اپنے رب کو بہترین صورت میں ...... آخر حدیث تک۔

اس روایت کی بنیاد پر، جسے خود امام ترمذی نے غریب کہا ہے، بریلوی مکتب فکر کے علماء یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ پر کائنات کی ہر چیز روشن تھی یعنی آپ ﷺ کو ہر غائب و ظاہر چیز کا علم تھا، عرش معلی سے تحت الثریٰ تک کوئی چیز آپ ﷺ کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی ...... سب سے پہلے تو اس روایت کی حیثیت کا تعین ہو جائے۔ امام ترمذی نے اگرچہ اسے غریب کہا ہے لیکن فی الحقیقت یہ روایت منکر ہے کیونکہ یہ قرآن عزیز کی محکم آیات کے بھی خلاف ہے اور بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے متعارض۔ ترمذی کی مذکورہ روایت اور بخاری کی درج ذیل حدیث کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ فرق واضح ہو جاتا ہے:

عن مسروق قال قلت لعائشة رضی اللہ عنہا یاامتاه هل رای محمد ﷺ ربه فقالت لقد قف شعری مما قلت این انت من ثلاث من حدثکهن فقد کذب من حدثک ان محمد ﷺ رای ربه فقد کذب ثم قرات لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ومن حدثک انه یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرات وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا و من حدثک انه کتم فقد کذب ثم قرات يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الایة و لکن رای جبریل علیہ السلام فی صورته مرتین (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ النجم)

مسروق سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے اماں جان! کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا، تو وہ کہنے لگیں تمہارے اس سوال پر تو (خوف کے مارے) میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، کیا تم یہ تین باتیں نہیں جانتے کہ جو ان کا ہو بتلائے وہ جھوٹا ہے: جو کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے بعد انہوں نے آیت تلاوت کی:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

''آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔'' (الانعام ۱۰۳)

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (الشوریٰ ۵۱)

''کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا فرشتے کے ذریعے سے جو چاہے حکم دے۔''

پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جو کہے کہ محمد ﷺ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا؟ اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے بعد آپ نے آیت تلاوت کی:

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمٰن: ۳۴)

''کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا۔''

پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جو کہے کہ آپ ﷺ نے وحی سے کچھ چھپایا ہے اس نے جھوٹ کہا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ: ۶۷)

''اے رسول! آپ کے رب کی جانب سے جو وحی آپ پر نازل کی جاتی ہے اسے پہنچا دے۔''

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا) اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا ان کی اصلی صورت میں۔

بخاری کی اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فتویٰ کہ **من حدثک ان محمد ﷺ رای ربہ فقد کذب** (یعنی جس نے کہا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا پس تحقیق اس نے جھوٹ کہا) ترمذی کی زیر تبصرہ روایت کے منکر ہونے کے لیے کافی دلیل ہے کیونکہ ترمذی کی روایت سے رویت الٰہی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے جبکہ بخاری کی حدیث سے اس کی نفی ہو رہی ہے۔ نیز ترمذی کی زیر بحث حدیث کی رو سے اگر نبی ﷺ نے واقعی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان رکھا ہوتا اور اس کی تاثیر سے عالم ہست و بود کی ہر چیز آپ پر روشن ہو گئی ہوتی تو آپ ﷺ کی نبوی زندگی کے ایک ایک لمحے سے اس بات کا وافر ثبوت ملنا چاہیے تھا، جبکہ پوری زندگی کے واقعات اس کے برعکس ہیں۔ مثلاً:

(۱) سورۃ المنافقون کی تفسیر میں بخاری نے کئی احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک یہ ہے: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوے میں (نبی ﷺ کے ساتھ) تھا۔ میں نے عبداللہ بن اُبی منافق کو یہ کہتے سنا کہ لوگو! تم ایسا کرو، اللہ کے رسول کے ساتھ جو لوگ (مہاجرین) ہیں ان کو خرچ کے لیے کچھ نہ دو، وہ خود بخود اللہ کے رسول کو چھوڑ جائیں گے۔ (اور اس ذلیل نے یہ بھی کہا کہ) اگر ہم اس لڑائی سے لوٹ کر مدینہ پہنچے تو دیکھ لینا عزت والے ذلت والوں کو نکال باہر کر دیں گے (مردود نے اپنے آپ کو عزت والا اور نبی ﷺ اور مہاجرین کو ذلت والا کہا)۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ باتیں اپنے چچا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بتا دیں۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیان کیں۔ آپ ﷺ نے مجھے بلوایا۔ میں نے عبداللہ بن ابی سے جو کچھ سنا تھا بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلوایا اور ان سے پوچھا تو وہ بالکل مکر گئے۔ قسمیں کھانے لگے ہم نے ایسا نہیں کہا۔ آپ ﷺ نے مجھے جھوٹا سمجھا اور عبداللہ بن ابی کو سچا۔ مجھے اتنا رنج ہوا کہ ویسا رنج کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ میں غم کے مارے گھر میں بیٹھ رہا۔ میرے چچا کہنے لگے ارے تو نے یہ کیا کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تجھے جھوٹا سمجھا۔ اس وقت سورۃ المنافقون نازل ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بلایا اور یہ سورۃ پڑھ کر سنائی اور فرمایا:

ان اللہ قد صدقک یا زید

''اے زید! بے شک اللہ نے تجھے سچا ثابت کیا۔''

غور فرمایئے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اُبی کے منہ سے جو کچھ سنا من وعن نبی ﷺ سے بیان کر دیا، لیکن عبداللہ بن اُبی نے آپ ﷺ کے روبرو قسمیں کھائیں تو آپ ﷺ نے اس کی بات کا اعتبار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۃ المنافقون کی صورت میں وحی نازل ہوئی اور اس میں عبداللہ بن اُبی نے جو کہا تھا لفظ بلفظ بیان کر دیا گیا، تب اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہوا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ آپ ﷺ پر اگر ان مسلک پرستوں کے بقول کائنات کی ہر چیز روشن تھی تو کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سچے صحابی کو جھوٹا جانا اور جھوٹے منافق کو سچا (جب تک وحی کے ذریعے حقیقت نہ بتا دی گئی)؟

(۲) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند سے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے ہم عورتوں کو صدقہ کا حکم دیا ہے، تو جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ اگر ایک عورت اپنے خاوند کو صدقہ دے تو جائز ہے یا نہیں؟ (اس سوال کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ ایک مالدار خاتون تھیں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مفلس) تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تم خود ہی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا کر پوچھ لو (کیونکہ خود پوچھنے میں تو ان کے لیے شرم کا موقع ہوتا)۔ چنانچہ میں نبی ﷺ کے دروازے پر آئی تو دیکھا وہاں ایک اور عورت کھڑی ہے اور جو میں پوچھنے آئی تھی وہ بھی وہی مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ اتنے میں بلال رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے ان سے کہا: نبی ﷺ سے پوچھو کہ اگر ایک عورت اپنے خاوند اور ان یتیم بچوں کو جو اس کی پرورش میں ہیں صدقہ (زکوٰۃ) دے تو صحیح ہے؟ (خاوند کی غیرت کے خیال سے) ہم نے بلال رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید بھی کر دی کہ نبی ﷺ کے سامنے ہمارا نام نہ لینا۔ چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ اندر گئے اور نبی ﷺ سے عرض کیا کہ باہر دو عورتیں کھڑی ہیں جو یہ سوال پوچھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا **من ھما** ''وہ عورتیں کون ہیں؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا ایک ان میں سے زینب ہے اور دوسری ایک انصاری عورت۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: **ای الزیانب** یعنی کونسی زینب (کیونکہ صحابیات میں اور بھی اس نام کی کئی عورتیں تھیں)۔ بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا: عبداللہ بن

مسعود کی بیوی ہے۔ تب آپ ﷺ نے جواب دیا: اس کو اپنے خاوند اور یتیم بچوں کو صدقہ (زکوٰۃ) دینے میں دوہرا ثواب ہے، ایک رشتہ داری کا اور دوسرا صدقے کا۔ (بخاری: کتاب الزکوٰۃ / مسلم: کتاب الزکوٰۃ)

غور فرمایے کہ نبی ﷺ اور دروازے پر کھڑی عورتوں کے درمیان ہزاروں میل کی مسافت نہیں بلکہ بیچ میں صرف مٹی کی ایک دیوار یا کپڑے کا پردہ حائل ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ بلال ؓ سے پوچھ رہے ہیں: وہ کونسی عورتیں ہیں؟ بلال ؓ کے بتانے پر آپ ﷺ دوبارہ استفسار فرماتے ہیں کہ کونسی زینب ہے؟ جب واضح طور پر بتایا گیا کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کی بیوی ہے، تب آپ ﷺ نے ان کے سوال کا جواب دیا۔ اگر کائنات کی ہر چیز آپ ﷺ پر روشن ہوتی تو آپ ﷺ کو بار بار پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ بلال ؓ کے بولنے سے پہلے ہی فرما دیتے کہ مجھ پر سب کچھ روشن ہے، میں پس دیوار اور پس پردہ دیکھ رہا ہوں، عبداللہ بن مسعود کی بیوی ایک عورت کے ساتھ آئی ہے اور میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کیا سوال پوچھنا چاہتی ہے، جاؤ اسے یہ جواب دے دو...... اگر حقیقتاً ایسا ہی ہوتا تو بلال ؓ کو بھی معلوم ہو جاتا اور ان عورتوں کے علم میں بھی یہ بات آجاتی کہ نبی ﷺ پر کائنات کی ہر چیز عیاں ہے اور انہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس کہ نبی ﷺ کے اصحاب ہونے کے باوجود وہ لوگ اس بات سے بے خبر ہی رہے!

(۳) عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ سوار آپ ﷺ کو روحا کے مقام پر ملے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: مَنِ الْقَوْمُ "کون لوگ ہو؟" انہوں نے جواب دیا: اَلْمُسْلِمُوْنَ "ہم مسلمان ہیں"۔ وہ لوگ پوچھنے لگے مَنْ اَنْتَ "آپ کون ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: رَسُوْلُ اللهِ یعنی میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان میں سے ایک عورت نے اپنے بچے کو ہاتھ سے بلند کیا اور آپ ﷺ سے پوچھنے لگی: کیا اس بچے کا حج صحیح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں صحیح ہے اور تجھے اس کا ثواب ہے۔ (مسلم: کتاب الحج باب صحۃ حج الصبی ...)

نبی ﷺ کے لیے اولین و آخرین کا علم ثابت کرنے والے اور اس عقیدے کا پرچار کرنے والے کہ آپ ﷺ پر کائنات کی ہر چیز روشن تھی اور آپ ﷺ کو وحی کے بغیر ہی ہر چیز کا علم تھا، اس ایمان افروز واقعے پر غور فرمائیں کہ اس میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے ان کا تعلق نہ تو اولین سے ہے نہ آخرین سے بلکہ آپ ﷺ کے ہم عصر ہیں جو صرف آپ ﷺ کی دعوت سن کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں دیکھا تھا اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ سفرِ حج میں اتفاق سے ملاقات ہو گئی تو نہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو پہچانا اور نہ اللہ کے رسول ﷺ ہی ان کو پہچان سکے۔ اور آج ان مسالک کے پرستاروں کا یہ حال ہے کہ لوگوں پر اپنی بزرگی جتانے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کو پہچان لیا اور آپ ﷺ نے بھی ہمیں پہچان لیا، میں نے سلام عرض کیا تو میرا نام لے کر جواب دیا، میں نے اپنے کانوں سے سنا، میرا نام لے کر فلاں فلاں ارشاد فرمایا......

(۴) جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ وہاں سے لوٹے تو میں ایک سست رفتار اونٹ پر سوار تھا۔ میں نے دیکھا پیچھے سے ایک سوار نے آ کر لکڑی سے میرے اونٹ کو ٹھوکا دیا۔ وہ اچھے تیز اونٹ کی طرح چلنے لگا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: مَا يُعْجِلُكَ "تجھے کاہے کی جلدی ہے؟" میں عرض کیا: نئی نئی شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اَبِكْرًا اَمْ ثَيِّبًا "کنواری ہے یا ثیبہ ہے؟" میں نے کہا: ثیبہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کنواری سے کیوں نہ کی؟ وہ تجھ سے کھیلتی تو اس سے......" (بخاری: کتاب النکاح باب الثیبات)

غور فرمایے کہ جابر ؓ نبی ﷺ کے صحابی ہیں۔ مدینہ میں ہی قیام پذیر ہیں۔ وہیں انہوں نے شادی کی لیکن نبی ﷺ کو اس شادی کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ نیز جس عورت سے جابر ؓ نے شادی کی، اس کا تعلق بھی اسی زمان و مکاں سے تھا اور اسی شہر میں رہتی تھی لیکن نبی ﷺ کو اس کا حال معلوم نہیں کہ وہ کنواری ہے یا ثیبہ۔ جابر ؓ نے انکشاف کیا تب آپ ﷺ کو حقیقتِ حال کا علم ہوا۔

(۵) انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے۔ ان پر زردی کا نشان تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی۔ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے بتایا کہ انہوں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: مہر کیا دیا؟ انہوں نے بتایا کہ گٹھلی برابر سونا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔

(بخاری: کتاب النکاح باب الصفرۃ للمتزوج)

عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی شادی خانہ آبادی کا واقعہ بھی اسی دورِ سعید کا ہے جب اللہ کے آخری رسول ﷺ اس دنیا میں موجود تھے اور مہاجرین و انصار کے درمیان مدینہ میں رہتے تھے جو اس وقت چھوٹا سا شہر تھا۔ لیکن آپ کو اس شادی کی کانوں کان خبر نہ ہوئی اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ عورت کو مہر میں کیا چیز دی گئی؟ یہ ساری تفصیلات عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے بتانے پر ہی آپ ﷺ کے علم میں آئیں۔ نیز اس واقعے میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ نبی ﷺ کے سوال پر عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو ذرا بھی تعجب نہ ہوا کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔ اگر ان کا یہ ایمان نہ ہوتا اور ان مسلک پرستوں جیسا عقیدہ رکھتے تو وہ یقیناً نبی ﷺ سے عرض کرتے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے، زمین و آسمان کی ہر چیز آپ ﷺ پر روشن ہے، پھر ہم سے کیوں پوچھتے ہیں؟

(۶) عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد ایک رات نبی ﷺ کی آنکھ کھل گئی اور نیند اچاٹ ہو گئی (کیونکہ ان دنوں کفار کے حملے کا شدید خطرہ تھا)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کاش میرے اصحاب میں سے کوئی نیک بخت آج کی رات میری حفاظت کرے! عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ اتنے میں ہم کو (گھر کے قریب) ہتھیاروں کی آواز سنائی دی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: مَنْ هٰذَا "یہ کون ہے؟" آواز آئی: سعد بن ابی وقاص ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا:

مَا جَاءَ بِكَ "کیوں آئے ہو؟" تو انہوں نے عرض کیا: مجھے اللہ کے رسول کے بارے میں کچھ ڈر سا محسوس ہوا، لہٰذا میں آپ کی حفاظت کرنے آیا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی۔

(مسلم، کتاب الفضائل، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

کون ہے؟ کیوں آئے ہو؟ اس قسم کے سوالات سے کیا یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر ہر چیز روشن تھی؟

(۷) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ جب آپ ﷺ بیت الخلاء سے نکلے تو پوچھا: مَنْ وَضَعَ هٰذَا "یہ پانی کس نے رکھا ہے؟" لوگوں نے بتایا یا خود میں نے ہی کہا: "ابن عباس نے رکھا ہے"۔ تو آپ ﷺ نے ان الفاظ میں دعا دی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ "اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔"

(مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما)

پانی کا برتن تو نظر آ گیا کیونکہ آنکھوں کے سامنے ہی پڑا تھا لیکن کس نے رکھا، یہ معلوم نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لے کر بتایا گیا تب آپ ﷺ کو معلوم ہوا۔ نبی ﷺ کے لیے کائنات کی ہر شے عیاں سمجھنے کے دعویدار مسلک پرست ذرا اس حدیث پر غور فرمائیں۔

(۸) سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خیبر کے لیے نکلے۔ اللہ نے خیبر کو فتح کروا دیا۔ جس دن خیبر فتح ہوا، اس کی شام کو لوگوں نے بہت آگ جلائی۔ اللہ کے رسول ﷺ پوچھنے لگے: مَا هٰذِهِ النِّيْرَانُ عَلٰى اَيِّ شَيْءٍ تُوْقِدُوْنَ "یہ آگ کیسی ہے اور کیا چیز پکائی جا رہی ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: گوشت پکا رہے ہیں۔ آپ ﷺ پھر سوال کیا: عَلٰى اَيِّ لَحْمٍ "کس چیز کا گوشت پکایا جا رہا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا: بستی (خیبر) کے گدھوں کا (یہ گدھے مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے تھے)۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ گوشت بہا دو اور ہانڈیاں توڑ ڈالو (کیونکہ گدھے کا گوشت حرام ہے)۔ ایک شخص نے عرض کیا: (اگر) ہم گوشت بہا دیں اور ہانڈیاں دھو لیں (تو بہتر ہوگا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی کر لو۔

(مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیة)

بد عقیدگی کی حد ہو گئی! کہتے ہیں زمین و آسمان کی ہر چیز نبی ﷺ کے علم میں تھی۔ اللہ کے بندو! زمین و آسمان تو بہت وسیع و عریض چیزیں ہیں، چھوٹی سی ایک ہانڈی کے اندر کیا ہے؟ اس کے متعلق بھی نبی ﷺ کو دریافت کرنا پڑا کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ ہے۔ نبی ﷺ کی یہ صفت نہیں ہے۔

(۹) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں شراب کی ایک مشک تحفہ میں لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے؟ وہ کہنے لگا: نہیں۔ اس نے ایک اور آدمی کے کان میں کوئی بات کی تو آپ ﷺ نے پوچھا: بِمَا سَارَرْتَهُ "تو نے اس سے کیا سرگوشی کی؟" دوسرا شخص بولا: میں نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ شراب کو بیچ ڈال۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس اللہ نے شراب کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کر دی ہے۔ یہ سن کر پہلے شخص نے مشک کا منہ کھول دیا۔ پس جو کچھ اس میں تھا سب بہہ گیا۔

(مسلم، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم بیع الخمر)

غور فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو اس موقع پر "اولین و آخرین" پر مشتمل اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق نہیں، بلکہ صرف دو آدمی تھے۔ اور ان میں اور آپ ﷺ کے درمیان زمین و آسمان کا بُعد بھی نہیں تھا بلکہ وہ نبی ﷺ کے قریب ہی بیٹھے تھے لیکن اتنے قریب ہونے کے باوجود آپ ﷺ کو قطعاً معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے آپس میں کیا سرگوشی کی ہے۔ اسی لیے تو آپ ﷺ کو استفسار کرنا پڑا۔ خیر اس واقعے کا تعلق تو نبی ﷺ کی زندگی سے ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد عقیدے کا حال یہ ہو گیا ہے کہ ضعیف اور موضوع روایات کی بنیاد پر ان تمام مسالک نے امت کے اندر یہ بات مشہور کر دی کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس درود و سلام پڑھا جائے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جائے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ سبحان اللہ! جب زندگی میں آپ ﷺ سامنے بیٹھے دو آدمیوں کی سرگوشی تک نہ سن سکے تو وفات کے بعد لاکھوں کروڑوں انسانوں کا پڑھا جانے والا درود و سلام بیک وقت کیونکر سننے لگے اور آنحالیکہ آپ ﷺ کی روح مبارک بھی قبر میں نہیں ہے بلکہ جنت کے سب سے اعلیٰ و ارفع مقام (الوسیلہ) میں ہے۔

(۱۰) یہ تو دو آدمیوں کی آپس کی سرگوشی کا معاملہ تھا۔ حدیث میں تو آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کے سامنے آواز بلند نہ کرنے سے متعلق سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے جب کچھ عرض کرتے تو اتنے آہستہ سے بات کرتے جیسے کوئی کان میں بات کرتا ہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ کو ان کی بات سنائی نہ دیتی تو آپ دوبارہ پوچھتے کہ کیا کہا؟

(بخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من التعمق)

نبی ﷺ کو ان کی قبر میں زندہ سمجھ کر وہاں سلام کرنے اور اس سلام کے سننے اور جواب دینے کے دعویدار ذرا اس حدیث پر غور فرمائیں۔

(۱۱) رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں گابھ لگاتے یعنی پیوند کاری کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم لوگ یہ کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ لوگوں نے پیوند کرنا چھوڑ دیا جس سے کھجور کی پیداوار گھٹ گئی۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے اس نقصان کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ

وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ

''میں تو ایک بشر ہوں۔ جب دین کی کوئی بات بتلاؤں تو اس پر عمل کرو اور جب اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو آخر میں ایک بشر ہوں۔''

(مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعا)

(۱۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو کھجور کے درختوں کو پیوند کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ لوگوں نے چھوڑ دیا۔ کھجور خراب نکلی۔ (پھر کسی وقت) آپ ﷺ ادھر سے گذرے۔ پوچھا تمہارے درختوں کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ﷺ ہی نے ایسا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا:

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ

''تم اپنے دنیا کے کاموں کو بہتر جانتے ہو۔'' (ایضاً)

(۱۳) بخاری و مسلم کی ایک طویل حدیث میں ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ بیان ہوا ہے جو واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے یعنی اس میں اس تہمت کا ذکر ہے جو منافقین نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر عائد کی تھی۔ وہ لوگ ایک ماہ تک اس کا چرچا کرتے رہے۔ بالآخر سورۃ النور کی دس آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی ظاہر کر دی۔ خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ حدیث مروی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ ﷺ جب سفر میں جاتے تو اپنی ازواج پر قرعہ ڈالتے۔ قرعہ میں جس بی بی کا نام نکلتا اس کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایک لڑائی (غزوہ بنی مصطلق) میں آپ ﷺ جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے قرعہ ڈالا تو میرا نام نکلا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ میں ہودے میں سوار رہتی۔ جب اترتی تو ہودے سمیت اتاری جاتی۔ خیر جب آپ ﷺ لڑائی سے فارغ ہوئے اور سفر سے لوٹے تو ہم لوگ مدینے کے قریب آ پہنچے۔ ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ لشکر کو کوچ کا حکم دیا گیا۔ میں اٹھی اور لشکر سے باہر نکل گئی۔ جب رفع حاجت کے بعد واپس آئی تو خیال کیا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا تھا۔ میں اس کو ڈھونڈنے لگی اور ڈھونڈنے میں دیر ہو گئی۔ اتنے میں وہ لوگ آن پہنچے جو میرا ہودا اٹھایا کرتے تھے۔ وہ سمجھے کہ میں ہودے کے اندر بیٹھی ہوں (کیونکہ اس وقت آپ کا وزن بہت کم تھا)۔ چنانچہ انہوں نے ہودہ اٹھایا اور میرے اونٹ پر لاد دیا۔ اور اونٹ لے کر چل دیے۔ جب سارا لشکر چل دیا تو اس وقت میرا ہار ملا۔ میں جو لشکر کے ٹھکانے پر آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ وہاں آدمی کا نام نہیں۔ میں نے سوچا جب لشکر کے لوگ مجھ کو نہ پائیں گے تو میری تلاش میں یہیں آئیں گے۔ چنانچہ میں اسی جگہ بیٹھ کر اونگھنے لگی۔ میری آنکھ لگ گئی۔ لشکر کے پیچھے ایک شخص (صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ) مقرر تھا۔ وہ پچھلی رات کو چلا آ رہا تھا۔ صبح اس جگہ پہنچا جہاں میں پڑی ہوئی تھی اس نے مجھ کو دیکھ کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی۔ اس کے سوا اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ اس نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ بیچارہ پیدل چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم لشکر میں اس وقت پہنچے جب مین دوپہر کی گرمی کی شدت میں لوگ اترے ہوئے تھے۔ اب لوگوں نے طوفان اٹھایا۔ اس طوفان کا بانی عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ ہم مدینہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک ماہ تک بیمار رہی۔ لوگ طوفان اٹھانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے۔ لیکن مجھے کچھ خبر نہ ہوئی۔ ایک ذرا سا شک ہوا کیونکہ نبی ﷺ کی پہلے جیسی مہربانی مجھ پر نہیں رہی تھی۔ میں بیماری سے صحت یاب ہو گئی۔ لیکن ابھی ناتواں ہی تھی کہ ایک رات میں مسطح رضی اللہ عنہ کی ماں کے ساتھ رفع حاجت کے لیے باہر گئی تو اس نے طوفان اٹھانے والوں کی باتیں مجھ سے بیان کیں۔ میں پہلے ہی سے بیمار تھی، اس بہتان کی خبر پا کر اور زیادہ بیمار ہو گئی۔ اپنے حجرے میں لوٹ کر آئی اور نبی ﷺ سے اجازت لے کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ ماں سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے مجھے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن میں ساری رات روتی ہی رہی۔ نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی۔ اس طرح روتے روتے صبح ہو گئی۔ صبح کو اللہ کے رسول ﷺ نے علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ آپ ﷺ ان سے میرے چھوڑ دینے کا مشورہ لینا چاہتے تھے کیونکہ وحی نازل ہونے میں دیر ہو گئی تھی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے تو یہی کہا کہ میں ایسی ناپاک باتوں سے پاک ہوں۔ البتہ علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا رنج دیکھ کر آپ کی تسلی کے لیے یہ کہا: اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں کی کچھ کمی ہے؟ عائشہ کے سوا بہت سی عورتیں موجود ہیں۔ ذرا آپ لونڈی (بریرہ رضی اللہ عنہا) سے پوچھیں، وہ سچ سچ بتا دے گی۔ لونڈی سے پوچھا گیا تو اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے تو کوئی بات عائشہ کی ایسی نہیں دیکھی جس پر میں عیب لگا سکوں۔ یہ سن کر اسی دن آپ ﷺ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن اُبی کے مقابل مدد چاہی۔ فرمایا: مسلمانو! کون میری حمایت کرتا ہے اور کون میری مدد کرتا ہے اس شخص کے مقابل جس نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی ہے؟ اللہ کی قسم میں تو اپنے گھر والوں کو نیک ہی گمان کرتا ہوں اور جس شخص سے تہمت لگائی گئی اس کو بھی اچھا ہی سمجھتا ہوں۔ اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج کے لوگ آپس میں لڑ پڑیں۔ آپ ﷺ منبر پر ہی تھے اور ان کو سمجھاتے رہے اور باہم دست و گریبان ہونے سے روکتے رہے یہاں تک کہ وہ لوگ خاموش ہو گئے اور نبی ﷺ بھی خاموش ہو گئے۔ اس دن سارا دن میرا ایسی حال رہا کہ نہ آنسو تھمتے تھے نہ نیند آتی تھی۔ میرے ماں باپ سمجھے تھے کہ رو رو کر میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ اسی حالت میں اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے بیٹھ کر تشہد پڑھا پھر فرمایا: اما بعد! عائشہ مجھ کو تیری نسبت ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ اگر تو پاک ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تیری پاک دامنی بیان کر دے گا اور اگر واقعی تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگ کیونکہ جب کوئی بندہ اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش

دیتا ہے۔ جب آپ ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو یکایک میرے آنسو تھم گئے۔ میں نے اپنے والد (ابوبکر ؓ) سے کہا کہ آپ اللہ کے رسول کو جواب دیجیے۔ وہ بولے: اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا: آپ اللہ کے رسول کو جواب دو۔ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتی کہ کیا جواب دوں۔ آخر میں خود ہی جواب کے لیے مستعد ہوئی۔ میں ایک کمسن لڑکی تھی، قرآن بھی کچھ زیادہ یاد نہ تھا، (اس کے باوجود) میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ یہ بات آپ لوگوں نے سنی ہے اور آپ کے دل میں جم گئی ہے اور آپ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں۔ اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، جب بھی آپ مجھے سچا نہیں جانیں گے۔ اور میں ایک گناہ کا اقرار کر لوں، جو میں نے نہیں کیا، تو آپ مجھے سچا جانیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنی تمہاری مثال ایسی ہی سمجھتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد کی تھی۔ انہوں نے یہی کہا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ یعنی صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری باتوں پر اللہ میری مدد کرنے والا ہے۔ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ یہ کہہ کر میں نے اپنے بچھونے پر کروٹ بدل لی۔ مجھ کو یہ یقین تھا چونکہ میں بے قصور ہوں اللہ تعالیٰ ضرور میری پاکی ظاہر کرے گا۔ اللہ کی قسم! پھر ایسا ہوا کہ نہ اللہ کے رسول ﷺ جس جگہ بیٹھے تھے وہاں سے سرکے اور نہ گھر میں جو لوگ تھے ان میں سے کوئی باہر گیا اور آپ ﷺ پر وحی آنا شروع ہوئی۔ معمول کے مطابق آپ ﷺ پر سختی ہونے لگی اور پسینہ موتیوں کی طرح آپ ﷺ کے بدن سے ٹپکنے لگا حالانکہ وہ سردی کا دن تھا۔ جب وحی کی حالت موقوف ہوگئی، دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ پھر پہلی بات آپ ﷺ نے یہی فرمائی: عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے پاک کر دیا۔ میری ماں نے یہ سن کر مجھ سے کہا: اٹھو! آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو کبھی نہ اٹھوں گی، میں تو اپنے رب کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری پاکدامنی ظاہر کی، تم لوگوں نے تو یہ بات سن لی، نہ اس کو غلط کہا نہ رد کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ دس آیات نازل فرمائیں:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ ...... تا ...... وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ☆

(بخاری: کتاب التفسیر سورۃ النور باب إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ / مسلم: کتاب التوبۃ)

یہ مسلک پرست دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمان و زمین کی ہر چیز نبی ﷺ کے علم میں تھی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اس دعوائے علم غیب میں اگر رتی برابر بھی صداقت ہوتی تو افک کا واقعہ بھی رونما نہ ہوتا نہ ہی نبی ﷺ اس ویران مقام پر ام المومنین عائشہ ؓ کو تنہا چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں کوچ کرتے اور نہ منافقین کو تہمت لگانے کا موقع ملتا۔ واقعہ افک رونما ہونا ہی اس بے بنیاد دعوے کی تردید کے لیے کافی دلیل ہے۔

ادھر ان لوگوں کا اتنا بڑا دعویٰ کہ جو آسمان و زمین کی حدود کے اندر سما نہیں سکتا اور ادھر اللہ کے رسول ﷺ کا یہ حال کہ اس غیر متوقع صورت حال سے انتہائی مضطرب اور پریشان ہیں۔ آپ ﷺ کا اضطراب اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ام المومنین عائشہ ؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں اور اس سلسلے میں اسامہ بن زید اور علی ؓ سے صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ وہ پاکدامن عورت جس کے کردار کے حوالے سے آپ ﷺ کے دل میں کبھی شک کا گذر نہیں ہوا، اب اس کے متعلق لونڈی (بریرہ ؓ) سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ کے شب و روز اسی پریشانی اور اضطراب میں گذر رہے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ عائشہ ؓ کے پاس آتے ہیں اور ان سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

> ''اے عائشہ! اگر واقعی تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتا ہے۔''

کیا یہ الفاظ اس بات کی کوئی بھی گنجائش چھوڑتے ہیں کہ نبی ﷺ کو آسمان و زمین کی ہر بات کا علم تھا؟ پھر یہ بھی دیکھیے کہ عائشہ ؓ امت کے سب سے بڑے ولی (ابوبکر صدیق ؓ) کی بیٹی ہیں اور یہ ساری گفتگو ان کے روبرو ہو رہی ہے۔ لیکن ان کو بھی اس سلسلے میں کوئی الہام نہ ہوا کہ اس کی روشنی میں وہ نبی ﷺ کے روبرو اپنی بیٹی کی تائید و حمایت کرتے۔ منافقین کے اٹھائے ہوئے طوفان کے سبب اللہ کے رسول ﷺ ہی آزردہ نہیں بلکہ بھی اہل ایمان افسردہ ہیں اور صرف ام المومنین عائشہ ؓ ہی کا حجرہ ویران نہیں ہوا بلکہ مدینہ کی ساری فضا سوگوار ہے۔ عائشہ ؓ جیسی چہیتی بیوی اپنے بہت ہی مہربان شوہر کی محبت سے

☆ ''بے شک جن لوگوں نے یہ طوفان باندھا ہے، تم ہی میں سے ایک جماعت ہے۔ اس کو تم اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تو تمہارے لیے بہت اچھا (ثابت ہوا) ہے۔ اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے، اس کو بڑا عذاب ہوگا۔ جب تم نے وہ بات سنی تھی تو ایمان والے مردوں اور عورتوں نے اپنے جی میں اچھا گمان کیوں نہ کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ صریح طوفان (اٹھایا گیا) ہے۔ یہ (افترا پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے لیے چار گواہ کیوں نہ لائے۔ تو جب یہ گواہ نہ لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہی جھوٹے ٹھہرے۔ اور اگر دنیا و آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس (افترا پردازی) کام میں تم لگ گئے تھے تو اس کی وجہ سے تم پر بڑا سخت عذاب نازل ہوتا۔ جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی باتیں نکالتے تھے جن کا تم کو کچھ بھی علم نہ تھا اور تم اس کو ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔ اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ (اے اللہ) تو پاک ہے اور یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا نہ کرنا اگر واقعی ایمان والے ہو۔ اور اللہ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر واضح کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی (یعنی اس بہتان کی خبر) پھیلے، ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ ہوتا مگر وہ کریم ہے) اور یہ کہ اللہ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔'' (سورۃ النور: ۱۱-۲۰)

محروم ہو کر اپنے والدین کے گھر آ بیٹھی۔ وہ پاکباز عورت کہ جو اپنی شیریں کلامی کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کو خوش کر دیتی تھی، آج خود اس کا رو رو کر برا حال ہے۔ آنسوؤں کی برسات تھمتی ہی نہیں۔ شدت غم سے کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ لیکن اس دکھ کا مداوا کسی کے پاس نہیں۔ اللہ کی تقدیر کے آگے بھی بے بس اور عاجز نظر آتے ہیں اور اسی بے بسی اور بے چینی کے عالم میں ایک مہینے سے زیادہ وقت گذر جاتا ہے۔ بالآخر اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ جبریل امین وحی لے کر نازل ہوتے ہیں اور سورۃ النور کے رکوع ثانی کی دس آیات سناتے ہیں۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کو یقین آتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بے قصور ہیں۔ افک کے اس اذیت ناک واقعے سے نبی ﷺ کے گھرانے پر غم واندوہ کا جو پہاڑ ٹوٹا اور جس کرب و بے چینی کے عالم میں آپ ﷺ اور آپ کے اہل بیت نے پورا ایک مہینہ بسر کیا، اس کا تصور ہی ہر صاحب ایمان کے لیے حد درجہ روح فرسا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں اسلام کے نام لیواؤں کے لیے جو سامان عبرت مضمر ہے، اس کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے۔ دیکھیے کس طرح اللہ تعالیٰ نے پیارے رسول ﷺ کو غیر معمولی حالات سے دوچار کر کے دنیا والوں پر ثابت کر دیا کہ رسول ﷺ نہ تو مختار کل ہوتا ہے اور نہ ہی عالم الغیب، بلکہ ان صفات واختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ اور اس نوع کے بے شمار واقعات جو روز مرہ کی زندگی میں نبی ﷺ کو پیش آئے تو ان کے پیچھے اسی خالق لوح وقلم کی مشیت کارفرما تھی جس نے آپ ﷺ کو منصب رسالت پر فائز فرما کر تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ تو جن لوگوں کی جانب آپ ﷺ کو ہادی و رسول بنا کر بھیجا گیا، انہی لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی اور آپ کے گھر کی بدنامی اور جگ ہنسائی ہرگز مطلوب نہیں تھی بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان واقعات کی روشنی میں دنیا والوں کو خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے درمیان وہ فرق صاف صاف نظر آ جائے جس سے صرف نظر کر کے یہود ونصاریٰ ضلالت وگمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے۔ دوسری طرف ان منافقوں کے چہرے بھی صاف نظر آ جائیں جن کے دھوکے اور فریب کا شکار کچھ مخلص مومن بھی ہو گئے۔ نیز اللہ کے آخری رسول ﷺ کی پاک زندگی کے یہ دلخراش واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے ہی ہم تک پہنچے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی جو محبت اور جو عزت ووقار تھا، وہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے ان مخلص بندوں نے سیرت پاک کے یہ گوشے اجاگر کیے ہیں تو اس سے بھی ان کا مدعا یہی تھا کہ بعد میں آنے والے کہیں حب رسول میں غلو کر کے رسول ﷺ کو رب کا درجہ نہ دے دیں۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزا**

(۱۴) ایک غزوہ سے واپسی کے موقع پر بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گر گیا جس کو ڈھونڈنے کے لیے نبی ﷺ ٹھہر گئے اور اس کی تلاش میں آدمی روانہ کیے۔ پڑاؤ ایسی جگہ ڈالا گیا جہاں پانی نہیں تھا اور خود لشکر میں بھی پانی موجود نہیں تھا۔ ہار کے ساتھ ساتھ پانی کی بھی تلاش ہو رہی تھی۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر طعنہ دیتے ہیں کہ تمہاری بیٹی کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ یہاں جنگل میں بغیر پانی کے پڑے ہوئے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آ کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سخت کلامی کرتے ہیں جبکہ نبی ﷺ محو استراحت تھے۔ صبح جب بیدار ہوئے تو پانی نہ تھا۔ صلوٰۃ کے لیے وقت تنگ ہونے لگا تو تیمم کے احکامات نازل ہو گئے۔ جب کوچ کیا جاتا ہے تو ہار عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے نیچے ہی دبا ملتا ہے۔

(بخاری: کتاب التیمم کی پہلی روایت)

غور فرمایئے! اگر ان مسلک پرستوں کے دعوے کے مطابق نبی ﷺ پر کائنات کی ہر چیز روشن ہوتی تو یہ واقعہ وقوع پذیر ہوتا؟ اللہ کے رسول ﷺ اس طرح جنگل بیابان میں اپنے ساتھیوں کو مشقت میں ڈالتے؟ اپنے گھر والوں کو طعنے دلواتے؟ پانی اور ہار کی تلاش میں بلامقصد دوڑ دھوپ کرواتے؟ خود ہی فرما دیتے کہ تمہارا ہار یا اونٹ کے نیچے دبا پڑا ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

پچھلے اوراق میں سیرت پاک کے حوالے سے جتنے واقعات نقل کیے گئے ہیں وہ اسی زمین پر پیش آئے جو بنی آدم کا مسکن ہے۔ چونکہ ترمذی کی زیر تبصرہ روایت کے حوالے سے بریلوی مکتب فکر کا دعویٰ یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی نہیں بلکہ آسمان کی ہر چیز بھی نبی ﷺ کے علم میں تھی — اس لیے اس دعوے کی تردید میں ایک ایسا سبق آموز واقعہ ملاحظہ فرمائیں جو نبی ﷺ کے ساتھ آسمان پر پیش آیا، جسے واقعہ معراج کے نام سے جانا جاتا ہے:

(۱۵) حدیث میں یہ واقعہ تفصیلاً درج ہے۔ زیر بحث موضوع کی مناسبت سے یہاں صرف اس گفتگو کا ذکر کیا جاتا ہے جو نبی ﷺ اور جبریل امین علیہ السلام کے درمیان آسمانوں پر ہوئی جبکہ نبی ﷺ کی ملاقات مختلف انبیاء علیہم السلام سے ہوتی ہے اور آپ ﷺ ہر دفعہ یہی پوچھتے ہیں کہ: **مَن هذا** "یہ کون ہے" اور جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ: **هذا آدم** "یہ آدم ہیں" **هذا ادریس** "یہ ادریس ہیں" **هذا موسیٰ** "یہ موسیٰ ہیں" **هذا عیسیٰ** "یہ عیسیٰ ہیں" **هذا ابراهيم** "یہ ابراہیم ہیں"۔ (بخاری: کتاب الصلوٰۃ / مسلم: کتاب الایمان)

موازنے کے طور پر ترمذی کی زیر تبصرہ روایت کے الفاظ ایک مرتبہ پھر نقل کیے جاتے ہیں۔ بقول راوی نبی ﷺ نے فرمایا

فعلمت ما في السموات وما في الأرض

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب اپنا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ لیکن معراج کے موقع پر نبی ﷺ اور جبریل علیہ السلام کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ اس موقع پر کسی ایک نبی کو بھی نہیں پہچان سکے۔ اسی لیے بار بار جبریل علیہ السلام سے پوچھتے رہے کہ یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟..... چنانچہ ترمذی کی جس منکر روایت کی بنیاد پر یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ نبی ﷺ پر آسمانوں اور زمین کی ہر چیز روشن تھی، بخاری ومسلم کی محولہ بالا صحیح حدیث نے اس روایت کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ابھی بھی اگر کسی کے دل میں شک ہو تو حدیث معراج کے یہ الفاظ بھی

پڑھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

ثُمَّ انطَلَقَ بِي حَتَّى انتَهَى بِي إِلَى السِّدرَةِ المُنتَهَى وَغَشِيَهَا أَلوَانٌ لَا أَدرِي مَا هِيَ

"پھر جبریل علیہ السلام مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا اور اس (سدرۃ) کو کئی طرح کے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا وہ کیا ہے۔"

لا ادری ما ھی (میں نہیں جانتا وہ کیا ہے) کے الفاظ سے نبی ﷺ نے خود ہی اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا۔ مزید تبصرے کی گنجائش ہی نہیں۔ البتہ نبی ﷺ کے اس فیصلے پر مہر تصدیق کے طور پر قرآن پاک کی یہ آیات ملاحظہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام: ۵۰)

"(اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس غیب کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ (نوری مخلوق) ہوں، (بلکہ) میں تو اس (علم) کی اتباع کرنے والا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں؟ تم لوگ کیوں غور نہیں کرتے؟"

قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ (النمل: ۶۵، ۶۶)

"(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ زمین اور آسمانوں میں جو لوگ ہیں، وہ اللہ کے سوا غیب کے جاننے والے نہیں اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ انہیں کب (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔ بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم ختم ہو چکا، بلکہ وہ تو اس سے شک میں ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔"

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

(الحجرات: ۱۸)

"بیشک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ دیکھتا ہے۔"

ترمذی کی ایک منکر روایت کے جواب میں قرآن کی بے شمار محکم آیات میں سے صرف یہ تین آیات نقل کی ہیں اور بخاری و مسلم کی چند صحیح روایات پیش کی ہیں اور ساتھ ہی ان آیات و احادیث پر آسان و عام فہم تبصرہ بھی کر دیا گیا جن سے غلط استدلال کر کے بے سروپا تاویلات کے ذریعے یہ مسلک پرست نبی ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ یہاں نبی ﷺ کی زندگی کے کچھ واقعات ہی پیش کیے گئے ہیں ورنہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ اب آخر میں دو اہم باتوں کی وضاحت کرنی ہے۔

ایک جاہلانہ بحث

اہل مسلک کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ نبی ﷺ کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے جس میں آدم علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، ملک الموت اور شیطان بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ ایک مولوی صاحب کے حوالے سے آغاز تحریر میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اور اسی عقیدے کی جھلک تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ مسلک دیوبند کی ترجمان کتاب "المهند على المفند" (یعنی عقائد علماء دیوبند) مؤلفہ مولوی خلیل احمد سہارنپوری، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور کے صفحات ۵۵ تا ۵۷ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اور بہت سے مہمل دعووں کی طرح یہ دعویٰ بھی ان دونوں حضرات نے محض نبی ﷺ کے ساتھ اظہار محبت کی خاطر کیا ہے ورنہ اس کی اصل کوئی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے اور ہر صاحب شعور اس موقف کو تسلیم بھی کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب کی ہر چیز ایک خاص مقصد کے تحت تخلیق فرمائی ہے۔ لہٰذا اس حکیم و دانا رب نے جو چیز جس مقصد کی خاطر پیدا کی ہے، اسے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری علم، شعور اور صلاحیت بھی عطا کی ہے۔ اللہ کے بندوں کو صراط مستقیم سے بہکانا اور انہیں جہنم کا ایندھن بنانا شیطان کا مشن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے روز جزا تک مہلت بھی دی ہے اور کچھ علم بھی۔ اس کائنات میں بسنے والی بے شمار مخلوقات میں سے کون کس جگہ ہے اور کس طرح اس کی جان قبض کرنی ہے، اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری علم بھی ودیعت کیا ہے اور اس کام کی طاقت بھی۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جن و انس کا ہادی اور رہبر بنا کر بھیجا تو ہر نبی کو نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے اپنے اپنے ماحول اور عصری تقاضوں کے مطابق مناسب علوم عطا فرمائے۔ واقعہ خضر اور موسیٰ علیہما السلام اس کا بیّن ثبوت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عصر نو کے تقاضوں کے مطابق مناسب علم و حکمت سے بہرہ ور کیا۔ گویا کہ ہر ذی حیات کو اس کے مقصد تخلیق کی مناسبت سے موزوں علم عطا کیا گیا، نہ کم نہ زیادہ۔ لہٰذا یہ دعویٰ کہ نبی ﷺ کو ساری خلقت سے زیادہ علم عطا کیا گیا، ایک غیر ضروری بحث ہے، اور نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

لا تفضلوا بين أنبياء الله

"اللہ کے نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔"

(بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ...)

عطائی اور ذاتی علم کی بحث

بریلوی مکتب فکر نے نبی ﷺ کے لیے "اولین و آخرین" کے علم کا جواز پیدا کرنے کے لیے ایک عرصے سے عطائی اور ذاتی علم کی بحث چھیڑ رکھی ہے۔ یعنی ان کا موقف یہ ہے کہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ پر زمین اور آسمان

کی ہر چیز روشن تھی اور ماضی، حال اور مستقبل کی ہر بات آپ ﷺ کے علم میں تھی لیکن یہ لامحدود علم آپ ﷺ کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیا تھا۔ جبکہ قرآن مجید میں اللہ کا واضح ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ (الانعام: ۵۰)

”(اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس غیب کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ (نورانی مخلوق) ہوں؛ (بلکہ) میں تو اس (حکم) کی اتباع کرنے والا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔“

اس آیت سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام معلومات وحی کے مرہون منت تھیں یعنی کہ جس چیز کے متعلق وحی نازل ہوئی وہ بلاشبہ آپ ﷺ کے دیۂ علم میں آ گئی اور جس چیز کے بارے میں وحی خاموش رہی وہ بدستور پردہ غیب ہی میں رہی۔ چنانچہ کہنا پڑے گا کہ ذاتی اور عطائی علم کی بحث محض نبی ﷺ کے لیے لامحدود علم ثابت کرنے اور آپ ﷺ کو اللہ کا ہمسر بنانے کے لیے چھیڑی گئی ہے ورنہ اس کا کوئی جواز نہیں۔ اور یہ بالکل اسی طرح کا شرک ہے جو مسلم کی پچھلے اوراق میں بیان کی گئی حدیث میں منقول ہے کہ مشرکین مکہ تلبیہ پڑھتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں مگر جسے تو نے اپنے ساتھ خود شریک کر لیا (یعنی یہ منصب تو نے اسے ”عطا“ کر دیا) مطلب یہ کہ ان کے جھوٹے الہوں کا منصب ان کے زعم میں ذاتی نہیں بلکہ ”عطائی“ تھا۔ العیاذ باللہ!

الحاصل

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کا دارومدار وحی پر ہے اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں کسی بھی لحاظ سے کوئی بھی شریک نہیں، نہ ذاتی طور سے نہ عطائی طور سے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ سے محبت کا لازمی تقاضہ ہے کہ ان کا بتایا اور سکھایا ہوا دین اختیار کریں، ان پر نازل شدہ آخری کتاب ہدایت اور نبی ﷺ کی تعلیمات جو صحیح احادیث میں ہیں ان کو حرف آخر سمجھیں اور ان سے باہر اور ان کے خلاف ہر بات کو باطل اور قابل رد سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے:

اور رسول ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ (بات) قابل رد ہے۔“

(بخاری: کتاب الصلح، باب اذا صلحوا علی صلح جور فالصلح مردود)

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ہر قسم کے شر سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔ آمین



بقیہ: حدیث دل

کر کے ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ ان کی معاشرتی و اخلاقی خرابیوں کو اختیار کرنے میں یہ ایک طرح کا فخر سا محسوس کرتے ہیں جبکہ سنت کو اختیار کرنے میں اہانت محسوس کرتے ہیں۔ دین کے اس بنیادی تقاضے سے ان کی بے رغبتی اور بے اعتنائی کی یہ حد ہے کہ اپنی زندگیوں سے اس کے نشان کھرچ کھرچ کر مٹا ڈالنا چاہتے ہیں، اگر کوئی مدھم سا نشان باقی رہ جائے تو انہیں شرمندگی اور ندامت کی فکر کھائے جاتی ہے اور یہ ان کی بارگاہوں میں صفائیاں پیش کرتے رہتے ہیں...... ان کا رہن سہن، تمدن و معاشرت، معاش و معیشت، ان کا لباس، اوڑھنا بچھونا، چہرہ مہرہ، ان کے رواج و رسومات، شادی بیاہ، خوشی و غمی کی تقریبات، ہر چیز پر اللہ کے دشمنوں کا رنگ بری طرح سے چھا گیا ہے جبکہ ایمان والوں کو تو اللہ کے رنگ میں رنگنا تھا کہ اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں (البقرہ: ۱۳۸)؛ اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے کو ہر معاملے میں اپنانا تھا کہ اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جیسا کہ فرمایا:

و خیر الهدی هدی محمد ﷺ

”اور بہترین طریقہ تو محمد ﷺ کا طریقہ ہے“

انہیں آخرت کی فکر کرنی تھی کہ وہی اصل ٹھکانہ ہے۔ مگر اس سے تو یکسر غفلت اختیار کر لی گئی اور دنیا کی رنگینیوں، دلفریبیوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اب آنکھوں کے نظارے، کانوں کے سریلے بول، زبان کے ذائقے، منہ کے چٹخارے، کام و دہن کی لذت، نت نئے فیشن، طرح طرح کے لباس، نفس پرستی و تن آسانی، تعیشات کے پیچھے بھاگنا، جو کہ اسی یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا جنہیں قرآن میں مغضوب وضالین بتایا گیا اور جن کے راستے سے بچنے کی ایک مومن دن میں تیس بتیس مرتبہ دعا کرتا ہے، آج گویا ان کا مقصد بن گیا ہے! جس طرح احبار و رہبان، مولویوں اور پیروں کے چنگل میں پھنس کر، ان کی عبادت گاہوں سے کی جانے والی تبلیغ سے اس کلمہ گو نے توحید و شرک، سنت و بدعت کی تمیز کھو دی اور متاع ایمانی کے ساتھ اپنا مال اور عزت بھی برباد کی، اسی طرح سے ان سیاسی و معاشرتی رہزنوں کے دام فریب میں آ کر اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے کی جانے والی زہریلی تشہیر جس کو اہل اقتدار کی پوری پوری سرپرستی بھی حاصل ہے، حرام و حلال، جائز و ناجائز کی شناخت ان سے جاتی رہی اور انہیں دنیا کا حریص اور نفس کا بندہ بنا ڈالا۔ ہر دو صورت میں تباہی یقینی ہے، جلد یا بدیر یہ قوم اپنے انجام کو پہنچ کر رہے گی (العیاذ باللہ)! اس بدانجامی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اس راستے کی طرف مراجعت اختیار کی جائے جس کی نشاندہی مذکورہ آیت و حدیث میں کی گئی ہے، یعنی اپنی زندگیاں اللہ کے رنگ میں رنگ لیں، اپنے ایمان کا تزکیہ کریں، عقائد کو ہر آلائش سے پاک کر لیں، سنت کے راستے کو اپنا لیں، اپنی زندگی کا ہر کام اس طریقے پر کرنے کی کوشش کریں جس طرح سے اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ نے کیا، اپنی سیرت و کردار کی اسوہ حسنہ کے خطوط پر تعمیر کریں کہ یہی کامیابی کا راستہ ہے، یہی فلاح کا راستہ ہے ؏ جنت سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

نذر و نیاز

ابو عبداللہ، لیاقت آباد، کراچی

نذر عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے۔ المنجد میں اس کے معنی یہ بتائے گئے ہیں:

اوجب علی نفسہ مالیس بواجب، یقال نذر مالہ، و نذر علی نفسہ للہ من المال کذا، ای اوجب علی نفسہ شرعا من عبادۃ او صدقۃ او غیر ذلک

(المنجد مطبوعہ دارالمشرق، بیروت)

"اپنے اوپر ایسی چیز کا واجب کرنا جو لازم نہ ہو، جیسے کہا جاتا ہے: اس نے اپنا مال نذر کیا یا اس نے خود پر مال میں سے اللہ کے لیے کچھ نذر کرلیا۔ یعنی اس نے اسے بلا معاوضہ اپنی جان پر بطور عبادت، صدقہ وغیرہ لازم کرلیا۔"

اور القاموس الوحید (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور) میں اس کے درج ذیل معنی کیے گئے ہیں:

"کوئی چیز اپنے اوپر لازم کرلینا، نذر ماننا، منت ماننا (یہ کہ اس کا فلاں کام ہوگیا تو وہ اتنا مال غریبوں کو دیگا، وغیرہ)، اپنا مال وقف کرنا، کسی کام کو کرنے کا عہد کرنا، کسی کام کے لیے وقف کرنا۔"

مصباح اللغات (مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی)، قاموس القرآن (مطبوعہ دار الاشاعت، کراچی)، القاموس الجدید (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)، وغیرہ میں بھی اس کے معنی نذر ماننا، غیر واجب کو اپنے اوپر واجب کرنا، منت وغیرہ کیے گئے ہیں۔

اس کے مقابلے میں "نیاز" فارسی لفظ ہے جس کے معنی فرہنگ فارسی (مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)، لغات کشوری (مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی)، جامع اللغات (مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)، فیروز اللغات (مطبوعہ فیروز سنز لاہور)، نور اللغات (صابب پبلشرز، کراچی) وغیرہ میں حاجت، احتیاج، خواہش، آرزو، رغبت، ضرورت، انکساری، عاجزی، تبرک، نذر، منت، بھینٹ، التجا وغیرہ آئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "نذر" اور "نیاز" دو مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔ اردو زبان میں بھی یہ الفاظ انھی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

مودودی صاحب اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

"نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی مراد کے بر آنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اوپر لازم کرلے جو اس کے ذمے فرض نہ ہو۔ اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو اور اللہ سے مانگی گئی ہو اور اس کے بر آنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کے لیے ہو، تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت میں ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو، تو ایسی نذر کا ماننا معصیت اور اس کا پورا کرنا موجب عذاب ہے۔" (تفہیم القرآن، جلد ۱، صفحہ ۲۰۹)

نذر و نیاز کا تصور بہت قدیم ہے اور تقریباً ہر مذہب میں اس کا وجود ملتا ہے۔ خوشنودی، رضامندی و تقرب کے حصول کے لیے ہر دور میں نذر و نیاز کی جاتی رہی ہے۔ آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل و قابیل کی نذر (المائدہ ۵: ۳۱)، عمران کی بیوی کا اپنی ہونے والی اولاد کو اللہ کی نذر کرنے (آل عمران ۳: ۳۵)، مریم کی نذر صوم (مریم ۱۹: ۲۶) کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔

نبی ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم لوگ نذر نہ مانا کرو اس لیے کہ نذر تقدیر کو دور نہیں کرسکتی، البتہ اس نذر سے بخیل سے اس کا مال نکال لیا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ، باب النذور)

حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان نقل کیا جاتا ہے کہ نذر دو طرح کی ہے: جو شخص اللہ کی اطاعت میں نذر مانے تو یہ اللہ کے لیے ہے جسے پورا کرنا چاہیے، اور جو نذر کسی گناہ میں کی جائے تو یہ نذر شیطان کے لیے ہے جس کو پورا نہ کیا جائے اور اس کا کفارہ قسم کے کفارے کی طرح (یعنی تین روزے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا) ہے۔ (نسائی بحوالہ مشکوٰۃ، باب النذور)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اپنی بہن کے متعلق پوچھا کہ اس نے ننگے سر اور ننگے پاؤں پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کو حکم کرو کہ وہ اپنا سر ڈھانپے اور سوار ہوجائے اور چاہیے کہ تین روزے رکھے۔

(ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ایضاً)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ ایضاً)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور نہ اس چیز میں جس کا وہ مالک نہیں۔ اور ایک روایت

میں ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں نذر پوری کرنا جائز نہیں۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ایضاً)

اس سے ثابت ہوا کہ نذر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے کاموں ہی کی ماننی چاہیے اور ایسی نذریں پوری کرنا واجب ہے۔ اہل جنت کے اوصاف میں ایک وصف نذروں کا پورا کرنا بھی ہے جس کا قرآن میں بیان ہے۔ (الدھر: ۷) ایسی نذریں واجب ہونے کے بعد بمنزلہ قرض کے ہو جاتی ہیں جن کی ادائیگی اگر زندگی میں نہ ہو سکے تو ورثاء اسے پورا کریں گے۔ سعد بن عبادہ ﷜ کی والدہ کے ذمے بھی ایسی ہی کوئی نذر تھی جو وہ جیتے جی پوری نہ کر سکیں تو ان کے مرنے کے بعد سعد بن عبادہ ﷜ نے اسے پورا کیا۔ (صحیحین وغیرہ کی کتاب النذر والایمان) سعد بن عبادہ ﷜ کی روایت مختلف الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں آئی ہے اور یہ منت ہی سے متعلق ہے۔ اسی سے غلط استدلال کرتے ہوئے لوگ میت کو ایصال ثواب کا جواز کشید کرتے ہیں۔ مذکورہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معصیت و گناہ کے کاموں کی نذر ماننا بھی گناہ ہے جن کا پورا کرنا بھی جائز نہیں۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے تو کم ہی کوئی نذر مانی جاتی ہوگی، جبکہ غیر اللہ کو خوش کرنے اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر و نیاز کا تصور عام ہے۔ یہ تصور زمانہ قدیم میں بھی تھا۔ چنانچہ بتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے نام جانور نذر کیے جاتے تھے جنہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ نام دیے جاتے تھے۔ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المائدۃ) اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے اسے کافروں کی جاہلانہ باتیں قرار دیا۔ (المائدۃ: ۱۰۳) اسی سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی خوشنودی کے حصول کے لیے نذر و نیاز کرنا کافروں کی سی جاہلانہ روش ہے۔ یہ لوگ غیر اللہ کے نام پر صرف جانور ہی منسوب نہ کرتے تھے بلکہ کھیتی باڑی وغیرہ میں بھی ان کے حصے مقرر کیے جاتے تھے۔ تاہم اللہ کے لیے بھی حصہ نکالا جاتا تھا، لیکن اس تقسیم میں ان کا جو طرز عمل ہوتا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان کیا ہے:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ ......

...... قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ (الانعام: ۱۳۶، ۱۴۰)

”ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے، بزعم خوش، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے۔ پھر جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ! .... کہتے ہیں یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں، حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور بار برداری حرام کر لی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے، اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے۔ عنقریب اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام، لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں انہوں نے گھڑ لی ہیں۔ ان کا بدلہ اللہ انہیں دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ حکیم ہے اور سب باتوں کی اسے خبر ہے۔ یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کیا اور اللہ کے دیے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرا لیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز وہ راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے۔“

مشرکین مکہ کا یہ مشرکانہ طرز عمل آج کی مسلمان کہلانے والی امت میں بھی پایا جاتا ہے۔ اللہ کے سوا اس کے بندوں کی خوشنودی و رضا کے لیے اللہ کے دیے ہوئے رزق سے حصے مقرر کیے جاتے ہیں۔ ان کے نام نذر و نیاز کی جاتی ہے۔ کہیں عبدالقادر جیلانی کے نام کی گیارہ ربیع الثانی کی ”گیارہویں شریف“ ہے، تو کہیں امام جعفر صادق کے ۲۲ رجب کے کونڈے و کھیر پوری وغیرہ، کہیں حسین ﷜ کے نام کا محرم و چہلم کا مالیدہ و شربت، حلیم و بریانی، چھولے و شیرمال، مٹھائی و فیرنی وغیرہ تو کہیں اویس قرنی کے نام ۱۴ شعبان کا حلوہ وغیرہ، کہیں ۱۳ صفر کے تیرہ تیزی کے چھولے ہیں تو کہیں ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی کے پکوان و مٹھائی وغیرہ، کہیں بی بی کی صحنک تو کہیں دس بیبیوں کے لڈو، اور کہیں مردہ بزرگوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اور کھیتی میں مقرر کیے ہوئے حصے ...... غرض انواع و اقسام کی نذر و نیاز کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اللہ کے بجائے اس کے بندوں کے نام کی جاتی ہیں۔ بعض کے ساتھ تو بالکل مشرکین عرب والا انداز اپنایا جاتا ہے: سورۃ الانعام کی مذکورہ بالا آیت کے مطابق جس طرح مشرکین نے نذر غیر اللہ میں مختلف قیدیں لگا رکھی تھیں مثلاً غیر اللہ کے نام منسوب کیے جانے والے جانوروں کی اولاد صرف مرد کھا سکتے تھے اور عورتوں کے لیے وہ ممنوع تھی لیکن اگر اولاد مردہ پیدا ہو تو دونوں کھا سکتے تھے: اسی طرح ان نام نہاد مسلمانوں کی خود ساختہ جناب سیدہ اور دس بیبیوں کی کہانی کی نیاز صرف عورتیں کھا سکتی ہیں، مرد نہیں، جمعرات کی شیرینی معصوم بچے کھا سکتے ہیں بڑے نہیں، جعفر صادق کے کونڈے گھر کے ایک مخصوص کونے میں کھائے جا سکتے ہیں باہر نہیں۔

غیر اللہ کے نام کی جانے والی ان نذر و نیاز کا اتنا التزام کیا جاتا ہے کہ مشرکین مکہ بھی اپنی نذروں کا ایسا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ کیا عالم ہے کہ اپنے عقائد کی اصلاح اور اس کے بعد صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کی تو کوئی پرواہ بھی نہیں کی جاتی، برس کے برس گذر جائیں اور مالک کے سامنے ایک سجدہ نہ کیا جائے اور اس جرأت رندانہ پر دل میں کوئی خوف و خطر بھی نہ گذرے لیکن اگر گیارہویں کی دیگ چڑھانے میں کوتاہی ہوئی تو ”شیخ صاحب“ کی ناراضگی اور کسی بڑے نقصان کا اندیشہ جان کا روگ بن جاتا ہے۔ اور ہر طرح سے اس نیاز کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے خواہ قرض ہی لینا پڑے۔ ۱۲ ربیع الاول کو نبی ﷺ کی نیاز دلانے کے لیے اگر کچھ بھی نہ مل سکے تو چنے اور گڑ تو گھر میں ہوتا ہی ہے، اسی پر نیاز دلا دیتے ہیں۔ (انفاس العارفین ص ۱۰۶) خواہ یہ مذکورہ نیازیں ہوں یا ہر جمعرات کو بچوں کے

ساتھ تقسیم کرائی جانے والی شیرینی، مزارات میں مدفون ہستیوں کے نام کا "جمعرات بھری مراد" کا کھاجہ ہو یا ان کے آستانوں کا نذرانہ، مزارات پر باباؤں کے نام لٹایا جانے والا لنگر ہر جمعرات کا ہو یا تو چندی جمعرات (یعنی مہینے کی پہلی جمعرات) کا یا سالانہ عرس کا، لوگ اسے تبرک اور ثواب کی چیز سمجھ کر بڑے شوق اور رغبت سے حاصل کرتے ہیں، بلکہ اس کے لیے خوب چھینا جھپٹی بھی ہوتی ہے جس میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ برابر حصہ لیتی ہیں۔ اس نذر غیر اللہ کے لیے دکانوں پر غلے اور پیٹیاں رکھی ہوتی ہیں جن پر اس مخصوص نیاز کے چندے کی اپیل لکھی ہوتی ہے۔ اس نذر غیر اللہ کے لیے چندہ جمع کرنے کی خصوصی مہمیں شروع کی جاتی ہیں (اس کے لیے ڈھول باجوں کے ساتھ ایک گروہ قریہ قریہ اور گلی گلی چکر لگاتا ہے) اور لوگوں کو "ثواب دارین" کی خوشخبری سنا کر اس نذر غیر اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے چرب زبان نمائندے و سفراء رکھے جاتے ہیں جو نہ صرف اپنی عبادت گاہوں میں بلکہ طول وعرض میں گھوم پھر کر چندہ جمع کرتے ہیں۔ اس نذر غیر اللہ کے لیے چڑھائی جانے والی سینکڑوں دیگوں کی تصویریں اور نذر کرنے والے کا نام اخباروں میں نمایاں کرکے چھپایا جاتا ہے۔ وزراء اور سیاستدان بھی غیر اللہ کی نذر و نیاز کو اپنی سیاست چمکانے کا ذریعہ بناتے ہیں، بڑی بڑی دعوتیں کی جاتی ہیں، پوسٹروں، بینروں وغیرہ کے ذریعے خوب خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ اور ان سب کاموں کو دین کی خدمت اور کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کی کتاب تو اس نذر غیر اللہ کے متعلق کچھ اور ہی حکم بیان کرتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرۃ: ۱۷۲، ۱۷۳)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ، اور اگر اللہ کی بندگی کرتے ہو تو پھر اسی کا شکر بجا لاؤ۔ اس نے تو تم پر مرا ہوا جانور، خون، سور کا گوشت اور وہ چیز حرام کر دی ہے جو اللہ کے سوا کسی اور سے منسوب کر دی جائے۔ البتہ جو ناچار ہو جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد ضرورت سے باہر نہ نکلے۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ

(المائدۃ: ۳)

"(اے ایمان والو!) تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور خنزیر کا گوشت اور جو چیز اللہ کے سوا کسی دوسرے سے منسوب کر دی جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے۔ یہ سب حرام ہیں۔ اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں اور وہ جانور بھی جو کسی آستانے پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔ یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔"

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(الانعام: ۱۴۵)

"(اے نبی!) کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے، حرام نہیں پاتا بجز اس کے وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا خون یا خنزیر کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ اور اگر کوئی مجبور ہو جائے، لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے، تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔"

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(النحل: ۱۱۴، ۱۱۵)

"پس اللہ نے جو حلال پاک رزق تمہیں دیا ہے اسے کھاؤ اور اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو تو اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اس نے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور اس چیز کو حرام کر دیا ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے سے منسوب کر دی جائے۔ ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ نہ کرے اور حد سے نہ نکلے، تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

مذکورہ بالا آیات میں ایمان والوں کو حلال اور پاک چیزیں کھانے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر چار چیزیں حرام کی ہیں: (۱) مردار (۲) بہتا ہوا خون (۳) خنزیر کا گوشت (۴) ہر وہ چیز جو غیر اللہ سے منسوب ہو۔ حلال اور پاکیزہ چیزوں کے بیان میں ان کو بطور استثناء بیان کرکے انہیں حرام اور ناپاک کہا گیا، جن سے ایمان والوں کو بچنے کا حکم دیا۔ یہ چار حرام اور ناپاک چیزیں ایمان والے استعمال نہیں کر سکتے مگر صرف اضطراری حالت میں۔ یعنی جب ایسا وقت آ پڑے کہ کھانے کو کچھ نہ ہو اور بھوک سے مر جانے کا اندیشہ ہو تو اسے دو شرائط کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے: اول یہ کہ گناہ کا خیال نہ ہو (یعنی حرام سے لطف اندوز ہونے کی نیت نہ ہو بلکہ صرف جان بچانے کا خیال ہو) دوسرے حد سے تجاوز نہ ہو۔ (یعنی کراہت و مجبوری کے ساتھ صرف اتنی مقدار استعمال کی جائے کہ جس سے جان بچ جائے تاکہ پھر حلال و طیب رزق کی تلاش کی جا سکے)۔ اگرچہ احادیث میں ایسی کوئی قدغن نہیں ملتی تاہم اصولی قاعدہ یہی ہوتا ہے کہ جس ترتیب سے تحریم ہو اسی ترتیب سے تحلیل ہو۔ یعنی اضطراری حالت میں موت سے بچنے کے لیے اگر مذکورہ چار حرام چیزیں استعمال کرنے کا موقع آ جائے تو اسی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جان بچانے کی حد تک پہلے مردار کھایا جائے، اگر یہ دستیاب نہ ہو تو بہتا ہوا سیال خون (دل، جگر، کلیجی، تلی،

گردے جو کہ بہتے ہوئے خون کی شکلیں ہیں (اس تحریم سے مستثنیٰ ہیں)، اور اگر یہ بھی نہ ملے تو خنزیر کا گوشت۔ لیکن اگر بالفرض یہ تینوں چیزیں بھی نہ مل سکیں تو پھر آخری درجے میں وہ چیز کھائی جاسکتی ہے جو غیر اللہ سے منسوب ہو۔ لیکن اس امت کا طرزِ عمل دیکھیے کہ اول الذکر تین چیزیں تو حرام سمجھی جاتی ہیں لیکن چوتھی چیز بغیر کسی اضطراری حالت (جس میں مذکورہ بالا شرائط پر حرام حلال ہوجاتا ہے) کے حلال بلکہ ثواب اور تبرک سمجھی جاتی ہے۔ یعنی مذکورہ بالا آیات کا انکار وردِ انکار: حرام کو حلال کردیا، گناہ کو ثواب بنادیا اور حد سے تجاوز کیا۔ اس ناجائز کو جائز کرنے کی مختلف کوششیں کی جاتی ہیں۔ پہلی کوشش احبار ورہبان کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے مراد وہ جانور ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا چاروں آیتوں میں وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا ترجمہ رضا خاں بریلوی صاحب نے یہی کیا ہے اور ان کے مفسر نعیم مراد آبادی صاحب نے تفسیری فوائد میں بھی یہی بات بیان کی ہے:

(1) ''اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا''

ف: مسئلہ: جس جانور پر وقتِ ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے خواہ تنہا یا خدا کے نام کے ساتھ عطف سے ملا کر وہ حرام ہے۔ مسئلہ: اور اگر نام خدا کے ساتھ غیر کا نام بغیر عطف ملایا تو مکروہ ہے۔ مسئلہ: اگر ذبح فقط اللہ کے نام پر کیا اور اس سے قبل یا بعد غیر کا نام لیا مثلاً یہ کہا کہ عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کا دنبہ یا جس کی طرف سے وہ ذبیحہ ہے اس کا نام لیا یا جن اولیاء کے لیے ایصالِ ثواب منظور ہے، ان کا نام لیا تو یہ جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔

(تفسیر احمدی)(کنز الایمان، ص۔۳۲ مطبوعہ قدرت اللہ کمپنی، لاہور)

(2) ''اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا'' (ص۔۱۳۷ ایضاً)

ف: ''وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو وہ حرام نہیں جیسے کہ عبداللہ کی گائے، عقیقے کا بکرا، ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا منظور ہو ان کو غیر وقتِ ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو، اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال وطیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے اور خود آیت ان کے معنی کو بننے نہیں دیتی کیونکہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ کو اگر وقتِ ذبح کیساتھ مقید نہ کریں تو مَا ذَكَّيْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقتِ ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو وہ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سے حلال ہوگا۔ غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں۔'' (ص۔۲۷، ۱۸۹ ایضاً)

(3) ''یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا'' (ص۔۱۸۹ ایضاً)

(4) ''اور وہ جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا۔'' (ص۔۳۹۳ ایضاً)

ف: یعنی اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔'' (ایضاً)

غیر اللہ کے نام ذبح کرنا بیشک ممنوع ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

لعن اللہ من لعن والدہ و لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ و لعن اللہ من اٰوی محدثا و لعن اللہ من غیر منار الارض

(مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالٰی و لعن فاعله)

''اللہ نے لعنت کی اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے اور اللہ نے لعنت کی اس پر جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اور اللہ نے لعنت کی اس پر جو بدعتی کو جگہ دے اور اللہ نے لعنت کی اس پر جو زمین کے نشانوں کو مٹادے۔''

لیکن آیات مذکورہ میں صرف غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنے کا ہی بیان نہیں ہے کیونکہ ''اُهِلَّ'' کے معنی کسی بھی عربی لغت میں ذبح کرنے کے نہیں بیان ہوئے۔ ذبح کے لیے سورۃ المائدۃ کی مذکورہ بالا آیت میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کہہ کر اس کا علیحدہ سے بیان ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں ذبح کے معنی بھی لیے جاسکتے ہیں لیکن ''مَآ'' کے صلے نے اسے عام کردیا ہے اور اس میں ہر چیز داخل ہے خواہ جسے ذبح کیا جاسکتا ہو یا نہ کیا جاسکتا ہو۔ ''اُهِلَّ'' ماضی مجہول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ''منسوب کیا گیا'' (قاموس القرآن مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)۔

یعنی جس کی نسبت، اضافت اور تعلق کسی دوسرے اسم کی طرف ہو۔ ''وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' کا مطلب ہوگا کہ ہر وہ چیز جو اللہ کے غیر یعنی اس کے سوا کسی دوسری ہستی سے منسوب کردی جائے۔ اس لفظ اُهِلَّ کی معروف ترکیب روزمرہ زبان میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے جیسے اہل ایمان، اہل قرآن، اہل حدیث، اہل مکہ، اہل محلہ، اہل علم وغیرہ۔ یعنی وہ لوگ جن کی نسبت ایمان، قرآن، حدیث، مکہ، محلہ، علم وغیرہ کی طرف ہے۔ اس کو مجہول کردینے سے ان کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوں گے کہ وہ لوگ جو ایمان، قرآن، حدیث، مکہ، محلہ، علم وغیرہ کے لیے ذبح کیے گئے۔

یہ پیشہ ور دیندار فوراً چال چلتے ہیں (جیسا کہ مراد آبادی صاحب کے اوپر بیان کردہ تفسیری حاشیے میں بھی مذکور ہے) کہ پھر تو ہر وہ چیز حرام ہوگی جس کی نسبت اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف ہو جیسے کراچی کی مسجد، لاہوری نان، دہلی کی نہاری، زید کا گھر، بکر کی سائیکل وغیرہ۔ یہ ہٹ دھرمی ہے اور حرام کو حلال بنانے پر اصرار ورنہ اگر اس پر ذرا سا غور کریں تو فرق واضح ہوجائے کہ ان دو قسم کی مثالوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگرچہ دونوں نسبتیں معنوی اعتبار سے پہچان کے لیے ہیں یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی حلیم اور عبداللہ کی گائے دونوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ حلیم جو حسین رضی اللہ عنہ سے منسوب اور وہ گائے جو عبداللہ سے منسوب۔ لیکن فی نفسہٖ دونوں بالکل مختلف ہیں۔ اول الذکر عبادت کی راہ سے ہے اور مؤخر الذکر ملکیت کی راہ سے۔ پہلی کا تعلق دین سے اور دوسری کا دنیا سے ہے۔

نذر و نیاز مالی عبادات ہے اور عبادت کی ہر ہر قسم، شکل، انداز اور صورت صرف اللہ ہی کو سزاوار ہے۔ جس میں کسی دوسرے کو شامل کرنا شرک ہے (الانعام ۱۶۳) جس کا اقرار ہم صلوٰۃ کی ہر دوسری رکعت میں التحیات پڑھ کر کرتے ہیں کہ:

التحیات للّٰہ والصلوٰۃ والطیبٰت

"تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔"

شیخ جیلانی کی گیارہویں، جعفر صادق کے کونڈے، حسین رضی اللہ عنہ کا حلیم وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اگر شیخ جیلانی کے نام جانور ذبح کیا جائے تو شرک ہو لیکن اگر جانور ذبح کر کے اس کی بریانی یا قورمہ وغیرہ بنا لیا جائے تو وہ حلال بلکہ تبرک بن جائے! ویسے یہاں پر غیر اللہ کے لیے جانور بھی ذبح کیے جاتے ہیں اور اسے شرک سمجھنا تو کجا الٹا ثواب سمجھا جاتا ہے۔ کراچی میں منگھو پیر (جس کے لیے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اصل میں منگا رام نامی ملنگ تھا) کے مزار پر ایک تالاب میں مگرمچھ پلے ہوئے ہیں جنھیں جاہل لوگ منگھو پیر کے سر کی جوئیں کہتے ہیں۔ ان مگرمچھوں کو بکرے کھلائے جاتے ہیں۔ یہ بکرے وہ ہوتے ہیں جو یہاں منگھو پیر کے نام نذر کیے جاتے ہیں۔ راقم کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ایک خاندان میں منتوں مرادوں کے بعد تین بیٹیوں کے بعد بیٹا پیدا ہوا تو خاندان کے بیسیوں افراد نے یہاں آ کر بابا کے نام بکرا ذبح کیا جس کے بڑے بڑے پارچے مجاوروں نے سیخوں میں پرو کر مگرمچھوں کو کھلائے جو روز کا معمول ہے۔

غیر اللہ کے نام چڑھاوے چڑھانا جہنم میں جانے کا سبب بنتا ہے جس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جس میں بتایا گیا کہ ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جہنم میں اور دوسرا جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جس نے ایک بت بنا رکھا تھا اور جب تک کوئی اس کی نذر کچھ نہ کرتا اسے نہ جانے دیتے۔ اس شخص نے کہا کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ اس سے مطالبہ کیا گیا کہ کچھ تو نذر کر خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی نذر کر دی۔ اسے جانے دیا گیا مگر وہ (مر کر) جہنم میں ڈال دیا گیا۔ دوسرے ایک شخص کا بھی گذر ہوا اور اس سے بھی نذر مانگی گئی خواہ ایک مکھی کی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اسے مار ڈالا گیا تو وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (زہد لقمان: حدیث ۸۵، ص ۳۲، کتاب الزہد از احمد بن حنبل، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت) ۱

غیر اللہ کی حرام نذر و نیاز کو حلال کرنے کے لیے ایک چال یہ بھی چلی جاتی ہے (جیسا کہ مراد آبادی صاحب کے تفسیری حاشیے میں اوپر بیان ہوا) کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ نذر و نیاز اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے، صرف اس کا ثواب اولیاء اللہ کو ایصال کیا جاتا ہے۔ اول تو یہ بات ہی غلط ہے کہ یہ نذر و نیاز اللہ کے نام ہوتی ہے جس کا ثبوت ان نذروں کا مخصوص دنوں اور اوقات میں کیا جانا ہے۔ اگر یہ اللہ کے لیے ہی ہوتیں، جیسا کہ دعویٰ ہے، تو سال کے تین سو پینسٹھ دن اللہ کے لیے ہیں۔ کسی بھی دن کی جا سکتی تھیں۔ لیکن ایک مخصوص دن اور وقت میں کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے نہیں بلکہ اس بزرگ کے لیے ہے جس سے یہ مخصوص دن منسوب ہے۔ کیا یہ لوگ کونڈے رمضان میں بھر سکتے ہیں؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ حلوہ عید پر پکائیں، حلیم رمضان میں گھوٹ لیں، گیارہویں بقرعید میں کر لیں؟ بڑوں کو چھوڑیں بچوں سے ہی پوچھ لیں، وہی بتا دیں گے کہ حلیم حسین رضی اللہ عنہ کے نام پکائی جاتی ہے، گیارہویں عبدالقادر جیلانی کی، بارہویں محمد ﷺ کی...... بلکہ یہ لوگ محرم میں پانی و شربت کی سبیلوں پر خود بھی تو لکھتے ہیں کہ

ع پانی پیو تو یاد کرو پیاس امام کی ...... پیاسو یہ سبیل ہے شہیدوں کے نام کی

جو چیز شروع ہی سے غیر اللہ کے نام منسوب ہو تو اب اس پر چاہے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھیں، سورۃ فاتحہ اور چاروں قل پڑھیں ۲ یا پورا قرآن ہی کیوں نہ پڑھ ڈالیں، وہ حرام اور نجس چیز حلال اور طیب نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ ایصال ثواب والا بہانہ بھی درست نہیں۔ یہ بھی محض دھوکہ دینے کی ایک کوشش ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق زندہ لوگ عمل کر کے اس کا ثواب مُردوں کو ایصال نہیں کر سکتے۔ ہر شخص کو صرف اسی عمل کا اجر ملتا ہے جو وہ خود کرتا ہے۔ (سورۃ النجم وغیرہ) اس موضوع پر ہماری علیحدہ مستقل تحریریں ہیں۔ وہاں اس کی تفصیل دیکھ لی جائے۔

بعض "روشن خیال" لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ نذر و نیاز تو اللہ کا رزق ہے، اسے کیوں حرام کرتے ہو، اللہ تو خود فرماتا ہے:

"اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں، انھیں حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال و طیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔" (المائدۃ: ۸۷، ۸۸)

اور پھر اپنے زعم میں اللہ کا حکم سناتے ہیں کہ:

"پھر اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس پر اللہ کا نام لیا جائے اس سے کھاؤ۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کر دیا ہے ان کی تفصیل وہ تمھیں بتا چکا ہے۔ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں، ان حد سے گذرنے والوں کو تمھارا رب خوب جانتا ہے۔" (الانعام: ۱۱۸)

اور حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ صحابہ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ ہمارے پاس کھانا لایا جاتا ہے اور ہمیں اس کے حلال یا حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا تو کیا کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسے اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو۔ ۳

اگر یہ "روشن خیال" لوگ ان آیتوں میں غور کریں تو حقیقت ان پر "روشن" ہو جائے۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں اللہ کا رزق ہیں۔ خنزیر، شراب وغیرہ بھی اللہ کا رزق ہیں۔ لیکن وہی رزق استعمال کیا جا سکتا ہے جس کو شارع نے حلال و

---

۱ واضح رہے کہ مذکورہ روایت مسلک پرستوں کے اصول کے مطابق درست ہے۔ چونکہ غیر اللہ کے نام چڑھاوے مسلک پرست ہی چڑھاتے ہیں اس لیے ان کی معلومات کے لیے اسے یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ ۲ اشارہ اس خود ساختہ مبتدعہ مخصوص وظیفے کی طرف ہے جسے عرف عام میں "ختم شریف" کہا جاتا ہے جس میں کسی بھی چیز پر سورۃ فاتحہ، سورۃ کافرون، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کر کے نیاز دلائی جاتی ہے۔ ۳ اصل حدیث یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ پوچھا تھا کہ بعض نو مسلم دیہاتی ہمارے پاس گوشت بیچنے کے لیے لاتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسے ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم اس پر اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو۔ (بخاری، کتاب الذبائح باب ذبیحۃ الاعراب و نحوھم)

طیب قرار دیا۔ جو چیز حرام اور ناجائز ٹھہرا دی گئی ہو، اس پر لاکھ بار بھی اللہ کا نام لیا جائے تو بھی حلال و پاک نہیں ہو سکتی۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا اختیار کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ اللہ نے مذکورہ ما قبل چار چیزوں کے علاوہ سب چیزیں حلال رکھی ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیتوں میں مذکور ہے۔ احادیث میں وحی الٰہی کی روشنی میں **ذو ناب** (کچلی کے دانتوں سے شکار کرنے والے جانور جیسے کتے بھیڑیے، شیر وغیرہ) اور **ذو مخلب** (اپنے پنجوں سے شکار پر جھپٹنے والے پرندے جیسے چیل، باز، شکرہ وغیرہ) کو حرام قرار دیا ہے۔ اب اگر کوئی ان حرام کردہ چیزوں کو استعمال نہیں کرتا تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر کے اپنے ایمان کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس کا یہ مبارک عمل تو لائق تحسین ہے نہ کہ لائق ملامت و مذمت۔ بلکہ جو لوگ اللہ کے حرام و ناپاک ٹھہرائے ہوئے کو حلال و پاکیزہ سمجھ کر تبرک کا کھاتے کھلاتے ہیں، اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے خود ان کا عمل لائق ملامت ہے۔ انہیں اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے کی جرأت کر کے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو یہ محل نظر ہے کیونکہ خود نبی ﷺ اور صحابہ کا کھانے پینے کے معاملے میں انتہائی محتاط رویہ تھا کیونکہ حلال و طیب رزق کھانے کا حکم اللہ نے جہاں عام انسانوں کو دیا ہے، وہیں انبیاء علیہم السلام کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کا گزر ایک گری پڑی کھجور کے پاس سے ہوا، فرمایا اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ کہیں یہ صدقے کی نہ ہو تو اس کو کھا لیتا (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب من لا تحل لہ الصدقۃ)۔ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ، تو آپ ﷺ صحابہ سے فرماتے کہ تم کھالو اور خود نہ کھاتے، اگر کہا جاتا کہ ہدیہ تو آپ اس میں ہاتھ ڈالتے اور ان کے ساتھ کھا لیتے (ایضا)۔ ایک دفعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام نے انہیں کوئی چیز کھانے کو دی جو آپ نے کھالی۔ بعد میں بتایا کہ دور جاہلیت میں اس نے کسی کو کہانت کی کوئی بات بتائی تھی اور اس سے دھوکہ کیا تھا، آج اس نے مجھے کچھ دیا تھا جس میں سے آپ کو بھی کھلایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی منہ میں انگلی ڈالی اور جو کچھ پیٹ میں گیا تھا وہ سب نکال ڈالا۔ (بخاری، کتاب المناقب الانصار باب ایام الجاہلیۃ) اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پینے کے لیے دودھ پیش کیا گیا۔ دریافت حال پر بتایا گیا کہ وہ صدقے کے جانوروں کا تھا۔ آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی۔ (موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی اخذ الصدقات والتشدید فیہا) شیخین رضی اللہ عنہما نے ایسی کوئی تاویل نہیں کی کہ اللہ کا نام لے کر پی لیا جائے یا یہ **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** کے تحت ذبح لغیر اللہ تھوڑا ہی ہے، بلکہ یہ تو ایصال ثواب کا معاملہ ہے اور اصلاً اللہ کی نذر ہے......

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سارا کا سارا رزق تو ہے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے، لیکن اسی رزق میں سے اگر اس مالک نے کسی کو حرام قرار دے دیا ہے تو وہ

باقی صفحہ ٦٦ پر

بقیہ : [illegible]

بتایا کہ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی بیماری شرک ہے۔ انہوں نے مثالیں دے کر واضح کیا کہ کون کون سے شرکیہ اور غلط عقائد اس امت میں رواج پا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس امت کے احبار و رہبان اس شرک و کفر کو دیکھنے کے باوجود ان غلط عقائد کے خلاف نہیں بولتے کیونکہ وہ خود ان شرکیہ عقائد کے حامل ہیں، اس لیے بجائے انہیں مٹانے کے، یہ انہیں ترویج دینے میں سرگرم رہتے ہیں۔ ایسے ائمۃ الکفر والشرک سے برأت و بیزاری کی تلقین کرتے ہوئے انہوں نے ساتھیوں پر واضح کیا کہ اگر امام ان شرکیہ عقائد کا حامل ہو تو اس کے پیچھے ایک صحیح العقیدہ مسلم اپنی صلوٰۃ ادا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرنا نہ صرف اپنی صلوٰۃ کو ضائع کرنا ہے بلکہ اپنے عقیدے اور ایمان کو بھی برباد کرنا ہے۔ ایسی صلوٰۃ کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایسی صلوٰۃ پر اللہ کی رحمتیں نہیں نازل ہوتیں بلکہ اس کی توحید پر دست درازی کرنے والے ان فرقہ پرست مولویوں کی تعظیم کر کے اس کے غیظ و غضب کو دعوت دی جاتی ہے۔

اگلی تقریر ارشد ظفر صاحب کی تھی۔ ان کا موضوع تھا: آیت الکرسی۔ انہوں نے بتایا کہ ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا نہ صرف زبانی اقرار کیا جائے بلکہ اس پر عملاً قائم بھی رہا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کلمہ اللہ کے ساتھ ایک طرح کا عہد ہے: جب تک بندہ اس کلمہ کو پوری طرح اپنے اوپر نافذ رکھتا ہے، وہ اس عہد پر قائم رہتا ہے۔ اور جب دوسروں کی عبادت، پرستش، پکار اور نذر و نیاز شروع کر دیتا ہے، وہ اس عہد سے باہر ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نام نہاد امت مسلمہ نے دونوں چیزوں کو پس پشت ڈال دیا اور نتیجتاً گمراہ ہو گئے اور امت واحدہ فرقوں میں بٹ گئی۔ انہوں نے کہا کہ ان دونوں چیزوں کو ماننا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ طاغوت کا انکار ایمان کے اقرار کے لیے لازم ہے، اس کے بغیر ایمان درست نہیں ہوتا۔ یہ طاغوت چاہے کسی بھی شکل میں ہوں خواہ اپنی بندگی کرانے والے امام و امام زادے، مولوی اور پیر، ولی یا حاکم...... ان طواغیت کا انکار سچے ایمان کا جزو لازم ہے۔ طاغوت کے انکار اور اس سے اجتناب کے بغیر ایمان ناقابل قبول ہے۔

ارشد صاحب کی تقریر کے بعد سوال و جواب ہوئے جس کا سلسلہ صلوٰۃ العصر کے بعد بھی جاری رہا۔ اور اس کے بعد پروگرام اختتام کو پہنچا۔ دوسرے دن مجموعی طور سے ۵۱ شرکاء پروگرام میں موجود تھے جن میں خواتین بھی شامل تھیں جن کے لیے علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ گیارہویں کانفرنس میں شرکت کا عزم لے کر ساتھی رخصت ہو گئے۔

• • • • •

اُمّ المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا

بنت خالد خان، رفاہ عام سوسائٹی، کراچی

امہات المومنین رضی اللہ عنہن وہ مبارک ہستیاں تھیں جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری دنیا میں سے اس منصب کے لیے چن لیا تھا کہ وہ اس کے رسول ﷺ شریک حیات بنیں اور ان محارم اسرار کے ذریعے سے خانگی وازدواجی زندگی کے احکامات سے امت کو آگاہی دی جائے۔ چنانچہ کتنی ہی ازواج مطہرات کے ذریعے طہارت، جنابت اور اندرون خانہ درپیش احوال وغیرہ کے مسائل احادیث میں روایت کیے گئے ہیں جن کو کوئی نزدیک سے نزدیک ساتھی بھی بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پاکیزہ ہستیوں کی شان میں قرآنی آیات نازل فرمائیں اور انھیں مومنوں کی ماں قرار دیا (سورۃ الاحزاب: آیت ٦) اور یہ کہہ کر ان کا اعزاز واکرام فرمایا کہ ان کا مقام دوسری عورتوں کی طرح کا نہیں ہے۔ (ایضاً ٣٢)

ان محترم ومقدس ہستیوں میں ایک صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ یہودی قبیلے بنونضیر کے سردار حُیی بن اخطب کی دختر تھیں۔ آپ کی والدہ "برہ" یا "ضرہ" دوسرے بڑے یہودی قبیلے بنوقریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھیں۔ بنونضیر اور بنوقریظہ بنی اسرائیل کے وہ دو ممتاز خاندان تھے جو زمانہ قدیم سے عرب میں رہتے چلے آرہے تھے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام بن عمران سے جا ملتا ہے۔ جس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بعض ازواج مطہرات نے باہمی تلخ گفتگو میں آپ کو یہودی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے عار دلائی۔ نبی ﷺ نے جب آپ کو روتے ہوئے پایا تو ان کی دلجوئی فرماتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ تم سے کیسے افضل ہو سکتی ہیں کہ تم نبی کی بیٹی ہو، نبی کی بھتیجی ہو، نبی کی بیوی ہو۔[1] چنانچہ یہ عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما پر فخر جتایا کرتی تھی کہ میرے باپ ہارون علیہ السلام ہیں، میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔[2]

آپ کا اصل نام زینب تھا۔ "صفیہ" کا نام "صفی" سے پڑا[3] اور "صفی" مال غنیمت کا وہ حصہ ہوتا جو اس کی تقسیم سے پہلے نبی ﷺ کے لیے مخصوص کر دیا جاتا خواہ کوئی لونڈی غلام ہو یا گھوڑا وغیرہ، جو بھی نبی ﷺ چاہتے۔ ایک روایت کے مطابق یہ حصہ خمس (جو کہ اللہ کے رسول کے لیے مخصوص کیا گیا) کی تقسیم سے بھی پہلے نکالا جاتا تھا اور ایک روایت کے مطابق یہ بھی خمس کا ہی ایک حصہ ہوتا۔[4] چونکہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح ہونے کے بعد مال غنیمت میں سے انھیں اپنے لیے چن لیا تھا، اس لیے انھیں "صفیہ" کہا گیا۔

آپ کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا۔ جو کہ اپنے قبیلے کا مشہور شہسوار اور شاعر تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں مارے گئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔[1]

سیرت ابن ہشام میں روایت کیا گیا ہے کہ جب قموص (جو کہ خیبر کا سب سے بڑا قلعہ تھا) بھی فتح ہوا تو بلال رضی اللہ عنہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور ایک عورت کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت آئے تو راستے میں یہود کے مقتولوں پر سے گزر ہوا۔ اس عورت نے مقتولین کی لاشیں دیکھ کر چیخنا رونا شروع کر دیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا صبر وضبط کے ساتھ خاموش رہیں۔ نبی ﷺ نے اس عورت کو دور کروا دیا اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو پس پشت بیٹھنے کا حکم دیا اور اپنی چادر ان کو اوڑھا دی۔ جس سے مسلمانوں نے جان لیا کہ نبی ﷺ نے انھیں اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔[2]

اس سلسلے میں تاریخ میں مختلف واقعات ملتے ہیں لیکن بکثرت احادیث میں روایت کیا گیا ہے کہ غزوہ خیبر کے بعد صفیہ رضی اللہ عنہا مال غنیمت کے طور پر دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں لگا دی گئی تھیں۔ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک لونڈی کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ نے انھیں اختیار دے دیا کہ قیدی عورتوں میں سے جسے چاہیں منتخب کر لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو پسند کیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے آپ رضی اللہ عنہا کے حسن وجمال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ رئیسہ بنونضیر وقریظہ کو کسی اور کو دینا مناسب نہیں، انھیں آپ اپنی ذات کے لیے منتخب فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ چنانچہ دحیہ رضی اللہ عنہ کو ایک دوسری لونڈی دے دی گئی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے اپنے لیے خاص کر لیا۔[3] ایک روایت میں صرف لونڈی سے لونڈی بدلنا[4] اور بعض میں سات غلاموں کے عوض خریدنا بیان کیا گیا

(١) ترمذی: کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ، عن انس رضی اللہ عنہ
(٢) ترمذی: کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ، عن صفیۃ رضی اللہ عنہا
(٣) ابوداؤد: کتاب الامارۃ، باب ما جاء فی سہم الصفی، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا
(٤) ابوداؤد: کتاب الامارۃ، باب ما جاء فی سہم الصفی، عن عامر الشعبی رحمہ اللہ

(١) تاریخ اسلام از معین الدین ندوی مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، ج ١، ص ١٢٨ (٢) سیرت ابن ہشام مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ٢، ص ٣٢١ (٣) بخاری: کتاب الصلوۃ، باب ما یذکر فی الفخذ، ح صلوۃ الخوف، بیوع، جہاد، مغازی، نکاح، اطعمۃ، ادب، دعوات کی کتب کے ابواب علاوہ / مسلم: کتاب النکاح، باب فضیلۃ اعتاقہ امتہ، ح کتاب الحج / ابوداؤد: کتاب النکاح، باب فی الرجل یعتق امتہ ثم یتزوجہا ح کتاب الامارۃ / ترمذی: کتاب النکاح، باب الولیمۃ، وغیرہ / نسائی: کتاب النکاح، باب التزویج علی العتق وغیرہ / ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب الولیمۃ وغیرہ (٤) بخاری: کتاب البیوع، باب بیع العبید والحیوان نسیئۃ واشتری

ہے۔[1] چونکہ آپ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول فرمایا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرما کر انہیں اپنے زوجیت میں لے لیا۔ اور ان کا آزاد کیا جانا ہی ان کا مہر مقرر ہوا۔[2]

غزوہ خیبر سے مراجعت کے سفر میں ہی نبی ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا، دوران سفر ہی عروسی ہوئی۔ چونکہ ان کی پہلے بھی شادی ہو چکی تھی اس لیے قاعدے کے موافق آپ ﷺ نے ان کے ساتھ تین دن قیام فرمایا![3] عروسی کی صبح آپ نے ولیمہ بھی کیا۔ لیکن اس کے لیے کوئی خصوصی انتظام نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہمراہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہہ دیا گیا کہ جو کچھ ان کے توشے میں ہے، لے آئیں۔ کوئی پنیر لایا، کوئی ستو، تو کوئی کھجور۔ ان سب کو ملا کر مالیدہ بنایا گیا جسے "حیس" کہتے ہیں، چمڑے کا دسترخوان بچھا کر اسی حیس سے حاضرین کی تواضع کی گئی۔ بس یہی آپ ﷺ کا ولیمہ تھا۔[4] اس سادگی اور تواضع میں کتنا درس ہے ان لوگوں کے لیے جو سودی قرضے لے کر محض اس لیے ہوٹلوں کلبوں، ہال اور گارڈن میں دس دس کھانوں کے پرتکلف ولیمے کرتے ہیں تا کہ اس جھوٹی شان سے ان کی ناک اونچی رہے، خواہ بال بال قرضوں میں جکڑ جائے اور ساری زندگی اس سودی چکر سے گلوخلاصی نہ ہو سکے، اور سود میں ملوث ہو کر اپنے رب سے اعلان جنگ کر کے اس کے غضب کو بھڑکاتا اس پر مستزاد!

اللہ کے رسول ﷺ صفیہ رضی اللہ عنہا سے کتنی محبت کرتے اور آپ کا کتنا خیال کرتے، اس کا اندازہ اسی سفر واپسی سے ہوتا ہے جس میں نبی ﷺ نے آپ کو اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھالیا اور آپ کے لیے ایک گدا رکھا، اوپر چادر تان کر پردہ کر دیا۔ اور اونٹ پر سوار کرانے کے لیے نبی ﷺ اپنا گھٹنا آگے کر دیتے اور وہ آپ کے زانو پر چڑھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتیں۔[5] جب آگے چل کر اس اونٹ کو ٹھوکر لگی اور آپ دونوں زمین پر آ رہے تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ "میں آپ پر قربان" کہتے ہوئے نبی ﷺ کو اٹھانے کو دوڑے مگر نبی ﷺ نے فرمایا کہ پہلے عورت کی خبر لو۔ زبیر رضی اللہ عنہ ایک چادر اپنے منہ پر ڈال کر وہاں گئے جہاں صفیہ رضی اللہ عنہا پڑی تھیں اور وہ چادر ان پر ڈال دی۔ پھر وہ کھڑی ہو گئیں۔[6]

---

(۱) ابوداؤد کتاب الامارۃ، باب ماجاء فی سھم الصفی / ابن ماجۃ کتاب الامارۃ، باب الحیوان بالحیوان متفاضلا یدا بید (۲) بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب مایذکر فی الفخذ نیز کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر / ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی الرجل یعتق امتہ ثم یتزوجھا، وغیرہ نیز ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی کتاب النکاح کے انہی ابواب کی روایات (۳) بخاری کتاب النکاح، باب البناء فی السفر / ابوداؤد کتاب النکاح، باب فی المقام عند البکر / نسائی کتاب النکاح، باب البناء فی السفر (۴) بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب مایذکر فی الفخذ نیز صلوٰۃ الخوف، بیوع، جہاد، نکاح، اطعمۃ، دعوات کی کتب کے ابواب متفرقہ کی روایات / مسلم کتاب النکاح، باب فضیلۃ اعتاقہ امۃ / ابوداؤد کتاب الاطعمۃ، باب استحباب الولیمۃ / ترمذی کتاب النکاح، باب الولیمۃ / نسائی کتاب النکاح، باب البناء فی السفر / ابن ماجۃ کتاب النکاح، باب الولیمۃ (۵) بخاری کتاب البیوع، باب ھل یسافر بالجاریۃ قبل ان یستبرئھا (۶) بخاری کتاب الجہاد، باب مایقول اذا رجع من الغزو نیز کتاب الادب، باب قول الرجل جعلنی اللہ فداک / مسلم کتاب الحج، باب مایقول اذا رجع من السفر

اللہ کے رسول ﷺ نے رمضان کے مہینے میں اعتکاف کیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ملنے کے لیے تشریف لائیں۔ مگر صرف صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ان کو چھوڑنے کے لیے رات کے اندھیرے میں ان کے گھر تک گئے۔ راستے میں دو انصاری ملے جو نبی ﷺ کو ایک عورت کے ساتھ دیکھ کر فوراً آگے بڑھ گئے۔ نبی ﷺ نے ان کو پکارا اور بتایا کہ کچھ خیال نہ کرنا، یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ ان صحابہ نے کہا: سبحان اللہ! ہم کیا آپ کے متعلق کوئی کسی قسم کا خیال لا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے (اس لیے ایسا وسوسہ ڈالنا اس سے بعید نہیں)۔[1]

صفیہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع کے سفر میں بھی نبی ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ دسویں ذی الحجہ کو طواف افاضہ / طواف زیارت کے بعد آپ حائضہ ہو گئیں۔ اس خیال سے کہ بقیہ ارکان حج چھوٹ جائیں گے، آپ رونے لگیں۔ نبی ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ طواف افاضہ نہیں کیا۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر کوچ کرنے میں کوئی حرج نہیں (یعنی حائضہ عورت کے لیے طواف وداع لازمی نہیں)۔[2]

صفیہ رضی اللہ عنہا کو دوسری ازواج کے ساتھ باہمی طرز عمل کا اندازہ ہوا تو کم عمری کے باوجود بڑی ہوشیاری اور دانائی کے ساتھ حسن خوبی سے یہ معاملہ نمٹایا اور ہر ایک کے ساتھ آپ خلوص و محبت سے پیش آتیں۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی اس سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی فرماتے۔ ایک دفعہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی کوتاہ قامتی پر نبی ﷺ سے کچھ کہا تو نبی ﷺ نے تنبیہ فرماتے ہوئے کہا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں ملا دی جائے تو اس پر بھی اثر ڈال دے (یعنی گدلا کر دے)۔[3]

صفیہ رضی اللہ عنہا امور خانہ داری میں طاق تھیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی عورت صفیہ سے زیادہ اچھا کھانا پکانے والی نہیں دیکھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے جب انہوں نے ان کی باری پر نبی ﷺ کو ایک پیالے میں کھانا بھجوایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے غیرت کھاتے ہوئے اس پیالے کو توڑ ڈالا۔ نبی ﷺ نے ٹکڑے جمع کیے اور کھانا اکٹھا فرماتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں کو

---

(۱) بخاری کتاب الاعتکاف، باب ھل یخرج لحوائجہ الی باب المسجد نیز صوم، جہاد، ادب، حج / مسلم کتاب السلام، باب بیان انہ یستحب لمن رؤی خالیا بامراتہ / ابوداؤد کتاب الصیام، باب المعتکف یدخل بیتہ لحاجتہ نیز کتاب الادب باب حسن الظن / ابن ماجۃ کتاب الصیام، باب فی المعتکف یزورہ اھلہ فی المسجد (۲) بخاری کتاب المناسک، باب التمتع والاقران والافراد بالحج و دیگر ابواب نیز مغازی، ادب کی کتب کے ابواب متفرقہ کی روایات / مسلم کتاب الحج، باب بیان وجوہ الاحرام نیز باب وجوب طواف وداع / ابوداؤد کتاب المناسک، باب الحائض تخرج بعد الافاضۃ / ترمذی کتاب الحج، باب مرأۃ تحیض بعد الافاضۃ / نسائی کتاب الحیض، باب المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ / ابن ماجۃ کتاب المناسک، باب الحائض تنفر / موطا امام مالک کتاب الحج، باب افاضۃ الحائض (۳) ابوداؤد کتاب الادب، باب فی الغیبۃ / ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ، باب لو مزج بہا ماء البحر

غیرت نے آلیا۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیالے میں کھانا پیش کیا تو نبی ﷺ نے وہ پیالہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر بتایا کہ اس پیالے اور کھانے کا کفارہ تھا کہ اس کے بدلے دوسرا پیالہ اور کھانا دیا جائے۔[1]

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حج سے واپسی کے سفر میں صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو کر سست چلنے لگا جس سے وہ پیچھے رہ گئیں اور رونا شروع کر دیا۔ نبی ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ ان کی تسلی فرماتے رہے مگر وہ اور زیادہ رونے لگیں۔ نبی ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، جن کے پاس اضافی اونٹ تھے، سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انہوں نے سوکناپے میں ایسا جملہ کہہ دیا جو نبی ﷺ کو ناگوار ہوا۔ آپ ﷺ ان سے ناراض ہو گئے اور تین مہینے تک ان سے دوری اختیار کیے رکھی۔[2] اسی سلسلے کی ایک دوسری روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ تین مہینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں ایک مرد کا سایہ دیکھا۔ خود سے کہنے لگیں کہ یہ تو کسی مرد کا سایہ ہے جبکہ نبی ﷺ تو میرے پاس آتے نہیں تو پھر یہ کون ہے؟ تب نبی ﷺ کو انہوں نے دیکھا۔ پھر آپ ان سے راضی ہو گئے۔[3] یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ نبی ﷺ کا سایہ تھا اور جو لوگ نبی ﷺ کو بے سایہ مانتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں اور نادانستگی میں ان احادیث کا انکار کرتے ہیں بلکہ نبی ﷺ کو اس طرح مافوق البشر ثابت کر کے کتنی ہی قرآنی آیات کے کفر کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

بشری خصائل کے تحت ازواج کے باہمی تعلقات نے آپ رضی اللہ عنہا کو بھی کبھی متاثر کیا۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے اس معاملے میں صفیہ رضی اللہ عنہا بھی عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے ساتھ مل گئیں جس میں نبی ﷺ کو کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے یہاں شہد پینے سے باز رکھنے کے لیے نبی ﷺ کو باور کرایا گیا کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ جس پر سورۃ التحریم میں نبی ﷺ کو متنبہ کیا گیا کہ "آپ نے خود پر وہ چیز کیوں حرام کر لی جو اللہ نے آپ پر حلال کی ہے؟"[4]

بعض تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وفات رسول ﷺ کے بعد اپنی بوگی کے دور میں آپ رضی اللہ عنہا نے جہاد میں بھی حصہ لیا اور ہر طریقے سے اعلاء حق کے لیے کوشاں رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے بعض ایسے پہلو بھی ملتے ہیں جو اخوت انسانی کے لیے بے مثال ہیں۔ خصوصاً یہ کہ بغاوت کے زمانے میں جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا ضروریات زندگی فراہم کر کے ان کی مدد فرماتیں، انہیں ہمت دلاتیں اور کھانا پانی پہنچایا کرتی تھیں۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر باغیوں نے پہرہ بٹھا دیا تو خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا۔ جب داخلے کی کوئی صورت نہ پائی تو گھر واپس آ گئیں اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے مامور کیا جو صفیہ رضی اللہ عنہا کے مکان سے ان کے لیے کھانا پانی لے جاتے تھے۔

دوسری ازواج مطہرات کی طرح آپ بھی حدیث و فقہ کا ایک دانش کدہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں آپ کے بھانجے اور آپ کے غلام کنانہ اور یزید بن معتب، زین العابدین، مسلم بن صفوان وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ مذکورہ صدر روایات کے علاوہ آپ کی یہ ایک مشہور حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی عراف (دست شناس، نجومی، کاہن وغیرہ جو مستقبل کی خبر دے) کے پاس جا کر کوئی بات پوچھی تو چالیس دن تک اس کی صلوۃ قبول نہیں ہوتی۔ (مسلم: کتاب السلام، باب تحریم الکہانۃ)

آپ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ بقیع میں مدفون ہیں۔ اب تاریخ انہیں ان کے اسرائیلی نسب کی حیثیت سے نہیں، یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ام المومنین، زوجہ مطہرہ رسول مقبول کی حیثیت سے شناخت کرتی ہے۔ رضی اللہ عنہا وعن سائر امہات المومنین ومن جمیع المسلمین

ہم نے احادیث میں مذکور حالات و واقعات پر ہی اکتفا کیا ہے اور بیشتر تاریخی روایات سے صرف نظر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ: نذر و نیاز

کسی صورت بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ گائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے، اس کا گوشت ہمارے لیے حلال ہے لیکن جب یہی گائے چوری کر کے کاٹی جائے تو حرام ہو گی یا حلال؟ انگور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک بہترین نعمت ہے لیکن جب اسی انگور سے کشید کر کے شراب تیار کی جاتی ہے تو وہ پھر حرام کیوں مانی جاتی ہے؟ تو ان کا یہ کہنا کہ یہ سارا رزق اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے یہ کیسے حرام ہو سکتا ہے، بالکل لغو بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے سوا کسی بھی دوسرے کے نام سے وابستہ کی جانے والی ہر چیز کو حرام قرار دے دیا ہے تو اسے بالکل اسی طرح ماننا چاہیے اور اپنے باطل عقیدے کے لیے کسی بھی قسم کی ہیر پھیر نہیں کرنی چاہیے۔

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں غیر اللہ کی مروجہ نذر و نیاز کرنا شرک فی العبادت، سخت گناہ اور حرام و ناجائز ہے۔ خیر القرون و مابعد میں بھی کسی سے ثابت نہیں کہ کسی نے مخصوص دنوں میں کھانا وغیرہ پکا کر کسی کی نیاز دلائی ہو یا اسے ایصال ثواب کیا ہو۔ یہ خالص مشرکانہ فعل ہے۔ جس سے ایمان والوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔ نیاز کا کھانا وغیرہ ہرگز نہ لینا چاہیے بلکہ نرمی سے قرآن وحدیث کا حکم بتانا چاہیے۔ خاندان، برادری، محلے کی مخالفت و ناراضگی کے خوف پر اللہ کی ناراضگی کے خوف کو ترجیح دینی چاہیے۔ نہ ہی یہ منافقانہ انداز اپنانا چاہیے کہ نیاز لے کر فقیر کو دے دی جائے یا چھت پر ڈال دی جائے۔ دل میں ایمان ہے تو اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

(۱) ابو داؤد: کتاب البیوع، باب فیمن افسد شیئا یغرم مثلہ / نسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب الغیرۃ (۲) ابو داؤد: کتاب السنۃ باب ترک السلام (۳) مسند احمد ۶/۲۶۲ (حدیث صفیۃ ام المومنین) حدیث ۲۶۳۲۵ و ۶/۳۳۸ (حدیث السیدۃ العائشۃ) حدیث ۲۴۴۸۱ (۴) بخاری: کتاب الھبۃ، باب من اھدی الی صاحبہ ..... نیز کتاب الطلاق وکتاب الحیل کے ابواب کی روایات / مسلم کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امراتہ

قافلہ ہے رواں دواں

مرتبین: زبیر احمد دایو، کندھ کوٹ/تکلیل الرحمن، کراچی/سجاد حسین، سرگودھا/ارشد ظفر، امریکہ

کل پاکستان سالانہ اجتماع

اس اجتماع کی رپورٹ تاخیر سے موصول ہوئی، اس وجہ سے گزشتہ اشاعت میں شامل نہ کی جا سکی۔ ساتھیوں کی معلومات کے لیے اس کو شامل مجلہ کیا جا رہا ہے۔

کل پاکستان سالانہ اجتماع ڈیرہ جدید، سرگودھا کی مسجد توحید میں ۲۱ اور ۲۲ نومبر ۲۰۰۵ء کو منعقد ہوا۔ پچھلے اجتماعات کی نسبت اس اجتماع میں ساتھیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ دوران اجتماع مثالی نظم و ضبط کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ مرکزی شوریٰ کے رکن، شمالی علاقہ جات کے ناظم محمد اعظم صاحب کی وفات کی وجہ سے اجتماع میں سوگ کی کیفیت چھائی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہوئے انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

۲۱ نومبر بروز پیر، صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۂ روم کی آیت ۴۱: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ .... پر درس قرآن دیا۔ انہوں نے ان آیات کے حوالے سے بیان کیا کہ آج خشکی اور تری میں خرابی برپا ہو گئی ہے، سمندروں میں طغیانی اور طوفان، بارود کی بارش، پانی کا عذاب حد سے زیادہ بارشوں کی صورت میں برپا ہے۔ لوگ تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کی نعمتیں اور سہولتیں صرف زندگی کے دم سے ہیں اور آخرت کی نعمتیں اور آرام بھی اسی زندگی پر منحصر ہے۔ تمام مسائل دنیاوی، جو بھی نبی ﷺ کو پیش آئے، انہوں نے ان کو برداشت کیا۔ ان آزمائشوں کے ذریعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے دین میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ دل انسان کا مرکز ہے، ظاہر اور باطن دونوں صورتوں میں دل محسوس کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کارفرمائی ہے، اور دنیا میں جتنے مسائل ہیں، سب کچھ انسان کی اپنی کاوش ہے۔ قرآن زندگی اسی کو کہتا ہے جس نے شعوری طور پر ایمان قبول کیا ہو۔ اور دوسرے جو ایمان سے خالی ہیں وہ مردے کی طرح ہیں۔ بے ایمان انسان میں شعور کی رمق تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ صحیح معنی میں انسانیت کی صفات سے عاری ہوتے ہیں۔ دراصل زندگی تو بس ایمان داروں ہی کی ہے۔ عرب میں ایک شخص کی اللہ نے یہ ڈیوٹی مقرر کی کہ آپ پوری دنیا کو صحیح راستہ دکھائیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اپنے وقت کے سپر پاورز قیصر و کسریٰ دونوں عروج پر تھے اور دونوں آپس میں نبرد آزما تھے۔ اس دور میں رومی مغلوب اور ایرانی غالب آ گئے تھے۔ اس صورت حال میں سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے پیشین گوئی کی کہ رومی اب تو مغلوب ہیں لیکن چند سالوں ہی میں غالب آ جائیں گے۔ اس وقت عیسائیت اور یہودیت میں احبار و رہبان کا دین رائج تھا اور انہی کو رب بنا لیا گیا تھا اور تورات و انجیل کے احکامات سے نہ صرف دور ہوئے بلکہ ان میں تحریف بھی کر رکھی تھی۔ مشرکین مکہ یہ کہتے تھے کہ جس طرح رومی اہل کتاب آج ایرانیوں کے ہاتھوں مغلوب ہیں، اسی طرح محمد ﷺ اور ان کے ساتھی بھی ہمارے ہاتھوں مغلوب رہیں گے۔ ایسے حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے دعوت حق اٹھائی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے کہتا ہے کہ اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کہ آج کے بجائے کل یعنی آخرت کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ شامل حال رہے گی۔ صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ چشم فلک نے دیکھا کہ نہ صرف اپنے وقت کی زبردست قوتیں قیصر و کسریٰ صحابہ کے زیر نگیں آ کر باج گزار بنے بلکہ مشرکین مکہ بھی کئی معرکوں میں ذلت آمیز شکستوں کا مزہ چکھ کر صحابہ کے دست نگر بن گئے۔ ماسٹر صاحب نے اپنی تقریر میں مدلل انداز میں دنیا کی بے ثباتی کو بیان کیا اور آخرت کی زندگی کی طرف ترغیب دلائی۔

اشراق و ناشتہ کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب کے افتتاحی کلمات سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ انہوں نے سورۂ مریم کی آیات: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا .... السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا (آیات ۸۸-۹۳) کے حوالے سے اس امت میں پائے جانے والے مشرکانہ عقائد و اعمال کی نشاندہی کی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں بھرپور انداز سے ان کی تردید کی۔ آپ نے بتایا کہ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا کر اللہ کی ذات میں شرک کیا، اسی طرح آج محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نور کا ٹکڑا بنا لیا گیا ہے۔ یہ ذات کا شرک اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس پر نزدیک ہے کہ آسمان پھٹ جائے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں جیسا کہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ کے زلزلے میں ہو گئے۔ یہ زلزلہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی ایک نشانی تھی لیکن اس کے باوجود یہ قوم

نس سے مس نہیں ہوئی۔ اگر اس قوم نے شرک سے توبہ نہ کی تو اسی دنیا میں اس سے بڑے زلزلے، سونامی جیسے کئی طوفان آئیں گے۔ دوران تقریر جب آزاد صاحب نے اعظم صاحب مرحوم کا ذکر کیا تو تقریبا ہر آنکھ اشکبار تھی۔

آزاد صاحب کی تقریر کے بعد اصول تجوید کا پروگرام تھا جسے چکوالہ کے ساتھی قاری خلیل الرحمن صاحب نے کیا۔ اس کے بعد فتح جنگ کے ساتھی محمد منیر صاحب نے سورہ نوح کی آیت ۲۵ مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا کے حوالے سے عقیدہ عذاب قبر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ اس دنیاوی گڑھے میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے عقیدہ عود روح کی قرآن و حدیث کے حوالے سے تردید کی۔ منیر صاحب کی تقریر بڑی مدلل اور جامع تھی جو وقت کی کمی کے باعث مکمل نہ ہو سکی کہ اس وسیع موضوع کا ایک گھنٹے میں احاطہ ممکن نہیں۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس میں سورہ نحل آیت ۲۲ إِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ پر ۲۰ منٹ دورانیہ کی ۳ تقاریر ہوئیں جن میں سکھر سے دو اخان محمد اسمٰعیل، پشین صوبہ بلوچستان سے عبدالکریم، چونیاں صوبہ پنجاب سے عبداللہ اور کتیاری صوبہ سرحد سے عرفان اللہ نے بھرپور دلائل کے ساتھ الہ واحد کی بندگی کے اوپر روشنی ڈالی اور غیر اللہ کی بندگی کو رد کیا۔ اس پروگرام کے نگران قصور کے ساتھی طفیل بیگ صاحب تھے۔

صلوٰۃ العصر کے بعد فیصل آباد کے نوجوان ساتھی رفعت نواب نے سورہ نساء کی آیت ۶۹ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ...... کے حوالے سے بتایا کہ سمع و اطاعت ایمان کا لازمی حصہ ہے، ایمان خالص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی اور سنت رسول سے محبت ہی دین ہے اور آخرت کی کامیابی کے لیے یہ ضروری ہے۔ متعدد قرآنی آیات اور متعلقہ احادیث کے ذریعے رفعت نواب نے کھل کر سمع و طاعت کی اہمیت کو واضح کیا۔

رفعت صاحب کی تقریر کے بعد قاری خلیل الرحمن صاحب نے سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۶ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ ...... کے حوالے سے رد طاغوت کے موضوع پر ایک مدلل بیان فرمایا۔ انہوں اس بات کی وضاحت کی کہ طاغوت کیا ہوتا ہے، اور اس کا انکار ایمان کے لیے کیوں ضروری ہے۔ آیات قرآنی کی روشنی میں انہوں نے بتایا کہ احبار و رہبان، مولوی و پیر ہی اس امت کے سب سے بڑے طاغوت ہیں کیونکہ انہوں نے مختلف انداز میں قرآن و حدیث کے دین کے مقابلے میں ایک نیا دین پھیلایا ہے۔ جس کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول کا قول نہیں بلکہ ان کے اکابرین کے اقوال، ملفوظات ہیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق، قاری صاحب کی تقریر کے بعد محترم اعظم صاحب مرحوم نے تقریر کرنا تھی جن کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ کے ایک رکن نے سورہ انفال کی آیت ۲۵ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً کے حوالے سے ایک جامع تقریر کی۔ تقریر میں بتایا گیا کہ ایمان والوں کو ہر فتنے و فساد، ظلم و زیادتی سے خود کو بچانا ہے کیونکہ ایسے بھی فتنے ہیں جن کی زد میں صرف وہی لوگ نہ آئیں گے جنھوں نے ظلم کیا ہو گا بلکہ اس کی لپیٹ میں دوسرے بھی آسکتے ہیں۔ اس کے لیے ہر لمحہ خود احتسابی میں گذارنا ہو گا۔

اجتماع کے دوسرے روز صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر پنجاب جناب حکیم محمد رمضان صاحب نے سورہ بقرہ آیت ۲۶۱ مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ...... کے حوالے سے ایمان کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے اوپر قرآن و حدیث کے دلائل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ مالک انسان سے اتنی محبت کرتا ہے، کہ خود مال و دولت عطا فرماتا ہے اور پھر انسان سے کہتا ہے کہ مجھے قرض دو، میں اسے دوگنا چوگنا کر کے تمہیں میں واپس لوٹاؤں گا۔ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ انفاق فی سبیل اللہ کے معاملے میں تیز آندھی سے بھی زیادہ سخی تھے۔ حکیم صاحب نے مختلف صحابہ کرام ؓ کے واقعات پیش کرتے ہوئے ساتھیوں کے سامنے انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کو واضح کیا۔

اشراق و ناشتے کے وقفے کے بعد اصول تجوید کا پروگرام ہوا۔ اس پروگرام میں قاری خلیل الرحمن صاحب نے گزشتہ روز پڑھائے گئے اصولوں کے تحت قرأت قرآن کی مشق کرائی۔

اس کے بعد مرکزی شوریٰ کے رکن، کراچی کے ساتھی محمدی گل صاحب نے سورہ الحجرات آیت ۱۵ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ ...... کے حوالے سے تقریر کی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے بتایا کہ ایمان وہ ہے جو شک و شبہ سے دور ہے، ایمان والوں کو اللہ کی بتائی ہوئی باتوں میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہوتا، ایمان والے تو وہی ہوتے ہیں جو اللہ پر خالص ایمان لاتے اور پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکاریں، ان کی نذر و نیاز دیں، تعویذ گنڈہ پہنیں ...... تو اس قسم کے سارے اعمال مشرکانہ ہیں، ان باتوں سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ محمدی گل صاحب نے بتایا کہ مومن کا ایمان شک و شبہ سے پاک ہونا چاہیے کیونکہ ایمان کے بعد شک ایمان کے لیے مہلک ہے۔ شکوک و شبہات سے پاک مومن ہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کر سکتا ہے۔

محمدی گل صاحب کی تقریر کے بعد کراچی کے ساتھی منور سلطان نے سورہ شوریٰ کی آیت ۱۴ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ...... کے حوالے سے تقریر کی جس میں انہوں نے بتایا کہ ہمیشہ علم والے ہی اختلافات اور تفرقہ پردازی کا شکار ہو کر امت کو گمراہی میں ڈالتے رہے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنی بڑائی کو برقرار رکھنے کے لیے امت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور محض آپس کی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تفرقہ بازی کو ہوا دیتے ہیں۔ خود کو دوسروں سے افضل سمجھنے کا خناس ان کے ذہن و خیال میں جگہ بنا لیتا ہے، ان پر شیطان کا وار ہوتا

ہے اور بڑائی کا یہ زعم، گھمنڈ اور تکبر انہیں شیطان کا ساتھی بنا دیتا ہے۔ مقرر نے قرآن و حدیث سے مدلل انداز میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ دین میں جس نے تفرقہ ڈالا، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اگلی تقریر آزاد کشمیر کے ساتھی عتیق الرحمن صاحب نے سورۃ الفتح کی آیت: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کے حوالے سے کی۔ انہوں نے بتایا کہ محمد ﷺ کے ساتھی آپس میں بہت پیار و محبت کرنے والے اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں کیونکہ ایمان داروں سے محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ اسی طرح مومنوں کو چھوڑ کر غیر مومنوں سے دوستیاں کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہیں۔ مقرر نے قرآن و حدیث کے بھرپور دلائل سے اس بات پر زور دیا کہ مومن کی محبت اور عداوت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔

پروگرام کے آخر میں امیر تنظیم محترم محمد حنیف صاحب نے اختتامی کلمات ارشاد فرمائے۔ امیر محترم نے ابتداء تقریر میں سورہ یوسف کی آیت ۱۰۶ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ تلاوت کی۔ آپ نے بتایا کہ ایمان کی بنیاد پر یہ تنظیم بنی ہے، ایمان کی بنیاد کفر بالطاغوت پر ہے، تنظیم کی دعوت کا محور بھی کفر بالطاغوت ہے، تنظیم کے تمام پروگراموں کا مرکزی مضمون ایمان کی جوہری بات کفر بالطاغوت ہی رہا ہے۔ انہوں نے عقل والوں کی صفات بیان کیں کہ کیسے وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کے اندر غور و فکر کرتے ہیں، اللہ کی نعمتوں کا ادراک کرتے ہوئے اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور سچے ایمان والے بن جاتے ہیں۔

امیر تنظیم و رفقاء کا دورہ سرحد

اس دورے کی کارگزاری بھی تاخیر سے موصول ہوئی اس لیے پچھلی اشاعت میں شامل ہونے سے رہ گئی۔ ساتھیوں کی معلومات کے لیے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

صوبہ سرحد کے ۱۲ روزہ دورے کے لیے ساتھیوں کا ایک قافلہ محمدی گل صاحب کی معیت میں کراچی سے روانہ ہوا۔ اس سلسلے کا پہلا پروگرام ۱۳ ستمبر ۲۰۰۵ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مرکز میں ہوا۔ مقامی ناظم ندیم رمضان صاحب کے گھر میں ملحقہ علاقوں سے کثیر تعداد میں ساتھی جمع ہو گئے تھے۔ اعظم صاحب مرحوم، سابقہ امیر شمالی علاقہ جات کے علاوہ امیر پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ بعد صلوٰۃ المغرب، حکیم رمضان صاحب نے سورہ احقاف کی آیات ۲۰ تا ۲۶: وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ .... کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے بتایا کہ آج انسانیت نے اللہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے کہ اس ایک الٰہ کو چھوڑ کر کس طرح فوت شدہ انسانوں کو اپنا الٰہ بنا لیا ہے۔ ان میں سے کسی کو مشکل کشا قرار دیا تو کوئی حاجت روا بنا دیا گیا، کوئی ان کو اولاد دینے والا ہے تو کوئی غریب نواز ...... اپنے رب سے غداری کے اس عمل کی وجہ سے آج یہ اللہ کے عذاب کے حق دار بن گئے ہیں۔ حکیم صاحب نے دنیا کی بے ثباتی کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ دنیا میں مال و دولت کے ڈھیر جمع کرنے والا، دنیا کی شان و شوکت، رعب و دبدبہ رکھنے والا قیامت کے دن آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ اس دن کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ ہے کہ اللہ پر خالص ایمان لایا جائے، اس کی بندگی اس انداز میں کی جائے کہ کسی کو اس کا ہمسر نہ بنایا جائے۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ درس کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد علاقے کے روایتی کھانے "صحبت" سے ساتھیوں کی تواضع کی گئی۔ رات قیام کرنے کے بعد دوسرے دن ناشتے اور صلوٰۃ الاشراق کے بعد ساتھی دریا خان کے لیے روانہ ہوئے۔ اعظم صاحب مرحوم، اٹک کے ساتھی مظہر صاحب کی ویگن کے ساتھ راولپنڈی سے آئے ہوئے تھے۔ بقیہ پورا دورہ اسی گاڑی میں کیا گیا۔

دریا خان کی مسلم مسجد میں صلوٰۃ الظہر سے پہلے محمدی گل صاحب نے سورہ انعام کی آیات ۴۷ تا ۵۷: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ .... کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے ایمان و عقیدے کی اہمیت کو بیان کیا۔ آپ نے بتایا کہ جو لوگ ایمان کی قدر نہیں کرتے اللہ بھی ان سے ایمان چھین لیتا ہے۔ ہمیں اس کی قدر دانی کرنی ہے، اللہ کا خوف دل میں بٹھانا ہے۔ آج جو اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے مہربان رب کو واسطوں اور وسیلوں کے ذریعے پکارتا ہے، مرتے ہی یہ اللہ کو ڈائریکٹ پکارتا ہے کہ مجھے واپس اس دنیا میں بھیج دے جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ اس وقت اس سے یہ واسطے وسیلے سب گم ہو جائیں گے۔ اس وقت اسے وہ الفاظ بھی یاد نہیں آئے گی جو آج یہ دکھاتا ہے جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے رب کو براہ راست پکارو، وہ بلا واسطہ سب کی سننے والا ہے۔ مولویوں نے اپنے پیٹ کی خاطر انسانیت کو کفر و شرک میں لگا دیا ہے۔ ایمان کا تقاضہ ہے کہ ان پیٹ کے بندوں کا کھل کر انکار ہو؛ یہ طاغوت ہیں اور طاغوت کے انکار کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

دریا خان میں پروگرام کے بعد ساتھی واپس ڈیرہ اسماعیل خان آئے اور وہاں سے ضلع ٹانک کے علاقے ملازئی کے لیے روانہ ہوئے اور تقریباً صلوٰۃ الظہر کے وقت وہاں پہنچ گئے۔ مشکل حالات کے باوجود یہاں کے ناظم ابو ہشام صاحب نے اپنے گھر پر ساتھیوں کی ضیافت کا بڑا بندوبست کر رکھا تھا۔ صلوٰۃ الظہر و طعام سے فراغت کے بعد مقامی مسجد میں جہاں کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تھے، محمدی گل صاحب نے پشتو میں سورہ بقرہ کے پہلے رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیتے ہوئے ایمان، کفر اور منافقت کی وضاحت فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ انسان اللہ کا محتاج ہے، سارے کے سارے انسان اللہ کے در کے فقیر ہیں؛ اللہ تعالیٰ نے کسی کو گنج بخش بنا کر نہیں بھیجا۔ آج ان کلمہ پڑھنے والوں کا یہ

حال ہوگیا ہے کہ انہوں نے اللہ کی صفات اللہ کے بندوں کے نام کردی ہیں۔ اللہ کے بجائے تعویذوں پر ان کا بھروسہ ہے: پھر ایسے لوگوں کا کیا انجام ہوگا جنہوں نے آج دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔ تقریر کے بعد محمدی گل صاحب نے سوالوں کے جواب دیے۔ مقامی سامعین نے بھی سوالات کیے کہ ابوہشام کیوں ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھتا، ہماری تقریبات میں شریک نہیں ہوتا، وغیرہ۔ انہیں تفصیل سے مسلکی عقیدے کی خرابیاں بتائی گئیں جن کی موجودگی میں کوئی یکسو مومن ایسے لوگوں کو اپنا امام نہیں بنا سکتا۔

صلوٰۃ العصر ابوہشام صاحب کے ڈیرے پر ادا کی گئی جس کے بعد یہ قافلہ ملک جان کے ڈیرے واقع کرک کے لیے روانہ ہوگیا۔ سفر کی طوالت اور راستہ بھول جانے کی وجہ سے کرک پہنچنے میں کافی تاخیر ہوگئی تاہم ساتھیوں کے پہنچنے سے پہلے صوبہ سرحد کے امیر نیاز اللہ صاحب نے پروگرام شروع کر دیا اور حاضرین کے سوالات کے جواب دیے۔ تاہم اتنی تاخیر کے باوجود مقامی ساتھیوں نے اہل قافلہ کی ضیافت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور باوجود اپنی مشکلات کے بھرپور مہمان نوازی کی۔ رات کو یہیں قیام کیا گیا۔

بعد صلوٰۃ الفجر کراچی کے منور سلطان نے مختصر درس حدیث دیا۔ درس صحاح ستہ کی ان احادیث پر مشتمل تھا جن میں ایمان کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے مثلاً: تین چیزیں ہیں کہ جس میں پائی جائیں اس نے ایمان کی حلاوت کو پالیا (۱) جو اللہ اور اس کے رسول سے سب سے زیادہ محبت کرے، (۲) جو کسی سے تعلق رکھے تو محض اللہ کے لیے، یعنی کوئی ذاتی غرض، مفاد اور لالچ نہ ہو، اور (۳) جو سابقہ دین میں جانا ایسا ہی برا جانے جیسا آگ میں جانے کو برا جانتا ہے...... جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے منع کیا، تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی...... کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے والدین، اولاد اور ساری انسانیت سے زیادہ نبی ﷺ سے محبت نہ کرے، وغیرہ۔ آپ نے احادیث کی ہی روشنی میں ایک ایک نکتے کی تفصیلی وضاحت کی۔ اس کے بعد کچھ مقامی سامعین جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا، سے سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں ان کے عقیدے کی خرابیوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کیا گیا۔

اشراق و ناشتے کے بعد یہ قافلہ پشاور کے لیے روانہ ہوا۔ پشاور میں اس قافلے کے ساتھ امیر تنظیم محمد حنیف صاحب اور شمیم صدیقی صاحب بھی مل گئے۔ پشاور کی وزیر کالونی میں مقامی ناظم محب اللہ صاحب کے ڈیرے پر پروگرام ہوا جہاں قرب و جوار کے ساتھی کافی تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ ظہر سے پہلے ساتھیوں کی خوب تواضع کی گئی۔ بعد صلوٰۃ الظہر محمدی گل صاحب نے سورہ فاطر کی آیات ۳۹ تا ۴۴: هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَن كَفَرَ ...... کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسا عظیم خالق ہے کہ جس نے بغیر ستونوں کے آسمان کی تخلیق فرمادی۔ آج انسان کس قدر ترقی کر گیا ہے لیکن کیا ایک چھت بھی بغیر ستونوں کے بنا سکتا ہے؟ لیکن یہ انسان کس قدر ظالم ہے کہ اس نے ایک مردے کو اللہ کے برابر کر دیا! اس انسان سے اچھا تو وہ جانور ہے جو کیلے اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ یہ جنت تو اسی کے لیے ہے جس کا ایمان خالص ہوگا۔ صحابہ کرام ؓ نے اسلام کے لیے قربانیاں دی تھیں، لیکن انہی صحابہ کا نام لینے والا یہ مولوی حلوے کا بیوپاری بن چکا ہے۔ اس کا ہر کام صرف پیسوں کے لیے ہے۔ اس نے انسانیت کو گمراہ کیا ہے۔ آج اللہ کے ذکر کے بجائے ان باباؤں کے نعرے ہیں۔ ہر علاقہ کا ایک علیحدہ بابا ہے۔ لیکن قیامت کے دن صرف ایک اللہ کی حکومت ہوگی۔ وہی انسانیت کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کامیاب وہی ٹھہریں گے جن کا ایمان خالص ہوگا، جنہوں نے ایک اللہ کو اپنا داتا، دستگیر، مشکل کشا، حاجت روا اور بگڑی بنانے والا سمجھا ہوگا۔ جنت کے یہی حقدار ہوں گے۔

محمدی گل صاحب کی تقریر کے بعد امیر تنظیم نے عصر تک حاضرین کے سوالوں کے جواب دیے۔ سوال و جواب اور گفت و شنید کا یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہا۔ بعد صلوٰۃ المغرب قافلہ **پبّی** کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں اٹک سے بھی ساتھی آئے ہوئے تھے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد کراچی کے ساتھی شرافت اللہ صاحب نے سورہ الکہف کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے اپنی اس تقریر میں "ان شاء اللہ" کہنے کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے موسیٰ و خضر علیہما السلام، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے واقعات کی وضاحت کی۔ آپ نے بتایا کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں تھے بلکہ غیب کی ان باتوں کی خبر انہیں بذریعہ وحی دی جاتی تھی۔ انہوں نے اصحاب کہف کے واقعہ کی روشنی میں بتایا کہ ایمان ہی اصل ہے، اس کی ہر حالت میں حفاظت کرنی ہے۔ اگر آزمائش کی ایسی گھڑی آجائے کہ ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو انسان ہجرت کر جائے لیکن ایمان سے ہرگز دست بردار نہ ہو کیونکہ آخرت کی کامیابی اسی پر منحصر ہے۔

رات مسجد توحید **پبّی** میں قیام کیا گیا۔ فجر کے بعد امیر سرحد نیاز اللہ صاحب نے سورۃ الشعراء کی آیات ۶۹ تا ۸۹: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ...... کے حوالے سے پشتو میں درس دیا۔ آپ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے ذریعے توحید کے مضمون کو اجاگر کیا اور شرک کی سنگینی بیان کی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد یہ قافلہ خویشگی پایاں، ضلع نوشہرہ کے لیے روانہ ہوا۔ آج جمعہ تھا اور یہاں صبح سے حلقہ طلبہ کا تربیتی پروگرام ہو رہا تھا۔ فہم القرآن کے پروگرام حصہ لینے والے تین نوجوانوں نے بڑی اچھی تقاریر کیں۔ اس کے بعد محمدی گل صاحب نے سورہ اعراف کی آیات ۴۰ تا ۴۴: إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ...... کے حوالے سے جمعہ کی تقریر کی۔ انہوں نے بتایا کہ اطاعت امیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

محمد ﷺ کے حکم کی ہی وجہ سے ہے۔ اس کا فائدہ آخرت میں ملے گا۔ انہوں نے آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ساتھی مکمل طور پر اللہ اس کے رسول ﷺ اور اپنے امیر کی اطاعت کرے۔ اپنے نفس کو الٰہ نہ بنالے کہ شیطان کو اسے بہکانے کا موقع مل جائے اور پھر وہ اسے پستیوں میں لا پھینکے گا۔ آج کا یہ مولوی شیطان کے ایجنٹ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، جس نے ایک اللہ کی الوہیت کے مقابلے میں ہزاروں الٰہ گھڑ ڈالے ہیں۔ اب ان کو پکارا جاتا ہے، ان کے نام کی نذر و نیاز ہے اور انہی کی دہائیاں ہیں۔ عورتیں کم عقل ہوتی ہیں، وہ ان پیشہ وروں کی باتوں میں جلدی آجاتی ہیں، وہ انہیں خاوند کے لیے تعویذ لکھ کر دیتا ہے، یہ تعویذ کا شرک کرتی ہیں اور اس طرح یہ شیطانی ایجنٹ ان سیدھی سادی عورتوں کو جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اس تقریر کے بعد امیر تنظیم نے جمعہ کا خطبہ دیا۔ صلوٰۃ الجمعہ کے بعد امیر تنظیم محمد حنیف صاحب نے ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ اس نشست میں امیر تنظیم نے علم کی اہمیت پر بہت زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ ساتھی قرآن تجوید کے ساتھ پڑھنے پر توجہ دیں، اس کے علاوہ عربی گرامر کی تعلیم حاصل کریں، خود مطالعہ کریں اور پھر یہ علم دوسروں تک پہنچائیں۔

صلوٰۃ العصر پڑھ کر ساتھی مسجد توحید شاہ بڑا کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہاں کی مسجد چھوٹی مگر بڑی خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ مقامی ساتھی اپنی کم مائیگی کے باوجود اپنے گھروں سے مہمانوں کی ضیافت کے لیے سامان خورد و نوش لے آئے تھے۔ یہاں مغرب کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورہ حج کی آخری آیات کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے کہا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ وسوسوں کے ذریعے انسان پر حملہ کرتا ہے۔ مشرکین عرب اللہ کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ آج وہی انداز اس امت نے بھی اپنایا ہے۔ اللہ پر ایمان کا دعویٰ ان کا بھی ہے لیکن اللہ کے بندوں کو انہوں نے مشکل کشائی، حاجت روائی کے منصب پر فائز کر دیا ہے۔ اب ان کی بگڑی بنانے والے، ان کو اولاد سے نوازنے والے...... ان کے زعم میں یہ مردہ انسان بن گئے ہیں! انسانیت کو اس بدعملی نے کیا دیا ہے؟ یہی کہ یہ اللہ کے عذاب کے مستحق بن گئے ہیں جو ہر سو ان پر مسلط ہے۔ درس قرآن کے بعد صوبہ سرحد کے امیر نیاز اللہ صاحب نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیے۔

صلوٰۃ العشاء کے بعد ساتھی واپس مسجد توحید خویشگی پایاں روانہ ہوگئے۔ رات وہیں قیام کیا گیا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد منور سلطان نے سورہ فرقان کی آیات ۲۰ تا ۳۰ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ...... کے حوالے سے بشریت انبیاء کے موضوع پر درس قرآن دیا۔ قرآن کی دیگر آیات کی روشنی میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے، سارے کے سارے انسانوں کی طرح تھے، خلقی و نوعی اعتبار سے ان میں اور عام انسانوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ فرق تھا تو صرف مقام و مرتبے میں تھا اور یہ ان پر وحی آتی تھی۔ تلاوت شدہ آیات کی روشنی میں ان لوگوں کی بدانجامی کا بھی تذکرہ کیا گیا جو اللہ کے پیغمبروں کی دعوت کو چھوڑ کر طواغیت کو اپنا دوست بنا کر ان کی پیروی شروع کر دیتے ہیں۔ شیطان کے زیر اثر ان شخصیات کا سحر انہیں حقیقت حال سے دور رکھتا ہے، لیکن آخرت میں جیسے ہی ان پر حقیقت کھلے گی تو ان کی تعریفیں کرنے والے یہی پیروکار حسرت و افسوس میں اپنے بازو چبا جائیں گے اور اپنے اکابرین سے برأت و بیزاری کا اعلان کریں گے۔ مگر اس وقت تو دیر ہو چکی ہوگی، اس وقت کی لاتعلقی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی بلکہ ان کے حزن و ملال کو مزید بڑھا دے گی۔ ان سے قطع تعلق کرنا ہے تو مرنے سے پہلے اسی دنیائے رنگ و بو میں کرنا ہوگا۔

اشراق و ناشتے سے فارغ ہو کر یہ قافلہ اگلے مرکز گل آباد، ضلع چارسدہ کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں کی مسجد توحید میں نیاز اللہ صاحب نے سورہ حم سجدہ کی آیات ۲۶ تا ۳۲ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ...... کے حوالے سے پشتو میں تقریر کی۔ تقریر کی ابتدا میں انہوں نے حروف مقطعات کے متعلق بتایا کہ یہ متشابہات ہیں جن کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں مگر لوگوں نے اپنے طور پر ان کے نہ جانے کیا کیا معنی بیان کیے ہیں جن کی قرآن و حدیث سے کوئی سند ثابت نہیں۔ قرآن فہمی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ آج لوگ قرآن کو طوطے کی طرح پڑھتے ہیں، انہیں نہ اس کے معنی سے کوئی مطلب ہے اور نہ ہی یہ اس بات کو جانتے ہیں کہ مالک نے اس کتاب ہدایت کے ذریعے ہمیں کیا حکم دیا ہے۔ عرب کے مشرکین عربی جانتے تھے، اسی لیے انہوں نے اس کلمہ کا اقرار نہیں کیا جس میں ایک اللہ کی وحدانیت کا اعتراف تھا۔ آج کی یہ بدقسمت امت کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم سے ناآشنا ہے۔ ایک اللہ کی وحدانیت کا انہوں نے عربی میں تو اعتراف کر لیا ہے لیکن انہوں نے گنج بخش، داتا اور دستگیر دوسروں کو بنایا ہوا ہے! دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے، سب کی دعوت کا مرکز صرف ایک اللہ کی بندگی تھا۔ یہی وہ بنیاد ہے جو ایک انسان کو دائرہ اسلام میں داخل کرتی ہے اور اسی کا انکار انہیں اس دائرے سے خارج کر دیتا ہے۔ آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس کلمہ توحید کو انسانیت کے سامنے رکھا جائے، انہیں اس کے معنی و مطالب سے روشناس کرایا جائے۔ اس تقریر کے بعد امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالات کے جوابات دیے۔

مقامی ساتھیوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ بڑی تعداد میں نوجوان جمع ہوگئے تھے اور ساتھیوں کی خاطر مدارت کر رہے تھے۔ صلوٰۃ الظہر و طعام کے بعد اہل قافلہ الیاسے کے لیے روانہ ہوگئے۔ پہاڑوں کے دامن میں گھری یہاں کی مسجد توحید زیر تعمیر تھی۔ صلوٰۃ العصر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورہ تحریم کے پہلے رکوع کی آیات يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ...... پر پشتو میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے سورہ تحریم کے حوالے سے اس بات کو بیان کیا کہ کسی بھی چیز کو حلال و حرام قرار دینا صرف اللہ کے لیے مختص ہے، یہ اختیار اس نے اپنے کسی

رسول کو بھی نہیں دیا۔ اللہ کے حکم سے ہی کوئی چیز حلال یا حرام ٹھہرتی ہے۔ رسول کی اطاعت بھی اللہ ہی کے حکم کے تحت کی جاتی ہے۔ ہم امیر کی اطاعت بھی اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے حکم کے تحت کرتے ہیں۔ کوئی ایسا حکم جو خلاف شرع ہو، اس میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں۔ اس کے علاوہ ہر حالت میں امیر کے حکم کی اطاعت کرنی ہے۔ امیر جسے جو بھی ذمہ داری دے وہ اسے قبول کرنی ہے۔ اسی طرح جب کسی سے کوئی ذمہ داری واپس لے لی جائے تو بھی وہ مکمل اطاعت کرے۔ امیر کی اطاعت میں اللہ کی خوشنودی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج منبر و محراب پر دین فروشوں نے قبضہ جما لیا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ سے بڑھ کر بھی کوئی دیندار ہو سکتا ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ آج کس نے اس مولوی کو پابند کیا ہے کہ وہ مسجد میں نکا رہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ عبادات انسان پر فرض کی ہیں، ان کا اجر آخرت میں ملنا ہے۔ جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف اس کو پیشہ بنائے بیٹھے ہیں، وہ کس چیز کی امید رکھتے ہیں؟ کیا ان کو ان سب چیزوں کا اجر ملے گا؟ جنہوں نے اپنی نمازوں کو بیچا ہو، ان کو اجر نہیں، جہنم کا عذاب ملے گا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا ملک مانگا جس کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا ملک بھی عطا فرما دیا۔ لیکن ہم نے کیا کیا؟ اس الہ واحد کو چھوڑ کر اس ملک کی ایک ایک گلی میں دوسرا الہ بنا لیا۔ ہر گلی میں ایک قبر ہے، ایک بابا بیٹھا ہے، وہی انہیں اولاد دینے والا سمجھا جاتا ہے، اسی کو پکارا جاتا ہے اور اسی کے نام کی نذر و نیاز کی جاتی ہے۔ یہ کلمہ پڑھنے والا آخر کیوں ساری دنیا میں ذلیل ہے، اسی لیے کہ اس نے اپنے رب سے کیے ہوئے خالص بندگی کے وعدے کو فراموش کر دیا ہے۔ اب اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا اور دوسری قوموں کو ان پر مسلط کر دیا۔ اب بھی وقت ہے کہ اللہ سے توبہ کی جائے، اس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے شرک سے بچا جائے تو ان شاء اللہ، اللہ کا وعدہ پورا ہوگا اور ان کلمہ پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی افضل کرے گا اور آخرت میں تو ان کے لیے نعمت بھری جنتیں ہوں گی۔ مغرب سے پہلے تیز آندھی اور بارش شروع ہوگئی۔ مگر مقامی ساتھیوں نے اس شدید موسم میں بھی اپنی روایتی مہمان نوازی نہیں چھوڑی اور ساتھیوں کی بھرپور تواضع کی۔ دشوار گذار پہاڑی گذرگاہوں میں سفر کرتے ہوئے ویگن کا کمانی پٹہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے ساتھی دو ویگنوں میں سوار ہو گئے۔

مغرب کے بعد قافلہ مسجد توحید، موروہ باندہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ سرسبز و شاداب پہاڑوں کے دامن میں بنی پتھروں کی اس مسجد میں عشاء کے وقت قافلہ پہنچا۔ صلوٰۃ کے بعد گل آباد کے عطا اللہ صاحب نے سورہ العصر کے حوالے سے پشتو میں سامعین کے سامنے اس بات کو رکھا کہ مالک قسم کھا کر کہتا ہے کہ ساری کی ساری انسانیت خسارے میں ہے۔ یہ کیوں خسارے میں ہے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ذات، صفات، حقوق و اختیارات میں دوسری ہستیوں کو شریک کر دیا۔ بندگی کے لائق صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مالک نے قرآن میں بتا دیا ہے کہ پچھلی قومیں کیوں برباد ہوئیں؟ صرف شرک کی وجہ سے۔ انہوں نے جب مردہ انسانوں کو اللہ کا ساجھی بنایا، ان کی وفات کے بعد ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنایا، ان کے نام کے بت بنائے اور ان کی پرستش ہونے لگی تو پھر یہ قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں۔ بتایا گیا کہ اس خسارے سے بچنے والے وہی ہیں جنہوں نے ایمان کو قبول کیا، اپنے ایمان کو شرک کی ملاوٹ سے پاک رکھا، انسانیت کے سامنے اس دعوت حق کی تبلیغ کی اور پھر اس راہ میں آنے والی مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ ان چار قسم کے لوگوں کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں، سارے کے سارے مکمل خسارے میں ہیں خواہ انہوں نے دنیا کا کتنا ہی اونچا مقام کیوں نہ حاصل کر لیا ہو، کتنا ہی مال کیوں نہ جمع کر لیا ہو۔

رات اسی مسجد میں قیام کیا گیا۔ اگرچہ دورے کے دوسرے علاقوں میں موسم گرم تھا مگر یہاں سردی محسوس ہو رہی تھی۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورہ الملک کی ابتدائی آیات کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ بطور تمہید، اس سورہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ قرآن کی یہ آیات بڑی فضیلت والی ہیں۔ ان آیات میں وہ راہ دکھا دی گئی ہے جو اللہ کی مغفرت والی ہے۔ لیکن افسوس کہ آج اس کتاب کو جزدان میں لپیٹ کر، اس پر عطر لگا کر، الماری میں چھپا دیا جاتا ہے لیکن اس کو سمجھ کر پڑھا نہیں جاتا۔ حالانکہ کوئی شخص اگر کسی کو خط لکھتا ہے تو مکتوب الیہ اسے پڑھتا ہے، پڑھنا نہیں آتا تو کسی پڑھنے والے سے اس کو سن لیتا ہے، سمجھتا ہے کہ انہیں کیا لکھا ہے، اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ لیکن اس کتاب ہدایت کے ساتھ اس امت نے جو معاملہ کیا ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔ اسی لیے تو آج یہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جنت میں داخلہ صرف اللہ کی رحمت کی وجہ سے ہوگا، اور یہ رحمت بھی انہی پر ہوگی جنہوں نے اس کتاب کو پڑھا، اس کے مطابق اپنے عقائد بنائے اور اعمال کیے۔ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ اور اپنی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس دنیا میں کچھ لینا ہے تو مجھ سے لے لو لیکن آخرت میں، میں تمہارے کام نہ آ سکوں گا، وہاں جنت میں تمہارا داخلہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ انسان کو وہی کچھ ملنا ہے جو اس نے دنیا میں کمایا۔ مسلسل تقاریر کرنے سے محمدی گل صاحب کا گلہ متاثر ہو گیا تھا۔ جب یہ زیادہ خراب ہو گیا تو بقیہ تقریر شرافت اللہ صاحب نے کی۔

پروگرام کے مطابق اگلی منزل مسجد توحید مدین تھی۔ مگر یہاں فرقہ پرست مولوی نے حالات خراب کر ڈالے تھے جن میں اہل قافلہ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ پروگرام میں تبدیلی کرتے ہوئے کتیازی، ضلع دیر کی طرف روانہ ہوئے۔

کتیازی کے راستے میں ایک جگہ سبحان آباد میں بھی پروگرام کیا گیا۔ یہاں کے ساتھی عبد الرحیم صاحب نے اہل قافلہ کو مدعو کیا تھا۔ انہوں نے ساتھیوں کی خوب خاطر تواضع کی حالانکہ عصر کے وقت ان کی سعودی عرب کی فلائٹ تھی۔ ان کے محلے کی مسجد میں صلوٰۃ الظہر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے پشتو زبان میں سورہ آل عمران کے حوالے سے ساتھیوں کے سامنے اس بات کو رکھا کہ اللہ تعالیٰ

نے ہماری یہ ڈیوٹی لگائی ہے کہ انسانیت کو اللہ کی طرف دعوت دیں۔ فرمایا کہ سب سے اچھی بات اسی کی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں: ان کے سامنے اس بات کو بیان کرے کہ میں مسلم ہوں، یعنی وہ اس دعوت کا ایک مکمل نمونہ بن کر لوگوں کے سامنے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ آج انسانیت نے اللہ کے علاوہ مُردوں کو پکارنا شروع کر دیا ہے، حالانکہ مالک کا تو فرمان ہے کہ یہ مردے ہیں ،ان میں جان کی رمق تک باقی نہیں رہی۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے یہ خود ساختہ معبود قیامت کے دن ہماری سفارش کریں گے حالانکہ اللہ بیان فرماتا ہے کہ جن کو اللہ کے مقابلے میں پکارا جا رہا ہے، قیامت کے دن اپنے پکارے جانے کو رد کر دیں گے۔ قیامت کے دن کسی مشرک کی سفارش نہیں کی جائے گی۔ آج ان فرقوں کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ مدینے والی قبر میں زندہ ہیں جبکہ یہ عقیدہ قرآن وحدیث کا کھلا انکار ہے۔ یہ عقائد رکھنے والے قیامت کے دن ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں گے۔ تقریر کے بعد سوالوں کے جواب نیاز اللہ صاحب نے دیے۔ بعد ازاں کتیاڑی کی طرف سفر دوبارہ شروع کیا۔

صلوٰۃ العصر کے وقت ساتھی کتیاڑی پہنچے۔ مسجد توحید کتیاڑی میں صلوٰۃ ادا کر کے ساتھی قریبی مرکز شعبان کے لیے روانہ ہوئے۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد کراچی کے ساتھی شرافت اللہ صاحب نے سورۃ اعراف کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ اپنے درس میں انہوں نے فرعون کے دربار میں رجل مومن کے اور اصحاب کہف کے واقعے کو بیان کر کے ساتھیوں کے سامنے اس بات کو رکھا کہ ایمان والوں پر آزمائشیں تو آتی ہیں۔ وہ ان آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔ یہ آزمائشیں اس کے ایمان کے لیے صیقل کا کام کر کے اسے چمکا دیتی ہیں۔ مگر ایمان سے قبل طاغوت کا کفر لازم ہے۔ ایمان اس کے ساتھ مشروط ہے۔ طاغوت کا کفر بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ یہ بڑی سخت آزمائش ہوتی ہے۔ لیکن ایمان والوں کے ایمان کا امتحان اسی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کو علیحدہ کرتا جاتا ہے۔ مقرر نے کافی وضاحت سے حوالوں کے ساتھ مروجہ مسالک کے عقائد کے کفر و شرک کو واضح کیا اور سامعین پر زور دیا کہ ان سے لاتعلق رہیں ورنہ پھر تباہی مقدر بننے والی ہے۔ تقریر کے بعد سوال و جواب ہوئے۔ یہاں کی مسجد ساتھیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مقامی ناظم جانان صاحب اور دیگر ساتھیوں نے بڑی تعداد میں ساتھیوں کی ضیافت کی۔

اس کے بعد ساتھی کتیاڑی واپس آ گئے اور رات یہیں قیام کیا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد محمد اعظم صاحب نے سورۃ نحل کے حوالے سے ایک نہایت ہی موثر خطاب فرمایا۔ انہوں نے عدل واحسان، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے، قرابت داروں پر خرچ کرنے، بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرنے اور گناہ و معصیت کی باتوں سے دور رہنے پر ایک تفصیلی بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ عدل کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھا جائے۔ اللہ کے مقام کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا، اس کی وحدانیت کو تسلیم کرنا ہے۔ یہ ظلم و ناانصافی ہے کہ اس کا یہ مقام کسی اور کو دے دیا جائے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ یہ شرک ہے اور شرک کرنے والا کبھی جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ حدیث جبریل علیہ السلام کے حوالے سے انہوں نے احسان کی تشریح کی کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا وہ خود اللہ کو دیکھ رہا ہے یا پھر یہ کم از کم یہ خیال کرے کہ اللہ تو اسے دیکھ ہی رہا ہے۔ حقوق و فرائض کا ادا کرنا احسان ہے۔ مال انسان کو محبوب ہوتا ہے، لیکن مومن اس محبوب مال کو اللہ کی راہ میں لگا کر اپنے رب کی خوشنودی چاہتا ہے، وہ دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی بڑائی کا طالب ہوتا ہے۔ اپنے اس درس میں انہوں نے ساتھیوں کے سامنے ان باتوں کو رکھا جن پر عمل کر کے معاشرہ ایک مثالی نمونہ بن جاتا ہے، امن و سکون حاصل ہوتا اور انسان اللہ کی رحمت کا حقدار بن جاتا ہے۔ اللہ کے مومن و منیب بندے اسی انداز کو اپناتے ہوئے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ساتھی نزدیک واقع مسجد توحید بیری کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں محمدی گل صاحب نے سورۃ ق کے دوسرے رکوع کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے کہا کہ جب بھی دنیا میں کوئی نبی بھیجا گیا تو قوم کے بڑوں اور مولویوں نے ان پر طرح طرح کے فتوے لگائے۔ لوگوں کو ورغلا کر انبیاء کی دعوت حق سے دور رکھا۔ نبی ﷺ نے بھی جب اس دعوت کو پیش کیا تو آپ کی اپنی قوم والے آپ کے دشمن بن گئے۔ آپ ﷺ نے اپنی قوم کے علاوہ طائف جا کر بھی اس دعوت کو پیش کیا، لیکن انہوں نے بھی آپ ﷺ کی ایک نہ مانی۔ آج بھی جب انسانیت کے سامنے قرآن کی یہ باتیں پیش کی جاتی ہیں تو یہ مولوی "حضرات" لوگوں کو بہکانے کے لیے اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو قرآن کے قریب نہیں آنے دیتے۔ جہنم سے نجات کی ایک ہی راہ ہے کہ کتاب اللہ کو پڑھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اللہ ہماری کمزوریوں سے درگزر فرمائے گا اور ہم پر رحمت کرتے ہوئے اپنی جنتوں میں داخل فرما دے گا۔

درس کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا، امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیے۔ بڑی تعداد میں جمع ہو جانے والے ساتھیوں کی اچھی طرح خاطر مدارت کی گئی۔ اس کے بعد ساتھی واپس کتیاڑی کے لیے روانہ ہوئے۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کے حوالے سے پشتو میں درس دیتے ہوئے عقیدہ توحید کی وضاحت کی، شرک و بدعت کی سنگینی و بد انجامی کو قرآن وحدیث کے ذریعے واضح کیا، احبار و رہبان کی دین کے نام پر دکانداری چمکانے کو بیان کیا اور طاغوت کی مختلف شکلوں کی نشاندہی کی۔ بڑی تعداد میں جمع ہو جانے والے ساتھیوں نے دلچسپی کے ساتھ اس بیان کو سنا۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیے۔ ساتھیوں کی بھرپور ضیافت کی گئی۔ اس رات کو بھی یہیں قیام کیا گیا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی کے منور سلطان نے سورۃ العنکبوت کے دوسرے

رکوع کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ اس درس میں دین کے نام پر مختلف مسالک کی جانب سے پھیلائی جانے والی بددینی کو حوالوں کے ساتھ واضح کیا گیا اور بتایا گیا کہ اس کے نتیجے میں گمراہ ہونے والوں کا بوجھ بھی ان کے گمراہ کرنے والوں پر ہوگا۔ درس میں بتایا گیا کہ بت پرستی وا کابر پرستی شخصیات سے محبت کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ ان کے عقیدت مند حدود سے تجاوز کر کے انہیں بندے کے مقام سے اٹھا کر رب کے منصب پر بٹھا دیتے ہیں لیکن قیامت میں یہی لوگ ان کے دشمن ہو کر انہی کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان کی محبت کا جواب ان پر لعنت سے دیں گے۔ لہٰذا کسی کی محبت میں حدود سے تجاوز کر کے بے دینی اختیار کرنے والوں کو اس میں غور و فکر کرنا چاہیے۔ ان کے لیے اس میں درس عبرت ہے۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر قافلہ آگے روانہ ہوگیا۔ راستے میں ایک ساتھی مرزا خان صاحب کے گاؤں علی شاہ بابا میں مختصر قیام کیا۔ مرزا صاحب معاش کے سلسلے میں کراچی بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے ساتھیوں کی ضیافت کا بھرپور انتظام کر رکھا تھا۔ انہوں نے وہ جگہ بھی دکھائی جو انہوں نے یہاں مسجد توحید کی تعمیر کے لیے وقف کر دی ہے۔ ساتھیوں سے ملاقات کے بعد قافلہ آگے روانہ ہوگیا۔

اگلا پروگرام نیاز اللہ صاحب کے گاؤں گڑھی عثمانی خیل، ضلع ملاکنڈ میں ہوا۔ یہاں بھی بڑی تعداد میں ساتھی جمع ہو گئے تھے۔ مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورہ طور کے حوالے سے پشتو میں درس دیا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور فرعون کے دربار میں دی گئی دعوت کو تفصیل سے بیان کیا۔ انہوں نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا ایک ہی مشن تھا۔ سب نے ایک ہی دین، دین اسلام کی تبلیغ کی۔ مقرر نے اس بات پر زور دیا کہ انسان کی آخرت کا دارومدار اس کے ایمان پر ہے۔ اگر ایمان خالص نہ ہو تو پھر اعمال کی کوئی جزا نہیں ملتی۔ شرک ایمان کو کھا جاتا ہے۔ ایک آدمی ایمان کا دعویٰ بھی کرے مگر اللہ کی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہرائے تو پھر اسے اللہ کے یہاں اپنی مغفرت کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ درس کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد ساتھیوں کی ضیافت کی گئی۔ رات کو یہیں کی مسجد توحید میں قیام کیا گیا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد کتیاڑی کے بزرگ ساتھی ورد یز صاحب نے سورۃ ابراہیم کی ابتدائی آیات کے حوالے سے پشتو میں طویل خطاب کیا۔ متعدد آیات و احادیث کی روشنی میں آپ نے توحید کی اہمیت اور شرک و کفر کی سنگینی کو بیان کیا۔ فرقہ پرداز ی کی مذمت کرتے ہوئے ان کی پھیلائی ہوئی بدعقیدگی کو اجاگر کیا اور ساتھیوں پر زور دیا کہ اپنے ایمان کو بچانے کے لیے ان پیشہ ور مولویوں اور پیروں سے دور رہا جائے ورنہ یہ خود بھی جہنم میں جائیں گے اور ان کو بھی جو آنکھ بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں، اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

ناشتے وغیرہ کے بعد قافلہ پھر روانہ ہوگیا۔ اگلا پروگرام تنجر انو کلے میں ہوا۔ یہاں نزدیک نزدیک دو مساجد ہیں جنہیں مسجد نمبر ۱ اور ۲ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مسجد نمبر ۲ میں نیاز اللہ صاحب نے سورہ احقاف کے پہلے رکوع کی آیات کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ تمہید کے طور پر انہوں نے کہا کہ قرآن کی باتیں بڑی کھلی اور واضح ہیں، ان میں کوئی ٹیڑھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسان بنا دیا ہے کہ انسان اس کو آسانی سے سمجھ سکے۔ البتہ اس کی بعض آیات متشابہ ہیں جن کا علم کسی کو نہیں دیا گیا جیسے کہ اسی سورۃ کے شروع میں حم کے مقطع حروف۔ مگر قرآن کی ان متشابہ آیات میں ٹیڑھ نکالی جاتی ہے اور حروف مقطعات کے من مانے معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ اس طرح آج اس امت کو گمراہ کر دیا گیا ہے۔ شریعت کے مقابلے میں جمہوری فیصلے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ انہوں نے قوم نوح علیہ السلام کا ذکر کیا کہ کس طرح یہ لوگ مشرک بنے۔ انہوں نے الٰہ واحد کے مقابلے میں اپنی قوم کے وفات شدہ پانچ نیک افراد کو الٰہ بنا لیا۔ ان کی قبریں بنائیں، پھر ان کے مجاور بن بیٹھے۔ آج بھی مردہ شخصیات کی قبریں عبادت گاہ بنی ہوئی ہیں۔ ان پر حاضریاں ہیں اور انہی کے نام کی پکاریں ہیں۔ ان کے یہ شرکیہ عقائد و اعمال ہی ہیں کہ آج یہ امت اقوام عالم کے مقابلے میں بدترین بن گئی ہے۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں کیونکہ انہوں نے اللہ سے غداری کی ہے۔ اللہ کے غداروں کی کیا سزا ہوگی؟ یہی کہ اس دنیا میں بھی ذلیل ہوں اور آخرت میں تو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

درس کے بعد امیر تنظیم محمد حنیف صاحب نے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کفر بالطاغوت کی اہمیت پر تفصیلی بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ طاغوت کے کفر کے بغیر ایمان نہیں۔ ایمان اس کے ساتھ مشروط ہے۔ جو ایمان کا دعویٰ کرے اور اس کے دل میں ان طاغوتوں کی محبت بھی ہو تو، ایسے شخص کا ایمان اللہ کے یہاں قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا فیصلہ ہے کہ روح قیامت سے قبل نہیں لوٹائی جائے گی۔ اب اس کے خلاف احمد بن حنبل عقیدہ دیتا ہے کہ روح اس جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ اب جس کے دل میں ان کے لیے ذرا بھی مقام ہو تو اس کا ایمان اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

مغرب کے بعد یہاں کی مسجد نمبر ۱ میں پروگرام ہوا۔ محمدی گل صاحب نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے جدت پسندی و روشن خیالی کے نام پر دین میں پیدا کی جانے والی خرابیوں کو بیان کیا۔ انہوں نے آج کے نام نہاد "لبرل مسلمان" کا موازنہ اسوۂ رسول ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا۔ ایک بڑی تعداد میں ساتھیوں نے دلچسپی سے بیان کو سنا۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔ عشاء کے بعد پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ رات کو یہیں قیام کیا گیا۔

دوسرے دن ناشتے وغیرہ کے بعد ساتھی کی گڑھی، ضلع صوابی کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں صلوٰۃ الظہر کے بعد اٹک کے ساتھی نے سورہ الزمر کی آیات کے حوالے سے اعادۂ روح پر پشتو میں درس قرآن دیا۔ آیات و احادیث کے ذریعے اس کفریہ عقیدے کی سنگینی کو بیان کیا گیا اور اصول حدیث کی مدد سے اس

کی موافقت میں بیان کیے جانے والے آثار کو رد کیا گیا۔ درس کے بعد محمدی گل صاحب نے سوالوں کے جواب دیے۔ اس کے بعد قافلہ آگے روانہ ہوگیا۔ راستے میں کفایت اللہ صاحب کے علاقے میں تھوڑی دیر قیام کیا گیا جہاں ایک ساتھی کے اسکول میں ساتھیوں کی ضیافت کا بندوبست کیا گیا تھا۔

مغرب کے بعد قافلہ ضلع صوابی کے گاؤں نارنجی کی مسجد توحید پہنچا۔ یہاں کے ناظم شاہجہان صاحب نے ان نئے ساتھیوں کا تعارف کرایا جو علاقے کے روایتی متشدد و مخالف حالات کے باوجود ایمان خالص پر یکسو تھے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد کتیاڑی کے ناظم زاہد خان صاحب نے سورہ یونس کے حوالے سے پشتو میں تقریر کی۔ انہوں نے بتایا کہ جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس وقت مکہ کا ماحول بہت خراب تھا۔ وہ لوگ شراب، ناچ گانے کے رسیا تھے۔ لوٹ مار عام تھی۔ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اللہ کو مانتے تھے لیکن ساتھ میں انبیاء علیہم السلام کے بت بنا کر ان کی عبادت بھی کرتے تھے۔ انہوں نے لات، منات، عزیٰ، نائلہ، اساف اور دیگر لاتعداد شخصیات کے بت بنا رکھے تھے۔ اس ماحول میں اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔ اسی ماحول میں پروان چڑھنے کے باوجود آپ ﷺ نے نہ کبھی کسی بت کو مانا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی بد اعمالی آپ کی عادت میں شامل تھی۔ آپ ﷺ کی راست بازی اور امانت داری پر لوگ آپ کو امین و صادق کے القابات سے پکارتے تھے۔ لیکن جب آپ نے مکے کی پہاڑیوں سے اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کی دعوت بلند کی تو انہی لوگوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور آپ کے دشمن بن گئے۔ پھر جو ہاتھ سلام کے لیے اٹھتے تھے وہ گریبان تک پہنچنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے یہی بات رکھی کہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری موت پر قادر ہے، مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں اللہ کے علاوہ ایسوں کو پکاروں جو نہ کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور اگر میں ایسا کروں تو یقیناً میں ظالموں یعنی مشرکوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اگر کسی کو تکلیف پہنچے تو کوئی اسے رفع نہیں کر سکتا سوائے اللہ کے اور اگر اللہ کسی کو خیر پہنچانا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ لیکن وہ قوم باز نہ آئی اور اپنے معبودوں کو چھوڑنا اس نے گوارا نہ کیا۔ لیکن قوم کے سعید الفطرت لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اللہ کے فرامین پر ایمان لائے۔ اللہ کی آیات کو اپنے اوپر نافذ کیا، یہاں تک کہ مالک نے ان سے راضی ہونے کی سند عطا فرما دی۔ تقریر کے بعد مختصر سوال و جواب ہوئے۔ رات کو یہیں پر قیام کیا گیا۔

دوسرے دن ناشتے وغیرہ کے بعد ساتھی چار باغ کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں شرافت اللہ صاحب نے پشتو میں درس قرآن دیا۔ مختلف آیات کی مدد سے توحید و شرک کے مضمون کو واضح کیا گیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک نقشہ کھینچا اور بتایا کہ وہ کس قدر برگزیدہ پیغمبر تھے۔ کس کس انداز میں انہیں آزمایا گیا اور کس طرح انہوں نے ایک فرمانبردار مسلم کی زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا۔

اگلا پروگرام بام خیل، ضلع صوابی میں ہوا۔ آج جمعہ تھا۔ جمعہ کا اجتماع مقامی ناظم عطاء الرحمٰن صاحب کے والد کی مسجد میں ہوا۔ محمدی گل صاحب نے سورۃ التغابن کے حوالے سے پشتو میں خطاب فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ کی کتاب لاریب ہے۔ اس کی کسی بات میں ہرگز شک نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو پڑھنے کے لیے آسان کر دیا۔ وہی قرآن کہتا ہے کہ اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ کسی کے وسیلے سے۔ وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں کہ اس کے وزیر اسے خبر دیں۔ وہ تو انسان کا خالق ہے، انسان کے دل کا حال جانتا ہے۔ اسے کسی وسیلے کی کیا ضرورت؟ وہ جو سارے انسانوں کا خالق ہے اس کے لیے تو یہ عقیدہ رکھا جائے اور جو اس عظیم رب کی ادنیٰ مخلوق میں سے ہو، جس کے لیے قرآن اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ استعمال کرتا ہو، اسے غوث الاعظم کہا جائے، گنج بخش قرار دیا جائے! کیا بدنصیب ہے یہ انسان کہ اس نے اللہ کی صفات اس کے بندوں کو دے ڈالیں اللہ کے مقابلے میں کسی کو داتا کہا اور کسی کو غریب نواز بنا ڈالا۔ اولاد دینے والا، مال و دولت دینے والا، عزت دینے والا، الغرض ضرورت کی ہر چیز دینے والا وہی ہے۔ اللہ نے کسی کو یہ صفات عطا نہیں فرمائیں۔ ان صفات میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ اگر موت اسی عقیدے پر آجائے تو کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوگا۔ یہ صلوٰۃ، یہ صوم، یہ ساری عبادات انسان کے منہ پر مار دی جائیں گی۔ اللہ کے یہاں اعمال کی قبولیت صرف اور صرف ایمان خالص کی بنیاد پر ہے۔

تقریر کے بعد افضل صاحب نے اذان دی اور امیر تنظیم نے جمعہ کا خطبہ دیا اور امامت کی۔ بعد ازاں قافلہ آگے روانہ ہوگیا۔ وہاں سے ساتھی قریبی مرکز کے دورے پر گئے اور واپسی میں گدون امازئی میں واقع اشرف کاشمیری صاحب کی فیکٹری کشمیر پولی ٹیکس میں، جہاں پر عطاء الرحمٰن صاحب کام کرتے ہیں، صلوٰۃ العصر ادا کی۔ صلوٰۃ المغرب سے قبل ساتھی محمدی گل صاحب کے گاؤں گندف، ضلع صوابی، پہنچ گئے۔ یہاں پہاڑی پر بنی ہوئی مسجد توحید میں صلوٰۃ المغرب ادا کی جس کے دوران گھن گرج کے ساتھ بارش بھی ہونے لگی۔ صلوٰۃ کے بعد محمدی گل صاحب نے سورہ بقرہ کے پہلے رکوع پر پشتو میں درس دیا۔ بطور تعارف انہوں نے اس سورہ کے بارے میں بتایا کہ یہ قرآن کی سب بڑی سورہ ہے۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے جس میں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی حوالے سے اس کا نام البقرہ ہے۔ ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ کتاب لاریب ہے یعنی اس میں کوئی شک نہیں۔ آج قرآن کے حافظ اور پڑھنے والے بہت ہیں۔ لیکن یہ اسے طوطے کی طرح پڑھتے ہیں اور اس میں بیان کیے گئے احکامات و فرامین سے ناواقف ہیں۔ اسی لیے قرآن کا پڑھنے والا آج اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق کو عالم الغیب سمجھتا ہے۔ اس کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہوگیا ہے۔ اللہ کے حرام کردہ کو آج یہ تبرک سمجھ کر کھاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچے اولیاء اللہ تھے۔ انہوں اس کتاب کو دانتوں سے پکڑا، اسے سمجھا اور اس کے

احکامات کے مطابق اپنی زندگیاں بنائیں۔ مومن بھی اس کتاب کو لاریب سمجھتا ہے۔ اسی کے مطابق اپنے عقائد بناتا ہے، اس کے احکامات اپنی زندگی پر نافذ کرتا ہے۔ اس کی خواہشات، اس کی تقریبات، اس کی موت اس کی زندگی، اس کا جینا اس کا مرنا، سب اسی کے مطابق ہوتے ہیں، اس کے پابند ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نجات کا راستہ اسی قرآن میں سمو دیا گیا ہے۔ جنہوں نے اس کو سمجھ لیا اور اس کے مطابق عمل کیا، تو پھر ان شاءاللہ وہ جنت میں ضرور جائیں گے۔

درس کے بعد سوال و جواب ہوئے اور پھر ساتھیوں کی تواضع کی گئی۔ رات کو یہیں قیام کیا گیا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورہ رعد کے حوالے سے پشتو میں درس قرآن دیا۔ انہوں نے ساتھیوں کے سامنے اس کتاب مقدس کے نزول کا مقصد بیان کیا اور حدیث کے حوالے سے بتایا کہ یہی وہ کتاب ہے جو قوموں کو بلند کرتی یا انہیں ذلیل بنا دیتی ہے۔ جنہوں نے اس کتاب کے مطابق اپنے عقائد بنائے اور اعمال صالحہ کیے، اللہ نے ان بھیڑ بکری چرانے والوں کو زمین کا خلیفہ بنا دیا۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب پر ایمان لانے کے دعوے تو خوب کیے مگر اپنے اکابرین کے فتووں کو اپنے ایمان کی بنیاد بنایا، آج وہ دنیا میں ذلیل ترین مقام رکھتے ہیں۔ آج ان پر ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہے۔ یہ ہر جگہ ذلیل و خوار ہیں، ان کے گھر لوٹے جا رہے ہیں، ان کی املاک جلائی جا رہی ہیں۔ لیکن بے بس ہیں، کوئی ان کا سہارا نہیں۔ انہوں نے اللہ کے سہارے کو چھوڑ دیا تو اب ان کے لیے دردناک عذاب ہی رہ گیا ہے۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر یہ قافلہ مسجد توحید حاجی شاہ، ضلع اٹک پہنچا۔ صلوٰۃ الظہر کے بعد منور سلطان نے سورہ انفال کی ابتدائی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ تمہیداً انہوں نے بتایا کہ جو مال جہاد میں ہاتھ لگتا ہے اسے انفال کہتے ہیں۔ یہ مدنی سورہ ہے۔ مدنی سورتوں میں اکثر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا یہ ایک مثالی اور انتہائی عالی شان انداز تھا کہ آپ ﷺ نے دین کو زندگی کی گزر اوقات کا ذریعہ نہیں بنایا تھا بلکہ اپنے اخراجات کسب معاش کے ذریعے پورے کیے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ آج کے مولوی منہ بھر بھر کر عشق رسول کا دعویٰ تو خوب کرتے ہیں مگر اس عالی شان اسوہ کا ان میں کوئی گزر نہیں ملتا۔ یہ لوگ ہاتھ باندھ کر گھر بیٹھ گئے ہیں۔ صحابہ کرام ؓ سچے محبان رسول ﷺ تھے، ان میں سے بھی کسی نے دین کو پیشہ نہیں بنایا۔ مگر حیرت ہے کہ انہی صحابہ کے نام لیواؤں نے آج دین کو تجارتی جنس بنا ڈالا ہے جس میں ان کی ہر خدمت بکتی ہے۔ مومن اپنی زندگی کا احتساب کرتا ہے۔ قرآن کی تلاوت اور اس میں غور و فکر اس میں تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ سر سے پیر تک اللہ کی اطاعت انسان کو غلط راہوں سے بچاتی ہے۔ وہ اپنے تمام امور میں کتاب اللہ کو بنیاد بناتا ہے۔ اب اس کی معاش کا معاملہ ہو یا سماجی تقریبات کا، شادی بیاہ کا یا موت غمی کا، وہ ہر جگہ ایک مکمل نمونہ بن کر سامنے آتا ہے۔ آج ہمیں ایمان اس طرح قبول کرنا چاہیے کہ ہم اس کا نمونہ بن جائیں۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، خرید و فروخت، لین دین، غرض ہر چیز قرآن و حدیث کے تابع ہونی چاہیے۔ وہ دعویٰ ایمان ہی کیا کہ جس کا نفاذ مومن کے جسم پر نظر نہ آئے۔

تقریر کے بعد سوال و جواب کا ایک طویل پروگرام ہوا جس میں امیر تنظیم نے کثیر تعداد میں ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ سوالوں کا سلسلہ رکنے میں نہیں آ رہا تھا اور آگے ویتا جا کر پروگرام بھی کرنا تھا۔ اس لیے ساتھیوں سے معذرت کر لی گئی۔ اس کے بعد ساتھی مسجد توحید ویسا، کامل پور موسیٰ اٹک کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں صلوٰۃ المغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورہ تحریم کے حوالے سے درس قرآن دیا جسے ایک بڑی تعداد نے دلچسپی سے سنا۔ انہوں نے اس سورہ کے حوالے سے بتایا کہ کسی بھی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس نے یہ اختیار اپنے کسی رسول کو بھی نہیں دیا۔ آج اللہ کے حرام کو یہ امت حلال کر دیتی ہے۔ اس کا مولوی جس چیز کے بارے میں فتویٰ دے دے، یہ اسے حرام یا حلال ماننے لگتے ہیں۔ قرآن کی جگہ آج فضائل اعمال نامی کتاب کو پڑھا سنا جاتا ہے۔ اس کتاب میں تو مردوں کو قبر سے باہر نکل کر اوخث ذبح کرنے والا بیان کیا جاتا ہے۔ کیا یہ قرآن کا انکار نہیں؟ اس کتاب میں نام نہاد بزرگان دین کے جھوٹے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ ملنگوں کی کہانیاں ہیں اس میں۔ قیامت کے دن یہ سارے مولوی، پیر اور ملنگ سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ ان کی کوئی بات نہ سنی جائے گی، قرآن کے مطابق فیصلہ ہوگا جس کو آج انہوں نے ترک کر دیا ہے۔ قیامت کے دن رسوائی سے بچنا ہے تو قرآن کی بات ماننا ہوگی، اس پر عمل کرنا ہوگا۔

اس کے بعد امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیے۔ رات یہیں قیام کیا گیا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد شرافت اللہ صاحب نے سورہ آل عمران کی آیات سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے اس بات کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ دعا میں مردوں کا وسیلہ دینا ناجائز ہے۔ مالک نے سورہ یونس میں انسانیت کے اس فعل کو مشرکانہ قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں میں اس فعل کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی بات کا درس دیا ہے کہ جب بھی کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ سے کرو اور جب بھی مدد مانگنی ہو تو اللہ ہی سے مانگو۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد عمر ؓ کے دور میں جب قحط پڑا تو انہوں نے نبی ﷺ کے چچا عباس ؓ کو دعا کے لیے آگے کیا۔ انہوں نے اللہ سے ڈائریکٹ دعا کی۔ نبی ﷺ کا اس دعا میں کوئی وسیلہ نہیں پکڑا گیا۔ آج جو اس امت میں مشرکانہ عقیدہ آیا ہے تو نہ یہ قرآن کی تعلیمات ہیں اور نہ ہی نبی ﷺ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے بلکہ یہ مسلک پرستوں کی ایجاد ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اس حالت میں موت پا لینے والے شخص کے لیے جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ نہیں۔

اس پروگرام کے ساتھ ہی صوبہ سرحد کا یہ دورہ اختتام پذیر ہوا۔ صوبہ سرحد اور کراچی کے بعض ساتھی یہاں سے رخصت ہو گئے۔ تاہم امیر محترم، محمدی گل صاحب، اعظم صاحب اور منور سلطان اس سے آگے کشمیر کے علاقے بھمبر بھی گئے۔

اس کے لیے راولپنڈی واپس آئے جہاں سے امیر کشمیر آزاد صاحب اور کچھ دوسرے ساتھی بھی ساتھ ہو گئے۔ ظہر سے کچھ پہلے قافلہ جہلم، دھنڈی کی مسجد توحید پہنچا۔ یہاں بھٹو رانی کے ساتھیوں نے اہل قافلہ کی ضیافت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ یہاں کچھ انتظامی امور نمٹا کر صلوۃ العصر کے بعد قافلہ نزدیکی بستی برنالہ کی مسجد توحید پہنچا۔ یہاں صلوۃ المغرب ادا کی گئی۔ مقامی ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئیں، گفت وشنید ہوئی۔ ساتھیوں کی تواضع ہوئی۔ رات قیام کے لیے قافلہ جہلم کے ناظم گوہر صاحب کی دعوت پر ان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ یہاں صلوۃ العشاء اور کھانے کے بعد منور سلطان نے خدمت کرنے والے نوجوان ساتھیوں کو دیکھ کر سورۃ الکہف کی آیات إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ...... کے حوالے سے درس دیا جس میں ایمان کی اہمیت کو واضح کیا اور ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ساتھین کو دعوت دی کہ وہ اپنی متاع ایمانی کو بچانے کے لیے ازلی دشمن شیطان اور اس کے ایجنٹوں سے ہوشیار رہیں اور مضبوطی کے ساتھ نظم سے منسلک رہیں کیونکہ اکیلی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے اور انسانوں کا بھیڑیا شیطان ہے۔ نظم سے کٹنے یا اس کی خلاف ورزی کرنے والے پر اس کا وار جلدی ہوتا ہے لہذا اس سے بچیں۔

دوسرے روز ناشتے وغیرہ کے بعد قافلہ گجرات روانہ ہو گیا۔ یہاں کشمیر کے ساتھی بھی رخصت ہو گئے۔ امیر تنظیم محمدی گل صاحب اور منور سلطان یہاں سے فیصل آباد روانہ ہوئے۔ فیصل آباد کے ساتھی لاری اڈے پر ملنے آ گئے تھے۔ شورکوٹ کے ساتھی طارق صاحب اپنی گاڑی لے کر آ گئے جس میں ڈیرہ غازی خان تک سفر کیا گیا۔ راستے میں شورکوٹ کی دو مساجد میں ٹھہر کر وہاں کے ساتھیوں سے ملاقات کی گئی۔ طارق صاحب کی مسجد میں ظہر ادا کی گئی۔ یہاں کچھ اہلحدیث نوجوان جمع ہو گئے تھے جنہوں نے امیر تنظیم سے پے در پے سوالات کیے۔ تاہم وقت کی قلت کے سبب مختصر جواب دے کر ان سے معذرت کر لی گئی اور آگے سفر شروع کر دیا گیا۔ بقیہ قافلہ ڈیرہ غازی خان کی مسجد جس کے ناظم صادق صاحب ہیں، مغرب کے وقت پہنچا۔ مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے تقریر کی جسے ایک بڑی تعداد نے سنا۔ امیر پنجاب حکیم رمضان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔ محمدی گل صاحب نے ایمان کی اہمیت، رد طاغوت اور نظم کی اطاعت جیسے مضامین کو آیات واحادیث کی روشنی میں بیان کیا۔ رات دیر تک سوالوں کے جواب دیے گئے۔ رات یہیں قیام کیا گیا۔

فجر کے بعد منور سلطان نے سورۃ المائدۃ کی آیات يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ ...... کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ درس میں ایمان کی اہمیت پر زور دیا گیا اور ایمان کے تقاضے نہ پورے کرنے، پیچھے لوٹ جانے، ایمان والوں کی جمعیت کو ترک کر دینے، مرتد ہو جانے کی سنگینی کو بیان کیا گیا۔ ایمان وعقیدے پر یکسوئی اور اس پر استقامت دکھانے پر ملنے والے انعامات بیان کیے گئے۔ آزمائشوں میں ہار جانے اور پیچھے رہ جانے پر ہونے والے عظیم خسارے کو بھی بتایا گیا۔

ناشتے وغیرہ کے بعد امیر محترم اور کراچی کے ساتھی حکیم صاحب کی گاڑی میں خانیوال روانہ ہو گئے جہاں سے شالیمار ایکسپریس میں سوار ہو کر ساتھی بخیریت کراچی واپس پہنچ گئے۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

ناظمین کا یہ تربیتی اجتماع مسلم مسجد، سنگیاں ٹاون، لاہور میں ۱۰ اور ۱۱ اپریل ۲۰۰۹ء منعقد ہوا۔ نظم وضبط وانتظامی امور کے حوالے سے یہ پروگرام مثالی تھا۔ لاہور کے ساتھیوں نے بہت ہی بہترین انتظامات کیے تھے۔

صلوۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورہ مجادلہ کی آیت إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا ...... کے حوالے سے تقریر کی۔ انہوں نے بتایا کہ دینی کام کے لیے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جو اجتماعیت قائم ہوتی ہے، شیطان اس کا کھلا دشمن ہوتا ہے اور اس اجتماعیت کو تباہ کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ اس کا مشن ہی یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اس اجتماعیت سے وابستہ ہیں ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالے اور ان کے جذبات کو مشتعل کرے۔ اس طرح ان لوگوں کا یہ عمل اجتماعیت میں رخنہ اندازی کا باعث بنتا ہے اور اس اجتماعیت کے افراد اور ذمہ داروں کے درمیان ربط وتعلق کو کمزور کر دیتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نجوی (سرگوشی) شیطانی عمل ہے: غیبت، چغلی، بہتان طرازی وہ شنیع برائیاں ہیں جو اجتماعیت کو تباہ کرتی ہیں۔

امیر تنظیم محترم محمد حنیف صاحب خرابی صحت کے باوجود پروگرام میں تشریف لائے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق انہوں نے پروگرام کے آخر میں اختتامی کلمات ادا کرنے تھے، لیکن خرابی صحت کی وجہ سے پروگرام میں تبدیلی کی گئی اور انہوں نے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے۔ انہوں نے سورہ آل عمران کی آخری آیات فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ...... کے حوالے سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف ایمان والوں کا عمل قبول ہوتا ہے، وہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ امیر محترم نے صحابہ کرام ؓ کے واقعات سے اس بات کی وضاحت کی کہ کس طرح ان لوگوں نے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دیا۔ امیر محترم نے مختلف طواغیت کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ آخر میں آیت اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا کے حوالے سے آپ نے ساتھیوں پر زور دیا کہ مومنوں کو آپس کے رابطوں کو مضبوط رکھنا چاہیے تاکہ شیطان ان کی اجتماعیت میں رخنہ نہ ڈالے۔

امیر محترم کے افتتاحی کلمات کے بعد اصول تجوید وقرأت کا پروگرام ہوا جس میں آخری دس سورتوں کی مشق کرائی گئی۔ اس کے بعد کراچی کے ساتھی منور

سلطان نے سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے تقریر کی جس میں انہوں نے مومنین کی صفات کا تذکرہ کیا کہ ایمان والے کامیاب ہو گئے، آلودہ اور ملاوٹی ایمان والے نہیں بلکہ خالص ایمان والے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ایسا ایمان پسند ہے جو ملاوٹ اور شرک سے یکسر پاک ہو۔ پھر خالی ایمان کا دعویٰ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اعمال صالحہ لازم ہیں جن میں صلوٰۃ سب سے پہلے ہے اور وہ بھی خشوع وخضوع کے ساتھ۔ جس کی پہچان یہ ہے کہ دھیان پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو، دل میں خالص اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، یہ نہیں کہ صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ہاتھ داڑھی پر یا ادھر ادھر چل رہے ہوں، انگلیاں ناک میں گھوم رہی ہوں، نظریں دائیں بائیں دوڑ رہی ہوں، ذہن دکان کا حساب لگا رہا ہو، یہ سب باتیں خشوع کے منافی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مومن لغویات سے بچنے والے ہوتے ہیں، اپنی جان اور مال کا تزکیہ کرتے ہیں، اپنی خواہشات کو روکنے والے، پاک دامنی اختیار کرنے والے اور نظروں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ انہوں نے متعدد آیات کی روشنی میں ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ یہ شیطان کا بہکاوا ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد اعمال کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور اسے غیر ضروری سمجھا جائے۔ مقرر نے بتایا کہ اعمال کی شکل میں ایمان کا ثبوت دیا جاتا ہے جن کا حکم بھی قرآن میں ہی دیا گیا ہے، اب جو اپنے ایمان کا ثبوت فراہم نہیں کرتا اور عقائد کی آیات پر ایمان رکھتا ہے تو "أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کا مصداق ٹھہرتے ہوئے قرآن کے بعض حصے کو ماننے والا اور بعض کا انکار کرنے والا بنتا ہے۔ مقرر نے سورۃ الکہف کی آخری آیت کے حوالے سے بتایا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جو بھی اپنے رب سے ملاقات کرنا اور اس کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کا متمنی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اعمال صالحہ کرے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کا موضوع سورۃ الحشر کی آیت ۷ "وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ" تھا۔ اس پروگرام میں کراچی سے فیصل الرحمن، سرحد سے زاہد حیات، آزاد کشمیر سے ساجد محمود، شمالی علاقہ جات سے سمندر خان اور لاہور سے عبدالخالق نے حصہ لیا۔ تمام ساتھیوں نے اس آیت کے حوالے سے سنت الرسول ﷺ کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور بدعت کی شناعت کو واضح کیا اور بتایا کہ اتباع رسول کے بغیر ایمان مکمل نہیں کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا حکم عام ہے کہ جس بات کا بھی محمد ﷺ تمہیں حکم دیں اس کو لے لو اور جس سے بھی روکیں اس سے رک جاؤ۔ محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ

لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به

"کوئی تم میں سے مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے مطابق نہ کرے"۔

اس کے بعد چکالہ کے ساتھی قاری خلیل الرحمن صاحب کی تقریر ہوئی، انہوں نے سورہ توبہ کی آیت ۳۴ "يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ" کے حوالہ سے واضح کیا کہ کیسے یہ مولوی اور پیر دین کو کاروبار بنائے بیٹھے ہیں، نہ صرف لوگوں کا مال جھوٹ بول کر کھاتے ہیں بلکہ انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے دین کو نہ صرف بیچتے ہیں بلکہ اس پر پردہ بھی ڈالے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں عبدالعزیز صاحب نے ساتھیوں کو افعال کی مختلف گردانوں کی مشق کروائی۔ اس کے بعد فیصل آباد کے ساتھی رفعت نواب نے سورۃ النحل کی آیت ۴۴ "وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" کے حوالے سے فتنہ انکار حدیث کے موضوع پر تقریر کی جس میں انہوں نے سنت کی اہمیت کو واضح کیا اور کہا کہ اس کے بغیر دین نامکمل ہے کیونکہ سنت کی پیروی کا حکم خود مالک نے قرآن میں دیا ہے۔ مقرر نے آیات واحادیث کی روشنی میں بتایا کہ انکار حدیث کا فتنہ سب سے خطرناک فتنہ ہے جو قرآن وحدیث کے دین کی اساس پر حملہ آور ہوتا ہے اور جس پر بھی اس کا وار ہوتا ہے، اسے نفس کا بندہ بنا کر کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ حدیث رسول ﷺ کی حجیت خود قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے، لہٰذا حدیث کا انکار خود قرآن کا انکار ہے۔

رفعت نواب کی تقریر کے بعد کراچی کے ساتھی محمد جاوید نے سورہ ابراہیم کی آیت ۲۸ "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ" کے عنوان سے ولولہ انگیز جوشیلی تقریر کرتے ہوئے منافقین اور مرتدین کے کردار کو واضح کیا کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں منافقت چھپی ہوتی ہے، اجتماعیت میں رخنہ اندازی کرنا، چھوٹی چھوٹی باتوں کو ہوا دے کر بڑا بنا دینا ان کا شیوہ ہوتا ہے، حق بات کو یہ پہچانتے بھی ہیں اور بظاہر اس کے ساتھ بھی چل رہے ہوتے ہیں، لیکن غرور وتکبر کی وجہ سے ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہوتا اور آخر کار ایک وقت وہ آ جاتا ہے کہ وہ اجتماعیت سے علیحدہ ہو جایا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا انجام دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بدترین عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے بعد مرکزی شوریٰ کے رکن محمد گل صاحب نے سورہ بقرہ کی آیات ۲۵۶، ۲۵۷ "فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ ......" کے حوالے سے نہایت ہی مؤثر خطاب فرمایا۔ انہوں اپنی تقریر میں طاغوت کے معنی ومفہوم کی وضاحت فرمائی۔ انہوں نے بتایا امت کے وہ افراد جنہوں نے قرآن وحدیث کے دیے ہوئے عقائد کو رد کرتے ہوئے ایک نیا دین پھیلایا، وہی اصل میں طاغوت ہیں۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے نام تک بدل ڈالے۔ آج کا یہ نام نہاد مسلمان مسلم سے دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی اور شیعہ بن گیا۔ کامیابی کا راستہ وہی ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا کہ جو کوئی بھی ان تمام طاغوتوں کا رد

کرتے ہوئے ایمان لایا تو اس نے مضبوط سہارا پکڑ لیا جو کبھی بھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

پروگرام کے دوسرے دن صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب نے سورہ دخان آیات: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ .... کے حوالے سے ایک ایمان افروز درس قرآن دیا۔ اپنے اس درس میں انہوں نے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا اور بتایا کہ آخرت میں بچاؤ کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا مگر وہ کہ جس پر اللہ کا رحم ہو جائے۔ انہوں نے قرآن کی مختلف آیات کے حوالے دے کر جہنم میں دیے جانے والے عذاب کی ہولناکیوں کو بیان کیا۔ انہوں نے ساتھیوں کے سامنے اس بات کو بیان کیا کہ وہ اس بچاؤ کے لیے ابھی سے کوشش کریں۔

کشمیر کے ساتھی عتیق الرحمن صاحب نے سورہ کہف کی آیت قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا .... کے حوالے سے تقریر کی۔ انہوں نے قبر پرستی کے شرک کے بارے میں بتایا کہ اس امت میں اس کی بنیاد فراہم کرنے والے احمد بن حنبل ہیں جنہوں نے عود روح کا عقیدہ دیا۔ خلاف قرآن اسی عقیدے کے نتیجے میں آج یہ مردہ قبر میں زندہ سمجھا جاتا ہے، ان مرے ہوؤں کو پکارا جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انہیں پکار دیکھو تمہاری پکاروں کا یہ جواب دیں گے اگر یہ سنتے ہیں۔ یعنی ان کا پکارا جانا بالکل عبث ہے۔ قیامت والے دن تمام انبیاء، اولیاء اور شہداء اپنے پکارنے والے مشرکوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔ مگر اس کے باوجود غیر اللہ کی پکاریں ہر طرف عام ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جیسے ہی کوئی انسان مرتا ہے تو اس کی جنت و دوزخ وہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ مرتے ہی اسے اس کے عقائد و اعمال کے حوالے سے ٹھکانہ مل جاتا ہے۔ اس کی روح قیامت سے پہلے دنیا میں لوٹ نہیں سکتی تو پھر اس روح سے خالی مردے میں دیکھنے سننے کے حواس کہاں سے آ گئے جو کہ روح نکلتے ہی سلب ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد قاری خلیل الرحمن نے گذشتہ روز سکھائی گئی سورتیں اصول تجوید کی روشنی میں ساتھیوں سے سنیں۔ پھر پنجاب صوبے کی شوریٰ کے ایک رکن نے سورہ حم السجدہ کی آیت ۳۳: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ .... کے حوالے سے درس قرآن وحدیث دیا۔ مقرر نے بتایا کہ سب سے بہترین بات لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا ہے۔ آج یہ مسلکی علماء لوگوں کو قرآن کی دعوت نہیں دیتے بلکہ جب بھی کسی کو دعوت دی جاتی ہے تو اس طرح کہ اپنے اپنے مسلک کی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں کو قرآن کے ذریعے دعوت دی جائے، ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا ہے، لیکن یہ لوگ دین کی دعوت اپنے اپنے بزرگوں کے قصوں اور اقوال سے دیتے ہیں، قرآن کو مشکل بنا ڈالا ہے۔ اس کے ذریعے دعوت دینا تو ان کے لیے گویا شجر ممنوعہ ہے۔ مقرر نے اس بات پر زور دیا کہ داعی کو اپنے عمل سے خود کو لوگوں کے سامنے بہترین مسلم کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔ جو لوگ اس احسن قول کی طرف بلانے کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، وہ جب تک خود کو ایک بہترین مسلم کے عملی نمونہ کے طور پر پیش نہیں کریں گے تو دی گئی دعوت کا کوئی اثر سامنے والے پر کیسے ہوگا؟ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ کی ادائیگی، اپنے تن و من پر اس ایمان کا اطلاق، ایک لازمی چیز ہے۔ مومن ایک یکسو بندہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کا خود کو جوابدار سمجھتا ہے، انہیں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح کوشش کرتے ہوئے جب وہ اپنے رب کے پاس جائے گا تو اس کا بھرپور بدلا پالے گا (انشاء اللہ)۔

اس کے بعد صوبائی رفتار کار کا جائزہ پیش کیا گیا۔ تمام صوبوں کے امراء نے حلقہ جاتی رپورٹس پیش کیں۔ سامعین نے نہایت دلچسپی کے ساتھ انہیں سنا اور رفتار کار میں اضافے پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ نامساعد حالات، وسائل کی کمی اور گوناگوں مشکلات کے باوجود یہ سب اللہ کا کرم ہے کہ شہر شہر، گاؤں گاؤں اللہ کے دین کی یہ دعوت پھیل رہی ہے۔

پروگرام کے اختتامی کلمات آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب نے ادا کیے۔ انہوں نے سورہ صف کی ابتدائی آیات: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ کے حوالے سے خطاب کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مومن تو وہ ہوتا ہے کہ جس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو، جس بات کو کہے اس پر پوری طرح عمل کر کے دکھائے۔ ہم سب نے محض اللہ کی رضا اور اپنی نجات کے لیے ایمان قبول کیا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کی زندگی کا مقصد صرف اللہ کے دین کی سربلندی تھا۔ اب ہمیں بھی جو کچھ کرنا ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کرنا ہے۔ یہ بات نہ ہو کہ سوچنے لگیں ہم نے بہت کچھ کر لیا ہے، اتنی دعوت دے دی ہے اور اب ہم تھک گئے ہیں اب آرام کا وقت ہے۔ مومن کی تو زندگی ہی اس کے لیے وقف ہو، زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی کوشش میں گزرنا ہے، اس میں کوئی وقفہ نہیں۔ زندگی کے آخری لمحے تک اپنی کاوشوں کو جاری رکھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ اجتماعیت ایک دوسرے پر اچھے گمان کے سہارے قائم ہے، ساتھیوں کا اپنے ناظم پر اور ناظم کو اپنے ساتھیوں پر مکمل بھروسہ اور اعتبار ہونا چاہیے۔ اگر کہیں کوئی مسئلہ ہو تو ساتھیوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔ سیرت و کردار کو اولین ترجیح دی جائے۔ جس نے ایمان قبول کیا وہ فوری اطاعت میں آ گیا۔ ایمان ہر حالت میں خالص ہونا چاہیے، آدھا تیتر آدھا بٹیر والا معاملہ نہ ہو۔ پروگرام کے حوالے سے انہوں نے حاضرین کے نظم و ضبط کو سراہا، مقامی لوگوں نے جس انداز سے مہمان داری کی ہے تو یقیناً انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا۔ آزاد صاحب کے ان کلمات کے ساتھ ہی یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے طلباء ناظمین

طلباء و نوجوانان ناظمین کا یہ اجتماع ۹ اپریل ۲۰۰۶ء کو مسلم مسجد، سنگیاں، لاہور میں منعقد ہوا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد آزاد کشمیر کے ساتھی الطاف صاحب نے

سورہ عنکبوت کی ابتدائی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے بتایا کہ صرف دعوئ ایمان پر نجات نہیں بلکہ جس نے ایمان کا دعویٰ کیا اس کی آزمائش لازمی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ سچوں اور جھوٹوں کو علیحدہ علیحدہ کردے۔ اگر کوئی ایمان کا دعویدار ہے لیکن اس کا کردار اس کا ثبوت نہ دے تو اس کا یہ دعویٰ ہرگز سچا نہ ہوگا، اس کا یہ انداز منافقانہ ہے۔ وہ ایمان والوں کے ساتھ صرف چل رہا ہے، اس کا قلب کہیں اور اٹکا ہوا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو اس جزا سے نوازا جاسکتا ہے جو مومنوں کے لیے مختص ہے؟

اشراق و ناشتے کے وقفے کے بعد لاہور کے ساتھی سردار علی نے سورہ کہف کی آیت ۱۳: اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى کے حوالے سے اسلام میں نوجوانوں کے کردار کو واضح کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس آیت میں اسی بات کا درس دیا گیا ہے کہ اصل چیز ایمان ہے۔ جو شعوری ایمان لاتے ہیں وہی اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ یہی بات بتائی گئی ہے کہ جب بھی ایمان کی آزمائش کا موقع آجائے تو انسان کو اپنا ایمان بچانا چاہیے جس طرح کہ اصحاب کہف نے بچایا جنہوں نے اپنے ایمان کی خاطر اپنے گھر بار، مال و دولت، رشتہ دار سب کو چھوڑ دیا لیکن اپنے ایمان کی حفاظت کی، اس کو نہ چھوڑا۔ قرآن کی یہ آیات نوجوانوں کے لیے ایک اہم سبق ہیں۔

اس کے بعد کراچی کے خالد عزیز اور عبداللہ عمر کی نگرانی میں "ایصال ثواب" کے موضوع پر تحریری امتحان ہوا۔ ایک کثیر تعداد میں نوجوان ساتھیوں نے اس میں حصہ لیا۔ سرگودھا کے عطاء اللہ نے ۸۶ نمبر لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی۔ فیصل آباد کے شہباز ارشد ے اور راولپنڈی کے محمد اجمل ۷ے نمبر لے کر بالترتیب دوسری اور تیسری پوزیشن پر رہے۔ جن ساتھیوں نے اس تحریری امتحان میں شرکت نہیں کی ان کے لیے تربیتی دعوت الی اللہ کی تقاریر کا پروگرام ہوا۔ اس کے بعد مردان صوبہ سرحد کے نور اللہ نے سورہ النساء کی آیت: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کے حوالے سے درس قرآن و حدیث دیا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے حوالہ جات دے کر اتباع رسول ﷺ کی اہمیت پر زور دیا۔ نور اللہ صاحب کی تقریر کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا۔ سورہ نمل کی آیت: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ کے حوالے سے علم غیب کے موضوع پر تین تقاریر ہوئیں۔ کتیاڑی کے عرفان اللہ، راولپنڈی کے محمد علی بٹ اور فیصل آباد کے شہباز ارشد نے اس موضوع پر قرآن و حدیث کے دلائل سے یہ بات بیان فرمائی کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ نبی، ولی، دیگر انسان، فرشتے اور جن کوئی بھی اس صفت کا حامل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی غیب کی باتوں کی خبر دی جاتی تھی۔ آج امت میں پھیلا ہوا یہ عقیدہ کہ مخلوق میں بھی کوئی عالم الغیب ہے، مکمل طور پر مشرکانہ ہے۔

اس کے بعد شیخوپورہ کے ساتھی عبداللطیف حسن صاحب نے سورہ حم سجدہ کی آیت کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے اس بات کو بیان فرمایا کہ کامیابی انہی کے لیے ہے جو ایمان لانے کے بعد اس پر جم جائیں، اس راہ میں آنے والی مشکلات کا مقابلہ کریں، آزمائشیں آئیں تو اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ ایسی ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی موت کے وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی میزبانی کے لیے تیار کی ہیں۔

اس کے بعد حبل اللہ شمارہ ۲۱ کے مضمون "یخدعون" سے سپیڈ کوئز کا ایک پروگرام ہوا۔ لاہور کے وسیم اکرم نے سوالات پوچھے۔ تمام ساتھیوں سے سوالات کیے گئے اور ان میں سے ۷ ساتھی اگلے مرحلے میں گئے جن سے مزید تین تین سوال کیے گئے اور پھر ان میں تین ساتھی اگلے مرحلے میں گئے۔ ان تینوں کے درمیان سپیڈ کوئز کا مقابلہ ہوا۔ شہباز ارشد (فیصل آباد) نے پہلی، محمود احمد (لاہور) نے دوسری اور محمد ذیشان (راولپنڈی) نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

اس کے بعد تعارفی پروگرام ہوا جس کی نظامت لاہور کے ساتھی معراج الدین صاحب نے کرنا تھی مگر پروگرام کے انتظامات میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کی جگہ ضرار لطیف صاحب نے اس پروگرام کی نگرانی کی۔ آخر میں کل پاکستان حلقہ طلبہ و نوجوانان کے ناظم ارشد صاحب نے اختتامی کلمات ادا کیے۔ انہوں نے سورہ روم کی آیت ۴۲: قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ کے حوالے سے ساتھیوں کے سامنے اس بات کو بیان کیا کہ شرک سب سے گھناؤنا جرم ہے۔ یہی وہ جرم ہے کہ جس کی وجہ سے قوموں کی قومیں تباہ و برباد کردی گئیں۔ انہوں قرآن میں بیان کردہ مختلف قوموں کے واقعات بیان کرکے اس بات کو واضح کیا کہ کیوں یہ قومیں تباہ کردی گئیں۔ اللہ نے ان کو دنیا میں ہر انداز سے نوازا لیکن اللہ کی وحدانیت کے انکار پر ان کو نشان عبرت بنادیا گیا۔ آج ان کے کھنڈرات ان کی داستان سنانے کے لیے رہ گئے ہیں۔ تباہی و بربادی سے بچنے کیا آج بھی ایک ہی راہ ہے کہ اللہ پر خالص ایمان ہو، طاغوت کا کھل کر کفر ہو، اللہ سے توبہ واستغفار کی جائے اور اپنے اعمال کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے۔

امیر تنظیم و رفقاء کا دورۂ شمالی علاقہ جات

مورخہ ۳ رجون ۲۰۰۶ء سے شمالی علاقہ جات و آزاد کشمیر کا دعوتی و تنظیمی دورہ کیا گیا جس میں ساتھیوں کی بڑی تعداد نے حصہ لیا۔ کراچی سے مرکزی شوریٰ کے ارکان و دیگر ساتھی ۳ رجون کو روانہ ہوگئے۔ اگلے دن لاہور پہنچ کر چکوال کے لیے کوچ سے سفر کیا جس نے دوپہر کے بعد چکوال پہنچا دیا۔ وہاں شمالی علاقہ جات کے امیر محمد اشرف صاحب ایک ویگن کے ساتھ موجود تھے۔ دورے کا تمام سفر اسی ویگن میں کیا گیا۔ عصر سے کچھ قبل ساتھی جویا مائر کی مسجد توحید میں پہنچ گئے جہاں ملحقہ شہروں کے کافی ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ جون کی چلچلاتی گرمی اور گھٹن تھی۔ مغرب سے کچھ پہلے موسم خوشگوار ہوگیا، ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور باران

رحمت نے فضا ایک دم تبدیل کر دی۔ دیہات کے ماحول کے مطابق مغرب کے بعد مقامی نظم نے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ ایک بڑی تعداد میں ساتھیوں کی مہمان نوازی کی گئی۔ عشاء کے بعد محمدی گل صاحب نے تقریر کی اور طاغوت کی نشاندہی کرتے ہوئے مومنوں کو ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ کچھ نئے ساتھی بھی آئے ہوئے تھے اور اپنی تشنگی کے لیے کافی سوالات کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ تقریباً بارہ بجے رات تک چلتا رہا، اس کے باوجود ساتھی صبح چار بجے سے پہلے ہی فجر کے لیے مستعد تھے۔

فجر کے بعد منور سلطان نے سورۂ حم السجدۃ کے حوالے سے استقامت دین پر درس دیا۔ ساتھیوں کو بتایا گیا کہ ایمان کی آزمائش ہوتی ہے، ابتلاء میں مبتلا کیا جاتا ہے، صداقت کی جانچ پرکھ کی جاتی ہے، کھوٹ کی چھان پھٹک ہوتی ہے اور سرخرو وہی ہوتا ہے جو ان صبر آزما مراحل پر ثابت قدمی کے ساتھ مضبوطی سے ڈٹا رہے؛ ایمان تو وہی ہے کہ کوئی بھی آزمائش اس کو کسی ریب و شک میں مبتلا نہ کر سکے، یہ بادِ مخالف اس کے پائے استقامت کو کوئی جنبش نہ دے سکے ورنہ وہ ایمان ہی کیا کہ کسی مخالف کا لٹریچر پڑھا، کسی منکرِ حدیث کی کوئی تحریر نظر سے گذری اور شکوک و شبہات کے ناگ اپنے پھن پھیلانے لگے۔ ایمان خالص اس بات کا متقاضی ہے کہ ان سانپوں کو کچل دیا جائے نہ کہ خود کو ان سے ڈسوا لیا جائے۔

صبح ناشتے کے بعد ساتھی راولپنڈی مرکز کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں کچھ دیر قیام کر کے بالاکوٹ کے لیے سفر شروع کر دیا۔ ایبٹ آباد اور مانسہرہ سے کافی ساتھی ساتھ ہو گئے اور کئی گاڑیاں قافلے میں شامل ہو گئیں۔ ظہر عصر مانسہرہ میں ادا کیں اور زلزلے کی تباہ کاریوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے چار بجے کے بعد بالاکوٹ پہنچے۔ یہاں پہاڑ کے دامن میں زلزلے سے تباہ شدہ بازار میں تین مقامات پر افضل صاحب، محمدی گل صاحب اور کیپٹن ارشد نے انذار عام کیا اور **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو کھول کر بتایا گیا کہ اگر شرک سے باز نہ آئے تو اس سے بڑے بڑے زلزلے اور طوفان آئیں گے اور وہ تباہی پھیلے گی کہ کچھ بھی نہ بچ سکے گا۔ لوگوں کی بڑی تعداد نے دعوت کو سنا۔ تینوں مقامات پر کچھ مخالفین بھی آ گئے اور سخت سست کہتے ہوئے انتظامیہ کو بھی اطلاع کرنے لگے۔ زلزلے کے فوری بعد جب امیر تنظیم نے یہاں کا دورہ کیا تھا تو کوئی مکان و دکان سلامت نہ تھی۔ زلزلے نے سب کو تباہ کر دیا تھا۔ اونچی عمارتیں اور عیاشی کے اڈے زمیں بوس ہو گئے تھے۔ لیکن اب پھر سے بڑا بازار آباد ہو گیا تھا۔ ساتھی پورے بازار میں پھیل گئے اور ہزاروں کی تعداد میں "یہ زلزلے اور طوفان" کا پمفلٹ تقسیم کیا۔

دعوت الی اللہ کا بھرپور پروگرام کر کے ساتھی مغرب کے بعد مانسہرہ پہنچے۔ بالاکوٹ کے ناظم علی زمان صاحب، جن کی ٹانگ کی ہڈی زلزلے میں ٹوٹ گئی تھی، اس پورے سفر میں ہمارے ساتھ رہے اور ساتھیوں کی میزبانی کرتے رہے۔ یہاں عنایت الرحمٰن صاحب کے مکان پر مغرب ادا کی گئی جس کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۂ نساء کے حوالے سے تقریر کی اور امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے اور اس کے بعد صلوٰۃ العشاء ادا کی گئی۔ دونوں بڑے کمرے ساتھیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ رات قیام کا بھی یہیں انتظام تھا لیکن میزبانوں کی دشواری، پانی کی کمی اور طہارت وغیرہ کے خیال سے ایک گاڑی رات کو ہی پنڈی روانہ ہو گئی اور فجر سے ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے پنڈی مرکز پہنچ گئی۔

صبح ناشتے وغیرہ کے بعد ساتھی چکلالہ کی مسجد توحید کے لیے روانہ ہو گئے۔ چکلالہ کے ناظم قاری خلیل الرحمٰن و دیگر نے ساتھیوں کا استقبال کیا اور میزبانی فرمائی۔ یہاں ظہر سے پہلے پروگرام تھا۔ ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ منور سلطان نے سورۃ لقمان کے حوالے سے درس قرآن دیا اور شرک کی تباہ کاریوں کو واضح کیا۔ اس کے بعد ایک گھنٹے تک سوالوں کے جواب محمدی گل صاحب نے دیے اس لیے کہ امیر تنظیم اس پروگرام میں اس وجہ سے شرکت نہ کر سکے کہ آپ علیل ہو گئے تھے کیونکہ چند ماہ قبل ہونے والے آپریشن کے بعد طویل اسفار سے ڈاکٹروں نے منع کر دیا تھا مگر اس کے باوجود بالاکوٹ کا طویل پہاڑی سفر کیا گیا جس نے آپ کی صحت کو متاثر کیا۔

چکلالہ سے ساتھی راولپنڈی کی تحصیل گنگال کے لیے روانہ ہو گئے۔ سخت گرمی اور لُو میں سفر کرتا ہوا قافلہ عصر سے کچھ قبل مسجد توحید گنگال پہنچا۔ یہاں کے ناظم احمد خان صاحب اور دیگر ساتھیوں نے قافلے والوں کا استقبال کیا اور ان کی تواضع کی۔ مغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ الشوریٰ کے حوالے سے تقریر کی اور اللہ اور اس کے رسول کے احکامات ماننے کی اہمیت کو واضح کیا۔ عشاء کے بعد ایک ساتھی کے گھر پر ضیافت کا بندوبست کیا گیا تھا جس کے بعد رات دیر تک محمدی گل صاحب نے سوالوں کے جواب دیے۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد سورہ حم السجدۃ کے حوالے سے کیپٹن ارشد صاحب نے ایمان کی اہمیت کو واضح کیا اور استقامت دین پر ملنے والے انعامات کا ذکر کیا اور آزمائشوں سے گھبرا کر پلٹ جانے پر ہونے والے خسارے کو قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا۔

یہاں سے قافلہ ایک دوسری تحصیل گوجر خان کے گاؤں چکری وکیلاں روانہ ہوا جہاں کیپٹن صاحب کا آبائی گھر واقع ہے۔ یہاں کی مسجد توحید میں گیارہ بجے سے ظہر کے بعد تک پروگرام چلتا رہا۔ محمدی گل صاحب نے سورۃ النساء کے حوالے سے بتایا کہ قرآن مُردوں کے لیے نہیں بلکہ زندوں کے لیے نازل ہوا ہے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں آپ نے سماع موتیٰ کے عقیدے کی تباہ کاریاں واضح فرمائیں۔ اس کے بعد منور سلطان نے سوالوں کے تفصیلی جواب دیے۔

یہاں چند اہلحدیث آئے ہوئے تھے جو اپنے مسلک کا دفاع کرتے ہوئے سوالات کر رہے تھے اور خود کو کوئی فرقہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جب ان کو بتایا گیا کہ اہلحدیث کے نام سے مختلف جماعتیں پائی جاتی ہیں جو مختلف عقائد کی حامل ہیں۔ اس پر ان کا اصرار تھا کہ اس کے باوجود بھی یہ سب ایک ہی جماعت ہیں اور اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ امت کا ایک گروہ غالب رہے گا۔ اس پر انہیں بتایا گیا کہ حدیث میں جس طائفے کا ذکر ہے وہ قرآن و

حدیث میں بیان کردہ عقائد و اعمال کی حامل اور ایک امیر پر متفق ایک متحدہ جماعت ہے نہ کہ مختلف عقائد کی حامل منتشر جماعتیں جن کے اپنے اپنے امراء ہیں، نظم بھی جدا جدا ہے اور عقائد و اعمال میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیپٹن صاحب کے بھائی اور مقامی ناظم نے ساتھیوں کی ضیافت کا انتظام کر رکھا تھا۔

یہاں سے یہ قافلہ راولپنڈی مرکز واپس آ گیا۔ یہاں مغرب کے بعد محمدی گل صاحب کا بیان تھا۔ ملحقہ اضلاع کے کافی ساتھی پہنچے ہوئے تھے اور مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سورۃ الکہف کے حوالے سے محمدی گل صاحب نے بشریت انبیاء کو بیان فرمایا۔ عشاء اور کھانے کے بعد رات گئے تک امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد منور سلطان نے سورۃ المومنون کی آخری آیات کے حوالے سے احوال آخرت کو بیان کیا۔

مورخہ ۸ رجون کو ناشتے اور اشراق کے بعد قافلہ آزاد کشمیر کے لیے روانہ ہو گیا۔ دوسرے شہروں سے بھی کافی ساتھی قافلے میں شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک مزید ویگن کرائے پر لے لی گئی۔ بلند و بالا پہاڑوں کی دشوار گذار تنگ وادیوں میں سفر کرتا ہوا یہ قافلہ بنگوئی نمرالہ پہنچا۔ راستے میں آزاد کشمیر کے امیر آزاد صاحب اور سابقہ امیر ارشد ظفر صاحب جو کہ بیرون ملک مقیم ہیں، قافلے میں شامل ہو گئے۔ کافی راستہ پہاڑوں کے نشیب و فراز میں پیدل بھی چلا گیا کہ وہاں گاڑیاں نہیں جا سکتی تھیں۔ تھکن سے چور یہ قافلہ مسجد توحید سے ملحقہ یہاں کے ناظم فیاض صاحب کے گھر پہنچا جہاں میزبانوں نے قافلے والوں کی ضیافت کا بندوبست کر رکھا تھا۔ صلوٰۃ الظہر کے بعد امیر تنظیم نے قرآن و حدیث سے تمسک کرنے کی اہمیت پر تقریر کی اور سوالوں کے جواب دیے۔

یہاں سے قافلہ راولاکوٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ پہاڑوں کے دامن میں گھومتی گاڑی سے راولاکوٹ کی خوبصورت مسجد توحید پر نظر پڑی تو دل خوش ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر دیکھا کہ زلزلے نے اوپر کی دو منزلوں کے ستونوں کو اور نچلی منزل کے فرش کو تباہ کر دیا تھا۔ زلزلے سے متاثرہ حصوں کی مرمت کا کام تیزی سے جاری تھا۔ یہاں پر صلوٰۃ العصر ادا کی گئی۔ یہاں کے ساتھیوں نے اہل قافلہ کی ضیافت کا بندوبست کر رکھا تھا۔ عجلت تمام فارغ ہو کر علی سوجل کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ بھی دشوار گذار راہوں پر واقع تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج سے تقریباً بیس سال پہلے ڈاکٹر عثمانی پانچ گھنٹے پہاڑوں میں پیدل چل کر یہاں پہنچے تھے۔ یہاں کی مسجد توحید ایک بلند پہاڑی پر پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ زلزلے سے اس کی ساری دیواریں منہدم ہو گئیں تھیں، صرف چھت باقی بچی تھی جو چار شہتیروں پر کھڑی تھی۔ یہ کٹھن راستہ طے کر کے ساتھی مغرب کے بعد یہاں پہنچے۔ محمدی گل صاحب نے تقریر کی اور امیر تنظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔ کشمیری نوجوانوں نے خوب خوب حق میزبانی ادا کیا۔ اگرچہ جون کا مہینہ تھا مگر یہاں رات بہت خنک تھی۔ ہلکی ہلکی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ فجر کے بعد منور سلطان نے سورۃ الفجر کی آخری آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا اور تمام آخر بندگیٔ رب کو واضح کیا۔

ناشتے اور اشراق کے بعد قافلہ واپس راولاکوٹ کی مسجد توحید پہنچا۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ طے یہ ہوا کہ محمدی گل صاحب یہاں جمعہ پڑھائیں گے اور امیر تنظیم تنگی گلہ کی مسجد میں۔ محمدی گل صاحب، افضل صاحب اور کافی ساتھی راولاکوٹ میں ہی رہ گئے۔ راولاکوٹ کے بازار میں صلوٰۃ الجمعہ کے بعد تین مقامات پر مرکزی شوریٰ کے اراکین افضل صاحب و صابر علی صاحب، اشرف صاحب (امیر شمالی علاقہ جات) اور ڈیرہ غازی خان کے ساتھی سجاد نے دعوت الی اللہ کی تقاریر کیں اور کھل کر طاغوت کی نشاندہی کی اور طاغوت پرستی کی تباہ کاریاں واضح کیں۔ دعوت الی اللہ کے بعد ساتھی تنگی گلہ میں باقی قافلے سے جا ملے۔ تنگی گلہ کی مسجد بھی بہت خوبصورت تعمیر ہوئی ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں کی وادیوں میں کھڑے طویل القامت چیڑ اور دیار کے درختوں کے درمیان بہت خوبصورت منظر پیش کرتی ہے۔ یہاں جمعہ کا خطبہ و امامت امیر تنظیم نے فرمائی۔ آپ نے سورۃ الکہف کی آخری آیات کے حوالے سے دنیا کی رنگینیوں میں مست و مگن اور اس کے مقام و منصب کے حصول کے لیے کوشاں گروہ اور دوسرے اس گروہ کی نشاندہی کی جو آخرت کی کامیابی کا حریص ہے۔ یہاں کے ناظم عتیق الرحمن صاحب نے عصر کے بعد تک کا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد منور سلطان نے سورۃ محمد کے حوالے سے سنت کی اہمیت اور بدعت کی شناعت کو واضح کیا۔ اس کے بعد علی سوجل کے ساتھی محمد مشتاق نے، جو قافلے کے ہمراہ آئے تھے، دعوت الی اللہ کی تقریر کی۔ دونوں مقامات پر میزبان قافلہ کی خوب خاطر تواضع کی گئی۔

صبح ناشتے کے فوراً بعد قافلہ میرپور بھمبر کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہاں کا موسم علی سوجل اور راولاکوٹ کے بالکل برعکس سخت گرم اور خشک تھا۔ طویل اور مسلسل سفر کی صعوبتوں نے امیر تنظیم کی صحت پر اثر ڈالا۔ چنانچہ آپ یہاں سے واپس پنڈی روانہ ہو گئے۔ بھمبر میں مقامی ناظم گوہر صاحب کے گھر صلوٰۃ الظہر ادا کی۔ یہاں ایک اہلحدیث نوجوان آیا ہوا تھا۔ اس کے سوالوں کے جوابات منور سلطان نے دیے۔ گوہر صاحب نے اہل قافلہ کی ضیافت فرمائی۔ یہاں سے قافلہ دھنڈی کی مسجد توحید پہنچا اور یہاں کے ساتھیوں سے ملاقات کر کے اور کچھ انتظامی امور طے کر کے ساتھی عصر کے وقت ٹھوڑانی کی مسجد توحید پہنچے۔ یہاں ساتھیوں نے اپنے کپڑے دھوئے اور غسل کیا۔ یہاں گجرات سے بھی کچھ ساتھی آ گئے تھے۔ صلوٰۃ المغرب تک محمدی گل صاحب نے تقریر کی اور مغرب کے بعد منور سلطان نے سورۃ النساء کی آیات کے حوالے سے حجیت حدیث کو ثابت کیا۔ قرآنی آیات کی روشنی میں سنت کی اہمیت اور حدیث سے تمسک پر زور دیا گیا۔ آپ نے بتایا کہ احادیث کو چھوڑ کر ہم ایک قدم بھی دین کی راہ پر نہیں چل سکتے، کوئی بھی عبادت نہیں کر سکتے؛ احادیث کو چھوڑ کر اللہ کی نہیں بلکہ خواہش نفس کی بندگی ہو سکتی ہے۔ اسکے بعد دیر تک سوالوں کے جواب دیے گئے۔

فجر کی صلوٰۃ کے فوراً بعد نزدیک واقع مسجد توحید برنالہ روانگی ہوئی۔ یہاں کے ذمہ دار محمد ناظم اور دیگر ساتھیوں نے ناشتے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ناشتے کے بعد

امیر شمالی علاقہ جات محمد اشرف صاحب نے سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ وغیرہ کے حوالے سے شرک کی پاداش میں ملنے والی سزاؤں کو بیان کرتے ہوئے بدانجامی کی ہولناکیوں سے ڈرایا۔

اگلی منزل گجرات کا شہر جلالپور جٹاں تھی۔ روانگی سے قبل کشمیر کے ساتھیوں نے رخصت کیا۔ جلالپور میں امیر پنجاب حکیم محمد رمضان اور دوسرے ساتھی بھی پہنچ گئے۔ یہاں کے مرکز توحید میں حکیم صاحب نے سورۃ السجدۃ کے حوالے سے مومنین کو ملنے والے انعامات بیان کیے اور حق کے انکاریوں کی بدانجامی کا بھی ذکر فرمایا۔ اس کے بعد سوال وجواب کی طویل نشست رہی۔ مقامی ساتھیوں نے میزبانی فرمائی۔

ظہر کے بعد قافلہ منڈی بہاء الدین کے علاقے آلہ کی بستی توحید آباد کے لیے روانہ ہوا۔ یہاں کے ناظم غلام قادر صاحب نے ایک بڑی خوبصورت مسجد تعمیر کی ہے جس میں آب رسانی، طہارت، بجلی کی مسلسل فراہمی، روشنی، اسپیکر وغیرہ کا بڑا احسن انتظام کیا ہوا ہے۔ اطراف کے شہروں سے یہاں بہت بڑی تعداد میں ساتھی جمع ہوگئے تھے جن کی میزبانی بڑی خوبی کے ساتھ کی گئی۔ مغرب کے بعد سورۃ القلم کے حوالے سے محمدی گل صاحب نے سچے اور جھوٹے لوگوں کی پہچان کروائی۔ اس کے بعد سوالوں کے جواب دیے گئے۔ فجر کے بعد آیت الکرسی کے حوالے سے منور سلطان نے درس دیا اور مختلف مسالک کی بدعقیدگی کی نشاندہی کراتے ہوئے کفر بالطاغوت پر زور دیا، طاغوت کی مختلف شکلوں کی وضاحت کی اور ان سب سے نفرت وبیزاری اور مکمل اجتناب کی تلقین کی۔

ناشتے کے بعد ساتھی دورے کے آخری مقام گجرانوالہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہاں بھی بہت بڑی تعداد میں ساتھی اکٹھے ہوگئے تھے۔ اگرچہ بجلی چلی گئی تھی، اس کے باوجود ساتھیوں نے محمدی گل صاحب کا طویل خطاب توجہ اور دلچسپی سے سنا۔ اس کے بعد حکیم رمضان صاحب نے سوالوں کے جواب دیے۔ سوالات کا سلسلہ کسی طرح رکنے میں ہی نہیں آرہا تھا اور لاہور روانگی کا وقت ہوگیا تھا جہاں سے کراچی کے ساتھیوں نے واپسی کی ٹرین پکڑنی تھی۔ مجبوراً مقامی نظم کو یہ سلسلہ کوتاہ کرنا پڑا۔ کھانے اور ظہر کی صلوٰۃ کے بعد قافلہ لاہور روانہ ہوگیا۔

لاہور پہنچ کر شمالی علاقہ جات کے امیر محمد اشرف صاحب اور پنڈی وغیرہ کے ساتھیوں نے کراچی کے ساتھیوں کو رخصت کیا۔ اگلے دن ۱۳/ جون کو ساتھی شمالی علاقہ جات وآزاد کشمیر کا کامیاب دورہ کرکے کراچی کینٹ واپس پہنچ گئے۔

دسویں سالانہ توحید وسنت کانفرنس

اس کانفرنس کی روداد تاخیر سے موصول ہوئی، اس لیے پچھلے شمارے میں شامل نہ ہوسکی جس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

دسویں سالانہ توحید وسنت کانفرنس گزشتہ سال امریکی ریاست کیلی فورنیا (California) کے شہر لاس اینجلس (Los Angeles) میں بروز جمعہ و ہفتہ مورخہ ۵ اور ۶/ اگست ۲۰۰۵ء ہوئی جس میں امریکہ کی مختلف ریاستوں سے مومن ساتھیوں نے شرکت کی۔ بیشتر شرکاء جمعرات کی شام کو ہی پہنچ گئے تھے جن کی رہائش کا انتظام مقامی ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ گزشتہ سالوں کے برخلاف اس سال کانفرنس کے انعقاد کے لیے مقامی مسجد کا انتخاب کیا گیا تھا۔ پروگرام کا آغاز حسب معمول صلوٰۃ الجمعہ کے ساتھ ہوا جو کہ ریاست مسوری (Missouri) کے ساتھی ڈاکٹر تحسین خالد نے پڑھائی جس کے بعد مقامی مولویوں سے بات چیت ہوئی۔ صلوٰۃ سے پہلے بھی ساتھیوں نے ان لوگوں کو مختصراً اپنی دعوت کے بارے میں بتادیا تھا۔ ساتھیوں نے وفات النبی ﷺ کے موضوع پر قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے یہ ثابت کیا کہ نبی کریم ﷺ وفات پاکر اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں اور اب مدینے والی قبر میں نہیں بلکہ جنت کے اعلیٰ ترین مقام "الوسیلہ" میں زندہ ہیں۔ جواب میں مولوی صاحبان اور ان کے حواریوں نے قرآن و احادیث صحیحہ کے بجائے اپنے مسلکی اکابرین کے حوالے دیکر دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ کو ایک خاص حیات دی گئی ہے اسی دنیوی جسم کے ساتھ۔ اس خلاف شرع باطل دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مولویوں نے وہی منکر وموضوع روایات پیش کیں جن کی حقیقت ہمارے کتابچوں میں واضح کردی گئی ہے، یعنی:

(۱) نبی ﷺ پر درود وسلام پیش کیا جاتا ہے۔
(۲) انبیا علیہم السلام کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔
(۳) نبی ﷺ اپنی قبر پر پڑھا جانے والا درود وسلام خود سنتے ہیں اور آپ ﷺ پر سلام پہنچتا ہے خواہ کہیں سے بھی پڑھا جائے۔
(۴) انبیا علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

جب ان لوگوں کے سامنے ان روایات کی حقیقت لائی گئی اور وہ قرآنی آیات پیش کی گئیں جن میں واضح کیا گیا ہے کہ مردے قبر میں زندہ نہیں ہوتے، وہ ہر حس سے عاری ہیں، انہیں کسی بات کا شعور نہیں ہوتا، اور یہ کہ نبی ﷺ بھی قبر والوں کو نہیں سنا سکتے، وغیرہ، تو انہوں نے پیشہ ورانہ چابکدستی دکھاتے ہوئے ان سب آیتوں کو رد کردیا اور مذکورہ منکر اور موضوع روایتوں کو قرآن کی محکم آیات اور صحیح احادیث پر مقدم کرتے ہوئے ان کے درست ہونے پر اصرار کیا گیا۔ مولویوں کی چالبازی اور ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے ساتھیوں نے اندازہ کرلیا کہ یہ لوگ صرف وقت ضائع کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد دین سیکھنا اور سکھانا نہیں بلکہ اللہ کے دین کی راہ میں روڑے اٹکانا ہے۔ انہی جیسے لوگوں سے ایمان والوں کو خبردار کرتے ہوئے قرآن میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگوں کا مال بھی باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتے ہیں۔ قرآن میں ان جیسے لوگوں کے متعلق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ حق کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو مگر اس کے باوجود کتاب اللہ کے پیغام کو چھپاتے ہیں۔ حق کا کتمان کرنے والے ایسے ہی لوگوں کے بارے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

اس بات چیت کے اختتام پر ظہرانہ ہوا جس کے دوران ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں مزید پروگرام جاری رکھنا مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ کانفرنس کے شرکاء یہاں سے روانہ ہوکر مقامی ساتھی جنید صاحب کے ہاں چلے گئے جہاں صلوٰۃ العصر کے بعد پروگرام کا دوبارہ آغاز ہوا۔ ارشد ظفر صاحب نے اپنی تقریر میں سورہ یونس کے آخری رکوع کی آیات کو اپنا موضوع بناتے ہوئے بیان کیا کہ ہمارے دلوں میں اپنے دین کے بارے میں کسی قسم کا کوئی ریب وشک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شکوک وشبہات میں پڑنا تو دین کا انکار ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رب العالمین پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کی جائے اور اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کی جائے۔ انہوں کہا کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے مقابلے میں اگر وہ کسی اور کی اطاعت اور بندگی کریں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ انہوں نے تلاوت شدہ آیات کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر کوئی مشکل ڈالنا چاہے تو کوئی بھی نبی یا ولی اس مشکل کو ٹال نہیں سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کے لیے کوئی آسانی پیدا کرنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس خیر کو روک نہیں سکتی۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر کوئی اس دین حق کو قبول کرتا ہے تو اس میں خود اسی کا بھلا ہے اور اگر وہ اس دعوت کو ٹھکرا دیتا ہے تو خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے؛ اس کا خمیازہ خود اسی کو بھگتنا پڑے گا جس کا وبال کسی اور پر نہ پڑے گا؛ انبیاء و رسل اور دعوتی کام کرنے والے ان کے پیروکار ایسے لوگوں کے لیے داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

اس تقریر کے بعد مختصراً سوال وجواب ہوئے اور پھر صلوٰۃ المغرب ادا کی گئی۔ صلوٰۃ کے بعد پاکستان میں دعوتی سرگرمیوں پر ایک مختصر رپورٹ پیش کی گئی جس میں بتایا گیا کہ پاکستان میں الحمد للہ دعوت کا کام اچھی رفتار سے چل رہا ہے؛ نئی نئی مساجد اور مراکز پورے ملک میں بن رہے ہیں جن کی تعداد ملکی سطح پر ڈیڑھ سو سے تجاوز کر گئی ہے اور مزید مساجد اور مراکز کی تعمیر زیر غور ہے۔

اس رپورٹ کے بعد باہمی مشاورت سے اگلی کانفرنس کے انعقاد کے لیے مقام اور تاریخ کا تعین کیا گیا۔ رفتار کار کا جائزہ لیتے ہوئے اسے بڑھانے کی تلقین کی گئی اور ساتھیوں کو انفاق فی سبیل اللہ کے لیے تحریص دلائی گئی۔ ساتھیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ دعوتی سرگرمیوں کو بڑھانے کے لیے ہر ماہ ایک متعینہ رقم تنظیم کے فنڈ میں جمع کرائیں، تنظیم کے تعلیمی ادارے مسلم اکیڈمی کراچی کو کامیاب بنانے کے لیے کم از کم ایک بچے کی سرپرستی فرمائیں اور تنظیم کے قانونی مسائل کے حل کے لیے بھی حسب سہولت ماہانہ یا سالانہ اعانت فرمائیں۔ اس مشاورت کے بعد اس دن کے پروگرام کا اختتام ہوا۔ پہلے دن مجموعی طور پر ۳۳ شرکاء پروگرام میں موجود تھے۔

دوسرے دن پروگرام کا آغاز ۱۱ بجے صبح ہوا۔ یہ پروگرام قریب کے ایک ہوٹل میں ہوا جہاں ایک کانفرنس روم حاصل کر لیا گیا تھا۔ ابتدائی دو گھنٹے کی نشست کا پروگرام انگریزی زبان میں ہوا جس میں تین تقاریر کی گئیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۹۶ کو موضوع بناتے ہوئے پہلی تقریر ڈاکٹر تحسین خالد نے کی۔ انہوں نے بتایا کہ امت مسلمہ کی بربادی اور ذلت وخواری کی وجہ اسلام سے دوری ہے، بد عقیدگی اور بد اعمالی نے انہیں پیچھے دھکیل دیا ہے، ایمان کی جگہ شرک نے اور سنت کی جگہ بدعت نے قبضہ جما لیا ہے۔ انہوں نے مثالیں دے کر بتایا کہ اللہ کو چھوڑ کر نبیوں اور ولیوں کو اس امت نے الوہیت کے درجے پر فائز کر دیا ہے؛ شرک و کفر کی وجہ سے یہ امت جو کبھی امام تھی، آج مقتدی بننے کے قابل بھی نہ رہی۔ انہوں نے کہا کہ اس ذلت و رسوائی سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ایمان کو درست کیا جائے اور آخری نبی ﷺ کی سنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا جائے، تب ہی اللہ کی روٹھی ہوئی رحمتیں اور برکتیں ہماری طرف متوجہ ہوں گی اور پھر ہمیں اس ذلت ورسوائی سے نجات ملے گی۔

اس کے بعد کیلی فورنیا سے تعلق رکھنے والے ساتھی عمر بٹ صاحب کی تقریر تھی جس میں قرآن وحدیث کے حوالوں سے بتایا گیا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور یہ کہ حقیقی زندگی تو آخرت کی ہے؛ جو کچھ ہم اس دنیا میں کریں گے، اس کا نتیجہ ہمیں آخرت میں ملے گا۔ انہوں نے حدیث قدسی کے حوالے سے بتایا کہ اگر کوئی شخص اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس نے گناہوں سے زمین بھر دی ہو مگر شرک نہ کیا ہو، تو اللہ تعالیٰ اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کرے گا یعنی شرک کے سوا ہر گناہ اللہ کی مشیت کے مطابق قابل معافی ہے۔

اگلی تقریر زید صدیقی صاحب کی تھی جن کا تعلق بھی کیلی فورنیا سے ہے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے اخلاق و کردار کو بہتر بنانے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ اخلاق و کردار دعوت دین کا ذریعہ ہیں؛ ہمارا اخلاق و کردار ہماری شناخت ہے؛ ہمیں دوسروں میں گھل مل کر اپنی شناخت نہیں کھونی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا لباس بھی ہماری شناخت ہے اور ہمیں اپنا لباس پہننے میں کوئی جھجک اور کسی قسم کی ہتک یا شرمندگی محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے خاص طور سے خواتین کو اسلامی لباس اور حجاب پہننے پر زور دیا۔

صدیقی صاحب کی تقریر انگریزی نشست کی آخری تقریر تھی جس کے بعد کھانے اور صلوٰۃ کا وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد دوبارہ پروگرام کا آغاز ہوا۔ پہلی تقریر عمران قیصر صاحب کی تھی جنہوں نے سورۃ المائدۃ کی تیسری آیت کے حوالے سے بتایا کہ اللہ نے اپنا دین مکمل کر دیا ہے؛ اللہ کے رسول محمد ﷺ اگرچہ وفات پا چکے ہیں مگر وہ اپنا اسوہ حسنہ سنت کی صورت میں ہماری ہدایت کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے حاضرین سے سوال کیا کہ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے مگر اس کے ماننے والے اتنی زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود کیوں سب سے زیادہ بُری حالت میں ہیں؟ انہوں نے اپنے سوال کا جواب خود ہی دیتے ہوئے کہا کہ مسلمان قرآن وحدیث کے پیغام سے دور ہیں، ان کے عقائد اور اعمال قرآن و سنت کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں۔ مرض کی تشخیص کرتے ہوئے انہوں نے

باقی صفحہ ۲۳ پر

سلسلہ سوال و جواب

از افادات ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: معراج الدین، لاہور

سوال: امام بخاری اور امام مسلم نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی تھی جبکہ وہاں نماز نہیں ہوتی جہاں قبریں ہوں۔ وضاحت فرمایئے۔

جواب: یہ تو کہنے کی بات ہے ورنہ ایسا کوئی ثبوت نہیں کہ ان ائمہ نے وہاں صلوٰۃ ادا کی۔ اگر کسی کے پاس کوئی ثبوت ہو تو ضرور پیش کرے۔ بہر حال اگر پڑھی بھی ہوگی تو غالب گمان یہی ہے کہ اس توسیع شدہ حصے میں پڑھی ہوگی جو عمر فاروق ؓ کے زمانے میں تعمیر ہوا جس کے بعد ساری مسجد پشت پر آ گئی ہے۔ 99ھ تک عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں تو یہ ہوا تھا کہ صحابہ نے ایک دیوار کھینچ دی تھی اور قبروں اور مسجد میں حد فاصل کھڑی کر دی تھی۔ اگر آپ اجتہاد کو مانتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا تھا۔ ان کا اجتہاد بھی یہی تھا کہ اگر ان قبروں کو مسجد سے الگ نہ کیا گیا تو وہاں نماز نہ ہو سکے گی۔ تاریخ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا گیا ہے۔ عائشہ ؓ اگر وہاں ادا کرتی ہوں تو یہ ان کی مجبوری تھی کہ وہی ان کا گھر تھا۔ پھر بھی انہوں نے پردہ ڈال کر قبروں کے حصے کو علیحدہ کر دیا تھا۔ امت کی خیر خواہی میں انہوں نے ایسا کیا۔ یہ ان کی ایک بہت بڑی قربانی تھی کہ انہوں نے اپنی جائیداد کو اس عظیم مقصد کے لیے استعمال کیا کہ امت قبر پرستی میں نہ پڑ جائے۔ بخاری روایت لائے ہیں کہ عائشہ ؓ فرماتی تھیں کہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ نبی ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے گا تو آپ کی قبر حجرے سے باہر بنائی جاتی۔ مگر چونکہ آپ ﷺ جو فرماتے تھے کہ انبیاء کی قبروں کو ان کی قوموں نے سجدہ گاہ بنا لیا تو صحابہ ڈرے کہ اگر یہ قبریں باہر ہوں گی تو زیادہ امکان ہے کہ امت ان کی پوجا شروع کر دے۔ میرا خیال یہی ہے کہ ان ائمہ کے زمانے میں بھی یہ حصہ الگ ہی ہوگا۔ اگر کوئی نہیں مانتا اور یہی کہتا ہے کہ انہوں نے قبروں کی موجودگی میں نماز پڑھی تو کوئی اس کا ثبوت دینے کے لیے مجھے نہیں مل سکا۔

سوال: آل سے کیا مراد ہے، مثلاً آل محمد، آل فرعون، وغیرہ۔

جواب: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی کو صدق دل سے مانیں، اس کی پیروی کریں۔ فرعون کو جو لوگ اپنا مالک مانتے، وہ آل فرعون کہلائے۔ اسی طرح آل محمد سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو نبی ﷺ کو اپنا نبی مان کر ان کی پیروی کریں۔ اس سے مراد کوئی خاندانی و نسلی تعلق نہیں جیسا کہ شیعہ سمجھتے ہیں۔

سوال: کیا سرخ رنگ نبی ﷺ کو ناپسند تھا؟

جواب: جی ہاں۔ نبی ﷺ کو سرخ رنگ پسند نہیں تھا۔ صرف یہاں تک اجازت دی ہے کہ اگر کوئی دھاریاں ہوں جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک جبہ تھا جس پر سرخ دھاریاں تھیں۔ لہٰذا، صرف دھاریوں کی حد تک اجازت ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں نے اپنا ایک اسٹینڈ رڈ بنایا ہوا ہے۔ کوئی کہتا ہے ایشیا، سرخ ہے، کوئی کہتا ہے ایشیا سبز ہے۔

سوال: مقام محمود سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد وہ بلند مقام ہے جس کا حامل شخص میدان حشر میں ایمان والوں کی شفاعت کرے گا۔ مقام محشر میں اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کو یہ موقع دے گا کہ وہ سب سے زیادہ مومنوں کی سفارش کرے گا اور وہ بندہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ﷺ۔ انہی کے لیے اذان کے بعد مقام وسیلہ کی دعا کی جاتی ہے جس کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وسیلہ وہ مقام ہے جو اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا اور رحمت والا ہے اور وہ صرف ایک شخص کو ہی دیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ اسی دعائے اذان میں نبی ﷺ کے لیے مقام محمود کی بھی دعا کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ مقام ہے کہ سفارش کا سب سے زیادہ موقع پروردگار آپ ﷺ کو ہی دے گا۔ میدان حشر میں روز اول سے آخر تک کے تمام لوگ موجود ہوں گے اور ان سب کے سامنے یہ بتلایا جائے گا کہ سب سے زیادہ محبوب بندے یہ ہیں۔ لیکن یہ بات بہر حال بتا دی گئی کہ اس سفارش کی نہ تو آپ اجازت مانگ سکیں گے، نہ ہی رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر لب کشائی ہی کی جا سکے گی اور نہ ہی آپ کو یہ خبر ہوگی کہ کس کی سفارش کرنی ہے۔ آیت الکرسی اور سورۃ النبا کی آخری آیات میں یہی بات بتائی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ساری دنیا کا تو علم ہے نہیں، صرف اللہ کے اشارے پر ہی آپ لب کھولیں گے کہ فلاں فلاں کے لیے سفارش کیجیے۔ بالکل اسی طرح جیسے تاریخ میں آتا ہے کہ امیر معاویہ ؓ کے پاس ان کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے اپنی حاجت بیان کی۔ لوگ خاموش رہے۔ امیر معاویہ ؓ نے کہا کہ آپ لوگوں کو چاہیے کہ اس کی سفارش کریں کہ یہ ایماندار ہے، آپ کا بھائی ہے۔ جو کچھ اسے دینا دلوانا ہے وہ تو اللہ کی مرضی، مگر آپ لوگ اپنے بھائی کے لیے کچھ تو سفارش کرتے۔ احادیث میں بھی سفارش کرنے کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ ایک دفعہ صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب نے اپنی کوئی درخواست پیش کی۔ صحابہ

خاموش بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کا حق ہے کہ ان کے لیے سفارش کی جائے کہ ان کی مدد فرمائیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً (النساء:۸۵)

یعنی جو شخص کسی نیک امر کی سفارش کرے تو اس کو اس کے اجر میں حصہ ملے گا۔ تو مقام محمود محشر کا وہ مقام ہے جو نبی ﷺ کا مومنوں کی سفارش کے لیے عطا کیا جائے گا۔ اور اس مقام کے ملنے کے بعد آپ ﷺ مقام وسیلہ پہنچ جائیں گے جو جنت کا سب سے اونچا مقام ہے۔

سوال: پہلی رکعت میں سورۃ اخلاص، دوسری رکعت میں سورہ عصر پڑھنا صحیح ہے نماز میں سورتیں قرآنی ترتیب سے پڑھنی چاہئیں؟

جواب: بالکل پڑھ سکتے ہیں۔ لوگ ترتیب کے لیے زور دیتے ہیں مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں دیتے۔ لیکن بخاری لائے ہیں کہ قرآن کو بلا ترتیب پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے ثبوت میں حدیث پیش کی ہے کہ نبی ﷺ نے اس طرح صلوٰۃ ادا کی کہ پہلے سورۃ البقرۃ پڑھی، پھر سورۃ النسآء، اور پھر سورہ آل عمران۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کو ترتیب سے پڑھنے کی جو شدت آج دکھائی جاتی ہے، بلا ضرورت ہے۔ شدت ہی اگر دکھانی ہے تو قرآن کے مطابق عقیدہ بنانے میں دکھائیں، قرآن پر عمل کرنے میں دکھائیں۔ ویسے بھی قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل:۲۰) یعنی قرآن سے جو بھی آسانی سے پڑھ سکو تو پڑھ لو۔

سوال: قرآن میں آیا ہے کہ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ تو کیا اس میں وہ خیالات جو انسان اپنے جی میں سوچتا ہے، کیا انہیں بھی یہ فرشتے جانتے ہیں؟ کیا اس آیت سے فرشتوں کا عالم الغیب ہونا ثابت ہے؟

جواب: یہ سورۃ انفطار کی آیت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لکھنے والے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کے اعمال کو لکھ رہے ہیں۔ اس میں وہی اعمال آتے ہیں جس کو وہ دیکھ سکیں یعنی انسانی بدن کے افعال۔ دل کے خیالات، ارادے اور نیت سے یہ واقف نہیں ہو پاتے۔ وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ تو صرف وہ کام جانتے ہیں جو ان کے سامنے آ جائے۔ غیب کا جاننے والا تو اللہ کے سوا کوئی ہے ہی نہیں، خواہ انسان ہوں یا فرشتے، جن یا کوئی اور مخلوق۔ قرآن میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

سوال: بتایئے اگر عورت طلاق لینا چاہے اور اس کا شوہر طلاق نہ دے تو عورت طلاق کیسے لے گی اور اگر طلاق ہو جائے تو مہر ادا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

جواب: عورت کا طلاق لینے کا ایک ہی طریقہ ہے جسے خلع کہتے ہیں۔ اس کے لیے عدالت میں وہ شکایت پیش کرے کہ مجھے اس مرد سے الگ کر دیا جائے۔ عدالت قانونی تحقیقات کرے، اس کے شوہر کو صفائی کا موقع دے اور پھر علیحدگی ہو جائے گی۔ نکاح ختم ہو جائے گا۔ خلع میں مہر ادا نہیں کی جاتی۔ شوہر اگر خود اپنی مرضی سے طلاق دے تو اسے مہر ادا کرنا لازم ہے اگر پہلے ادا نہ کیا ہو۔

سوال: کیا چیزیں گروی رکھنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں بالکل جائز ہے۔ سورہ بقرہ کے آخر میں اس کا ذکر ہے جہاں ادھار لین دین کے قواعد بتائے گئے ہیں کہ اس ادھار کو لکھ لینا چاہیے اور اگر حالت سفر میں اس معاملے کی کوئی دستاویز نہ لکھی جا سکے تو کوئی چیز رہن رکھ لینی چاہیے: وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا ــــــ۔ اس کے لیے شرائط طے کر لی جاتی ہیں۔ البتہ شے مرہونہ سے کسی قسم کا تمتع یعنی فائدہ نہیں لینا چاہیے کہ یہ مدت رہن تک ایک امانت کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی مویشی جانور رہن میں رکھا گیا جس کو زندہ رکھنے کے لیے مرتہن یعنی جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے۔ اس جانور کو دانا پانی بھی دے گا۔ تو ایسی صورت میں اس مویشی کے دودھ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ورنہ دوسری طرح کی مرہونات سے کسی قسم کا کوئی تمتع جائز نہ ہوگا۔ عام چیزوں میں اس کی اجازت نہیں۔

سوال: ڈاکٹر صاحب مسجد میں اکثر لوگ ایسے ہیں جن کے سروں پر ٹوپی نہیں۔ ننگے سر نماز پڑھنا کیا نبی ﷺ یا صحابہ کرام سے ثابت ہے جبکہ حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ اگر نماز کی حالت میں ٹوپی گر جائے تو اٹھا کر سر پر رکھ لیں؟ تو پھر یہ لوگ کدھر سے دلیل لاتے ہیں؟

جواب: ننگے سر نماز پڑھنے کا کوئی ثبوت مجھے تو نہیں ملا۔ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سب کے سب سر ڈھانک کر نماز پڑھتے تھے۔ ان کے سر صرف حالت احرام میں ننگے رہتے تھے جب سر کھلا رکھا جاتا ہے۔ احرام کی حالت میں سر بند نہیں کیا جا سکتا۔ یہی اس کی دلیل ہے۔ باقی اللہ کے نبی ﷺ کی جتنی حدیثیں آتی ہیں ان میں سر کے اوپر یا تو عمامے کا ذکر آتا ہے یا کسی پٹی کا ذکر ملتا ہے یا پھر قلنسوہ یعنی لمبی ٹوپی کا۔ بخاری نے باب باندھا ہے کہ ٹوپی کو اتنی حرکت دی جا سکتی ہے کہ اوپر نیچے کر سکتے ہیں یعنی حالت نماز میں ٹوپی درست کی جا سکتی ہے۔ مگر بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کی تو ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ جس روایت سے یہ لوگ ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز نکالتے ہیں وہ جابر ؓ کی ایک روایت ہے جو بخاری و مسلم لائے ہیں۔ جابر بن عبداللہ بن حرام بن ملحان رضی اللہ عنہما وہ آخری صحابی ہیں جنہوں نے مدینے میں وفات پائی اور مدینے میں ہی دفن کیے گئے۔ اور آج یہ قبروں میں سب کچھ ہونے کا عقیدہ رکھنے والے یہ جھوٹی بات مشہور کرتے ہیں کہ ان کی قبر اور ایک دوسرے صحابی حذیفہ بن یمان ؓ کی قبر عراق میں بغداد کے قریب موجود ہیں۔ ان کی قبروں میں پانی رس کر اندر آ گیا اور انہوں نے عراق کے بادشاہ فیصل کو جسے اس کے جنرل قاسم نے بعد میں قتل کر کے وہاں سے بادشاہت کا خاتمہ بھی کر دیا، اس نے ۵۵ء - ۵۶ء میں یہ مشہور کر دیا کہ ان صحابہ نے اس کے خواب میں آ کر قبروں میں پانی آنے کی اطلاع دی اور دوسری جگہ دفن کیے جانے کی درخواست کی۔ یہ سب فریب ہے۔ میں نے کتنے ہی رسالوں میں اس کو پڑھا ہے۔ ان صحابہ نے مدینے میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ انہی جابر ؓ کے شاگرد بیان کرتے ہیں

کہ ایک مرتبہ جابر ؓ نے ایک ہی کپڑے یعنی ایک ہی چادر میں نماز پڑھائی جبکہ دوسری چادر آپ کے سامنے ہی لٹکی ہوئی تھی۔ بعد میں ان سے اس فعل کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ تم جیسا کوئی بیوقوف پوچھے تو بتاؤں کہ ہم میں سے نبی ﷺ کے زمانے میں کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔ اس زمانے میں ایک چادر نیچے تہبند کے طور پر باندھتے اور ایک اوپر ڈالنے کا رواج تھا: سر کے اوپر چادر نہیں ڈالتے تھے بلکہ عمامہ باندھتے تھے یا قلنسوہ ٹوپی پہنتے تھے: نبی ﷺ کبھی کبھی کالی پٹی بھی باندھ لیا کرتے تھے۔ جابر ؓ بتاتے ہیں کہ میں نے تمہارے سامنے اس لیے کر کے دکھایا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو خود ایسا کرتے دیکھا ہے یعنی یہ بھی جائز ہے کہ اگر صرف ایک ہی کپڑا ہو تو اسی میں صلوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔ اس کو پیچھے لپیٹ کر اس کی گرہ گردن کے پیچھے باندھ لی جائے گی۔

بخاری نے یہ روایت لا کر ثابت کیا ہے کہ یہ صرف چادر کا معاملہ تھا، ٹوپی یا عمامے کی کوئی بات نہیں تھی۔ مگر یہ لوگ اسی کو دلیل بنا کر ننگے سر نماز پڑھتے ہیں جو کہ بالکل خلاف سنت ہے۔ میری بہت سے لوگوں سے اس بارے میں بات ہوئی۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم ٹوپی پھینک دیتے ہو اور ننگے سر کھڑے ہو جاتے ہو، اس کی کوئی ایک دلیل تو لاؤ مگر آج تک کوئی ایک دلیل بھی پیش نہیں کر سکا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کی دلیل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسے سامنے تو لاؤ، زبان سے کہہ دینا تو بہت آسان ہے۔ سوائے احرام کی حالت کے نبی ﷺ سے ننگے سر نماز پڑھنا کسی ایک حدیث میں تو دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف) جب اللہ کے سامنے جھکتے ہو تو اپنی زینت کو اختیار کرو۔ یہ عمامہ، ٹوپی مسلمان کی زینت ہوتی ہے۔ یہ کہتے ہیں ہماری زینت نہیں۔ میں کہتا ہوں تم نے اگر اسے بدل دیا تو یہ تمہارا اپنا فعل ہے ورنہ اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے عام طور سے عمامہ باندھنا ثابت ہے یا قلنسوہ پہننا یا کبھی کبھی کالی پٹی باندھنا۔ جس چیز کا عمومی رواج تھا وہ عمامہ تھا۔ ٹوپی اس کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ بہر حال ٹوپی بھی نبی ﷺ نے استعمال کی ہے۔ میرے خیال میں آج تک کوئی بھی اس کو ثابت نہ کر سکا کہ مسجد میں آ کر ننگے سر نماز پڑھیں۔ ہاں اگر ٹوپی نہ ہو تو پھر مجبوری ہے۔ اس کے لیے یہ کیا جاتا ہے کہ مسجدوں میں ٹوپیاں رکھ دی جاتی ہیں، ایسی ٹوپیاں جن کو پہن کر آدمی کہیں جانا پسند نہ کرے: چٹائی کی ٹوپیاں جن کو پہن کر کوئی باہر نکلنے سے بھی شرمائے، جنہیں ہرگز ایک مسلمان کی زینت نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر ٹوپیاں ہی رکھنی ہیں تو کم از کم ایسی تو رکھو جو زینت بن سکتی ہوں۔ کوئی ایسی چیز لائے جو بہر حال زینت کے معنی میں آ جائے جس کو اختیار کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اپنے ساتھیوں سے میں یہی درخواست کروں گا کہ آج کل ہر طرف فیشن کا دور دورہ ہے۔ اس دوڑ میں حصہ لینا ایمان والوں کے شایاں نہیں۔ یہ تو خالص دنیا پرستوں کا معاملہ ہے جو خواہشوں کے پجاری ہیں۔ جو بات دل میں آ جائے، جو ان کا معاشرہ چاہے، اسے جائز قرار دے دیتے ہیں خواہ وہ بری سے بری چیز ہو جس کو کوئی حیادار انسان سن کر کانپ جائے۔ ایسے ایسے غلیظ اور شنیع جرائم ہیں جن کو ان لوگوں نے قانوناً جائز کر رکھا ہے جیسے عمل قوم لوط۔ اب یہ ایک قانونی چیز ہے، اب اس کے خلاف کوئی چارہ جوئی کوئی کاروائی نہیں کی جا سکتی۔ کورٹ میں اسے کوئی جرم کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ پولیس کا تحفظ حاصل ہے۔ عصمت و آبرو کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی۔ یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ خود امریکہ کے بڑے بڑے سمجھدار لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ آج وہاں کسی باکرہ کنواری لڑکی کو ڈھونڈنا ایسا ہے جیسے گھاس کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنا یعنی جس طرح گھاس پھونس کے ڈھیر سے سوئی نکالنا مشکل ہے اسی طرح اس امریکی معاشرے سے ایک باکرہ لڑکی کو ڈھونڈنا دشوار ہے۔ اگر گھاس کے ڈھیر سے سوئی نکل سکتی ہے تو اس معاشرے سے ایسی لڑکی بھی مل سکتی ہے۔ ایسے غلیظ معاشرے کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ ہوش کے ناخن لو۔ دنیا بہر حال چند روزہ ہے۔ اس چکا چوند کے پیچھے کب تک بھاگنا، اس کے بعد تو جہنم کی آگ ہے۔ مالک یہی فرماتا ہے کہ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (آل عمران ۱۹۶، ۱۹۷) یعنی تمہیں ان کافروں کی چہل پہل کسی دھوکے میں مبتلا نہ کر دے، یہ دنیا، یہ حسن و جمال کی شیطانی دعوت دینے والے، یہ ناچ رنگ و گانے بجانے، ان کو دیکھ لینے کے بعد اے مومنو تم فریب نہ کھانا، یہ صرف چند دنوں کی بات ہے، اور اس کے بعد تو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس میں یہ سب جھونک دیے جائیں گے۔ تم ان کی ریس نہ کرو، ان کے راستے پر نہ چلو۔ سنت کو اپناؤ، صحابہ کے راستے پر چلو۔ یہی فلاح کا راستہ ہے۔

تحریکی ساتھی توجہ فرمائیں

تنظیم کے ساتھیوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی دینی مسئلہ ہو یا کوئی وضاحت مطلوب ہو یا تنظیم کے لیے تجاویز ہوں تو درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں:-

محمد حنیف

E-18 رفاہ عام سوسائٹی، ملیر ہالٹ، کراچی

بلا تبصرہ

روزنامہ "جنگ" بدھ ۲۲ مئی ۲۰۰۶ء

بھارت: پرمود مہاجن کی صحت یابی کیلئے بی جے پی کے ہیڈکوارٹر میں قرآن خوانی

نئی دہلی (پی ٹی آئی) بھارت میں بی جے پی کے زخمی رہنما اور سابق وزیر پرمود مہاجن کی جلد صحت یابی کیلئے 300 مولویوں نے قرآن خوانی کی، دو گھنٹے تک ہونے والی تلاوت کلام پاک کے بعد انکی صحتیابی کیلئے دعا کی گئی، نئی دہلی میں بی جے پی کے ہیڈکوارٹر میں قرآن خوانی کے اس موقع پر علماء کی قیادت بی جے پی کی اقلیتی شاخ کے صدر تنویر حیدر عثمانی کر رہے تھے، اس موقع پر شریک ہونے والے دیگر اہم مذہبی رہنماؤں میں درگاہ حضرت نظام الدین کے سید علی سونی نظامی اور بریلی کے مولانا شکیل رضا نے بھی شرکت کی، پارٹی نے اس سے قبل اپنے ہیڈکوارٹر میں مرتی انجلی اور گیاتری منتر کا اہتمام بھی کیا تھا۔ پارٹی کے ترجمان نے بتایا کہ اس سے قبل قرآن پاک کی تلاوت لکھنؤ میں پارٹی کے قیام کے موقع پر کی گئی تھی، اس واقعہ کے بعد یہ اس قسم کی دوسری تقریب تھی۔

جسٹس رانا بھگوان داس کی والدہ کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں۔ رابطہ کمیٹی کا اظہار افسوس

اتوار ۱۹ فروری 2006

کراچی (اسٹاف رپورٹر): سپریم کورٹ آف پاکستان کے قائم مقام چیف جسٹس مسٹر جسٹس رانا بھگوان داس کی والدہ، جن کا انتقال جمعہ کے روز ہو گیا تھا، کی آخری رسومات ہفتے کے روز ادا کی گئیں۔ آخری رسومات میں چیف الیکشن کمشنر عبدالحمید ڈوگر، سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صبیح الدین احمد، ہائیکورٹ کے دیگر ججوں، سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس اور جج صاحبان اور اعلیٰ شخصیات کے علاوہ سپریم و ہائی کورٹ کے افسران اور وکلاء نے شرکت کی۔ متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی نے جسٹس رانا بھگوان داس کی والدہ کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ ایک تعزیتی بیان میں رابطہ کمیٹی نے مرحومہ کے تمام سوگواران سے دلی تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں صبر کی تلقین کی۔ رابطہ کمیٹی نے مرحومہ کی مغفرت اور بلند درجات کیلئے دعا کی۔

دہلی: مولانا فضل الرحمٰن کی مزاروں پر حاضری

کراچی متحدہ مجلس عمل کے جنرل سیکریٹری مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے دورہ بھارت کے آخری حصے میں منگل کے روز دہلی کے مزارات پر حاضری دی۔ وہ اپنے وفد کے ہمراہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار پر گئے جہاں انہوں نے درگاہ کے سجادہ نشین سے خصوصی ملاقات کی اور فاتحہ پڑھی۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ محدث دہلوی کے مزار پر بھی گئے مولانا نے اپنے وفد کے ہمراہ فاتحہ پڑھی اور نماز ادا کی۔ (روزنامہ جنگ ۱۴ جون ۲۰۰۶ء بروز بدھ)

نئی دہلی، سونیا گاندھی نے اسلامک کلچرل سینٹر کا افتتاح کیا تقریب میں ممتاز مسلم رہنماؤں کی شرکت

کراچی (رپورٹ۔۔۔ ج۔ ر) کانگریس کی صدر سونیا گاندھی نے گزشتہ روز نئی دہلی کے معروف علاقے نظام الدین لودھی روڈ پر انڈین اسلامک کلچرل سینٹر کا افتتاح کیا، بتایا گیا ہے کہ یہ سینٹر مسلم کمیونٹی نے اپنی مدد آپ کے تحت 30 کروڑ روپے کی لاگت سے تیار کیا ہے اور حیدرآباد دکن کے ایک مسلمان اور بھارت کی بوہرہ مسلم کمیونٹی نے کلچرل سینٹر کے بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے سینٹر کی افتتاحی تقریب میں بوہرہ کمیونٹی کے روحانی پیشوا سیدنا برہان الدین کے نمائندے نے خصوصی شرکت کی جمعیت علمائے دیوبند کے جنرل سیکریٹری و ممبر راجیہ سبھا مولانا محمود اسعد مدنی کلچرل سینٹر کے چیئرمین سید سراج الدین وائس چیئرمین صفدر حسین کے علاوہ ممتاز مسلم رہنماؤں نے تقریب میں شرکت کی۔ (روزنامہ "جنگ" کراچی، بدھ ۱۴ جون ۲۰۰۶ء)

پیسے لے کر فتوے دینے پر دیوبند کے کئی مفتی معطل، رقم کے عوض من چاہے فتوے جاری کیے جاتے تھے، نجی چینل کے آپریشن میں انکشاف

ہندوستان کے ایک اہم ادارے دارالعلوم دیوبند نے مبینہ طور پر پیسے لے کر فتوے جاری کرنے والے بعض مفتیوں کو معطل کر دیا۔ ایک نجی ٹی وی چینل نے ایک اسٹنگ آپریشن کی مدد سے دکھایا کہ مفتی کس طرح فتووں کی تجارت کرتے ہیں اور پیسے لے کر کسی بھی طرح من چاہے فتوے جاری کرتے ہیں۔ ایڈیٹر [illegible] کو جب پتہ چلا کہ فتوے بھی بکتے ہیں تو اس کا پردہ فاش کرنے کا خیال آیا۔ اہم عہدوں پر فائز مفتیوں نے پیسے لے کر جو فتوے جاری کیے ہیں ان کے مطابق میاں بیوی کا [illegible] سونا ساتھ [illegible] حرام ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے صدر قاری عثمان کا کہنا ہے کہ پورے معاملے کی تحقیق کے بعد ملوث مفتیوں کو معطل کر دیا گیا ہے۔ ایکسپریس 23-9-06 کراچی۔

یہودی استانی کی ہرزہ سرائی

اسرائیل اسکول گولڈا وار ہائی اسکول کی ایک استاد نے گریڈ 11 کے طالب علموں کو تورات کے پیریڈ میں پیغمبر اسلام حضرت داؤد علیہ السلام اور حتی قوم کے ایک فرد (uriah) کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے (uriah) کو محض اس وجہ سے جنگ پر بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر ہلاک ہو جائے اور وہ اس کی بیوی سے شادی کر لیں۔ (روزنامہ "امت" کراچی جمعۃ المبارک 15 ستمبر 2006ء)

اسی سلسلے میں علی ہجویری مدفون لاہور کا انکشاف

جب بندہ اپنے آپ میں قائم ہوتا ہے تو وہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے داؤد علیہ السلام کی نظر ایک جگہ پڑی کہ وہاں نہ پڑنی چاہیے یعنی وہ عورت ریا کی تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے دیکھا جو کچھ دیکھا اور جب بندہ خدا کے ساتھ قائم ہوتا ہے ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی ایک نظر ای جنس کی زید کی عورت پر نظر پڑی تو وہ زید پر حرام ہوئی اس لئے کہ وہ صحو کے محل میں تھا اور یہ سکر کے محل میں تھے۔ (کشف المحجوب اردو، مطبوعہ قرآن محل کراچی۔ سکر (بے ہوشی) اور صحو (ہوش و حواس) کا بیان صفحہ نمبر 263)

فنکاروں نے عاشورہ محرم عقیدت و احترام سے منایا

اداکارہ نرگس کے گھر نیاز تقسیم کی گئی جس میں امان اللہ، مستانہ، علی رضا، حاجی اقبال بیگ اور ملک طارق نے شرکت کی۔ اس موقع پر معروف عالم دین مولانا طارق جمیل نے دعا کرائی۔ اس موقع پر نرگس نے کہا کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے یہ میری خوش قسمتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اب فلمیں نہیں کروں گی البتہ سٹیج پر صاف ستھرا کام کروں گی۔ (روزنامہ "نوائے وقت" ۱۴ فروری ۲۰۰۶ء بروز منگل)

صفات مومنین

دوسری صفت مومنوں کی اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ پر ایمان لائیں۔ اور اس کے آخری نبیؐ پر ان کا یقین جم جائے کہ وہ آخری نبی ہیں، ایسے وہ نبی ہیں کہ جب سے نبوت پر فائز ہوئے ہیں، اس روز سے لے کر صور کے پھونکے جانے تک کوئی اور قانون آنے والا نہیں ہے۔ انھی کا دیا ہوا قانون قانون ہوگا، انھی کی بات بات رہے گی۔ جس معاملے میں دنیا والوں کو جو طریقہ انھوں نے بتا دیا ہے وہی حق ہے، جو اسوہ چھوڑ گئے ہیں اسی کی پیروی لازم ہے، چاہے وہ معاملہ صورت وشکل کا معاملہ ہو، رہن سہن سے متعلق ہو، لباس کی تراش وخراش کے انداز بیان کرتا ہو، عقائد سے تعلق رکھتا ہو یا عبادات ومعاملات سے تہذیب وتمدن یا زندگی کے کسی اور گوشے سے متعلق ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ دے دیا ہے وہی حق اور قائم رہنے والا ہے وہی اللہ کو پسند ہے اور اس سے سر مو انحراف اور اس میں معمولی سے معمولی تبدیلی ممکن نہیں کیونکہ مالک خود فرماتا ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (ترجمہ:) جو کچھ بھی تمھیں رسولؐ دے دیں اسے قبول کر لو (اور یہ "جو" بے قید "جو" ہے یعنی جس معاملے میں اللہ کے نبیؐ جو چیز بھی دے دیں اسے پکڑ لو) اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر: ۷) (اللہ سے ڈرو اللہ شدید عذاب دینے والا ہے)۔

اور یہ حکم کوئی سفارش نہیں ہے۔ بلکہ تاکیدی حکم ہے کہ اگر تم نے اس سے روگردانی کی اور اس معاملے میں اللہ سے خوف نہ کھایا تو یاد رکھو کہ پروردگار وہ ہے جو شدید ترین عذاب دے سکتا ہے اور بدترین عقوبت میں ڈال دینا اس کے بس میں ہے، اس کے مقابلے میں کوئی حامی وناصر ملنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ایمان بالرسول کا تقاضہ یہ ہے کہ جو چیز بھی نبیؐ سے ملے اسے بسر وچشم قبول کیا جائے اور جو چیز ان کے طریقے سے متصادم ہو قیامت بھی آجائے تب بھی نہ مانی جائے۔ وہی ایک اکیلے ہادی ورہنما ہیں اور ہر چیز انھی کی سنت پر پرکھنے کے بعد قابل قبول یا لائق رد ٹھہرے گی۔ اور یہ کہنے کے بعد اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا سے پروردگار نے اس ایمان کو پابند کر دیا ہے۔ مومن تو صرف وہی ہیں جو اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کے رسول پر ایمان لائیں، ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا پھر شک نہ کریں یعنی یہ ایمان متردد ایمان نہ ہو، ڈانواڈول ایمان نہ ہو، جما جمایا ایمان ہو، ایسا ایمان جس کے اندر ریب اور شک بار نہ پاسکے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ مومن تو دراصل یہ ہیں جو یوں مانیں اللہ اور اس کے رسول کو، جن کا دل اس طرح ٹھک جائے کہ اگر ساری دنیا اللہ اور اس کے رسول کی کسی بات کے خلاف مل کر آواز اٹھائے اور کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کا ساتھ دے تب بھی مومن اس کو نہ مانے گا۔ رد کر دے گا، اپنے وجود کی ساری توانائیوں کے ساتھ ٹھکرا دے گا، اور پکارے گا کہ یہ بات بالکل غلط ہے، صرف اللہ اور اس کے رسول ہی کی بات کو صحیح ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ اور یہ ساری آوازیں، یہ ساری چیخ وپکار، جاہلانہ غل ہے، شور وشغب سے زیادہ اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ مومن تو اس کا ساتھ دینے کی بجائے اس کوشش میں لگ جائے گا کہ اس آواز کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ اس لیے کہ یہ ایک باطل آواز ہے، اللہ کی دشمن آواز ہے، ایمان سے برسرپیکار گروہ کی نامردانہ چیخ وپکار ہے، کائنات میں فساد کا سبب ہے اور انسان کو جہنم کا [illegible] ہے۔

اس طرح سے مومن صحیح معنوں میں وہ ہے جس کا ظاہر وباطن ایک ہو۔ جس چیز کو حق جانتا ہو اس پر عمل کرکے اس کے حق ہونے کی گواہی دے اور اگر کوئی بات ایسی آن پڑے جو ایمان کے ساتھ میل نہیں کھاتی تو اس پر لازم ہے کہ ہمت کے ساتھ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی برابر کوشش کرتا رہے۔ یہ ایمان نہیں ہے کہ کسی بات کو حق جانتے ہوئے صرف اس وجہ سے قبول کر لے کہ دنیا کا چلن یہی ہے، یہاں رہنا ہے تو اس سے مفر نہیں۔ مومن تو زبان سے اس بات کو کہے گا، عمل سے اس کی مخالفت میں زور لگا دے گا، اپنے جیتے جی اس کو ماننے پر ہرگز تیار نہ ہوگا چاہے کم نظر دنیا داروں کی نگاہ میں اس کا اور اس کی کوشش کا حشر ایک مضحکہ خیز کھیل نظر آئے۔ مومن تو اس کی مخالفت میں چوٹ کھانا اپنی کامیابی سمجھے گا، اللہ سے اس کی توفیق کے لیے دعا کرے گا۔

(دعوت الی اللہ، صفحہ ۶۔۷)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِیْ اُمَّۃٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَ یَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَیْسَ وَرَآءَ ذَالِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ

(مسلم: کتاب الایمان، باب کون النھی ..... و ینقص)

"اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں فرمایا کہ جس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں، جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے ہوں۔ پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین پیدا ہوتے ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، اور وہ کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔ پھر جو کوئی ان سے اپنے ہاتھوں سے لڑے تو وہ مومن ہے، اور جو کوئی اپنی زبان سے ان سے لڑے تو وہ بھی مومن ہے، اور جو لڑے ان سے اپنے دل سے (یعنی دل میں برا جانے) تو وہ بھی مومن ہے، اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں"۔